ماہ نامہ کنزالایمان دہلی کی شاندار پیش کش
ذیقعدہ ۱۴۴۴ھ، جون ۲۰۲۳ء

بموقع فاتحہ چہلم
۱۵ جون ۲۰۲۳ء

رئیس التحریر نمبر

(مفکر اہل سنت، مولانا **یٰسٓ اختر مصباحی** دینی علمی، تعمیری تصنیفی، تحقیقی وتاریخی احوال وآثار)

- قدیم نصاب تعلیم کا پروردہ جدید نصاب تعلیم کے وارفتگان کا قبلہ نما
- دہلی کے پانچ مصباحی چشم وچراغ اور مولانا یاسین اختر مصباحی
- سواد اعظم اہل سنت وجماعت میں اتحاد واتفاق کے زبردست حامی تھے۔ حضرت امین ملت
- تحریک اسلاف شناسی کو زندگی بخش دی۔
سید اسلم میاں بریلوی
- اپنے حسنات کی بدولت ہمیشہ زندہ رہیں گے۔
پروفیسر اختر الواسع

- مولانا خود بھی کام کرتے اور دوسروں کو بھی کام پر لگاتے تھے۔ صدر العلماء
- تحقیق وتصنیف کی دنیا میں بڑی کمی محسوس کی جائے گی۔ حضرت شیخ الاسلام
- قلم کی عظمت اجڑ گئی، زباں کا زورِ بیاں گیا ہے۔ محقق مسائل جدیدہ

- ہم نے سونا سپرد خاک کیا۔ فتح احمد بستوی
- شہر کا شور، سناٹے میں بدل گیا۔ احمد جاوید

الجامعۃ القادریۃ دار القلم کا داخلی دروازہ

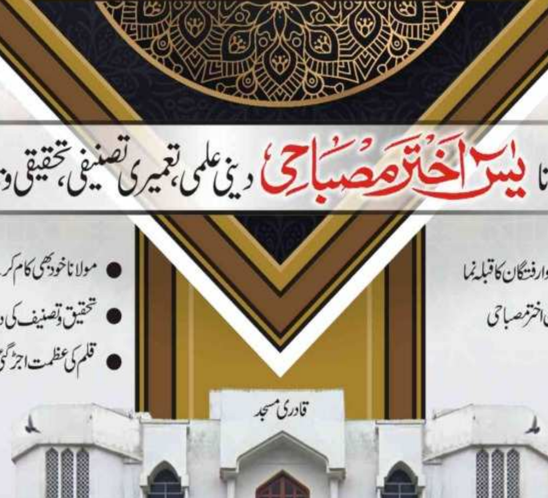

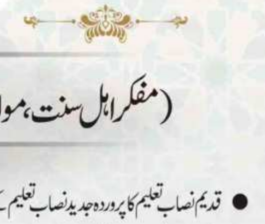

قادری مسجد کی جانب دار القلم کا بڑا حصہ

رئیس التحریر مولانا یٰسین اختر مصباحی کی تصانیف/تالیفات/تراجم/مرتّبات

تصانیف وتراجم مع تقدیم وتعارف مصنف

(۱) ترجمہ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (۲) المدیح النبوی۔ عربی (۳) خصائص رسول (۴) اصلاح فکر واعتقاد (۵) جشن عید میلاد النبی

تاریخ ہند/انقلاب ۱۸۵۷ء/تحریک وجنگ آزادی

(۶) علامہ فضل حق خیرآبادی اور انقلاب 1857 (۷) قائد انقلاب علامہ فضل حق (۸) جنگ آزادی انقلاب 1857 پس منظر وپیش منظر (۹) علمائے اہل سنت کی بصیرت وقیادت (۱۰) ممتاز علمائے انقلاب 1857 (۱۱) علما وقائدین جنگ آزادی (۱۲) انگریز نوازی کی حقیقت

اسلامی عقائد ونظریات/معمولات اہل سنت

(۱۳) پیغام عمل (۱۴) تعارف اہل سنت (۱۵) پیغام حجاز/ خاک حجاز کے نگہبان (۱۶) تجویز انہدام گنبد خضرا کا تاریخی پس منظر (۱۷) قرآن اور جہاد (۱۸) سواد اعظم (۱۹) سواد اعظم اہل سنت وجماعت (۲۰) مسائل توسل وزیارت (۲۱) موئے مبارک (۲۲) آیات جہاد کا قرآنی مفہوم (۲۳) تین طلاق اور حکم شریعت (۲۴) عرفان حقائق۔ مذہب اہل سنت وفقہ حنفی کے رہنما اصول (۲۵) تین طلاق کا شرعی حکم (۲۶) عرفان مذہب ومسلک (۲۷) عمرانہ کا مسئلہ اور حرمت مصاہرت (۲۸) اسلام۔ امن وشانتی کا پیامبر۔ ناشر: مختار پبلی کیشن کراچی (۲۹) تصوف اور سیاست

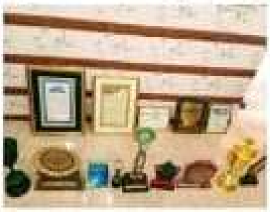

شخصیات اسلام/تذکار

(۳۰) تذکار خواجہ اجمیر (۳۱) سلسلہ ولی اللہی عزیزی۔ دینی وعلمی احوال وافکار۔ غیر مطبوعہ (۳۲) علمائے فرنگی محل۔ ہند میں۔ غیر مطبوعہ (۳۳) تین برگزیدہ شخصیتیں (۳۴) اویس زماں شاہ فضل رحماں (۳۵) آفتاب وماہتاب۔ اعلیٰ حضرت ومفتی اعظم ہند (۳۶) مجاہد ملت کی مجاہدانہ عزیمت (۳۷) حضرت صدر الافاضل۔ غیر مطبوعہ (۳۸) شارح بخاری۔ حالات وخدمات (۳۹) معارف شارح بخاری (شریک مرتب)

رضویات/افکار رضا/امتیازات رضا

(۴۰) معارف کنز الایمان۔ ترجمہ قرآن (۴۱) امام احمد رضا۔ ارباب علم ودانش کی نظر میں (۴۲) امام احمد رضا۔ اور۔ رد بدعات ومنکرات (۴۳) فقہ حنفی اور امام احمد رضا (۴۴) بارگاہ خواجہ میں امام احمد رضا کی حاضری (۴۵) امام احمد رضا کی فقہی بصیرت (۴۶) امام احمد رضا اور جدید افکار وتحریکات

سیاسی/سماجی/قومی ملی مسائل

(۴۷) مسلم پرسنل لا کا تحفظ (۴۸) بابری مسجد کی شہادت اور تعمیر نو (۴۹) ہندوستانی مسلمان اور ہندوتوا (۵۰) ہم اور ہمارا ہندوستان (۵۱) سنگھ پریوار کا ۲۱ نکاتی فارمولہ (۵۲) والیان نجد وحجاز کا تاریخی جائزہ (۵۳) امریکی اہانت قرآن (۵۴) خلیج کا بحران۔ ایک تحقیقی جائزہ (۵۵) نقوش فکر۔ اداریوں کا مجموعہ (۵۶) جلوس محمدی کا مسئلہ۔ چند قابل غور پہلو۔ ناشر: انجمن گلشن اسلام گمرالہ (۵۷) تعارف جامعہ اشرفیہ (۵۸) تعارف دار القلم

(وضاحت: ان میں سے تین کتابیں انگریزی زبان میں اور ۸ کتابیں ہندی زبان میں بھی دستیاب ہیں۔)

دار الحکومت دہلی کا معروف و مقبول کثیر الاشاعت اسلامی مجلہ

اور سوادِ اعظم اہلِ سنّت و جماعت کے مشاہیر علمائے ہند

١ شیخ عبد الحق محدّثِ دہلوی
٢ مجدّدِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی
٣ علّامہ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی
٤ علّامہ عبد العلی فرنگی محلی لکھنوی
٥ شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی
٦ شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی
٧ شاہ احمد سعید مجدّدی رام پوری
٨ علّامہ فضلِ حق چشتی خیر آبادی
٩ علامہ عبد العلیم فرنگی محلی لکھنوی
١٠ علّامہ فضلِ رسول عثمانی بدایونی
١١ سیّد شاہ آلِ رسول احمد مارہروی
١٢ مفتی ارشاد حسین مجدّدی رام پوری
١٣ مفتی غلام دستگیر قصوری لاہوری
١٤ علّامہ عبد القادر برکاتی بدایونی
١٥ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی
١٦ سیّد شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی
١٧ شیخ الاسلام شاہ انوار اللہ فاروقی حیدر آبادی

کے مسلکِ حق و صداقت کا نقیب و ترجمان

مجلسِ مشاورت

سید محمد مہدی میاں چشتی (اجمیر شریف)
مولانا افتخار احمد قادری (مدینہ منورہ)
پروفیسر عون محمد سعیدی (پاکستان)
مولانا محمد عبد المبین نعمانی (مبارک پور)
مولانا محمد قمر الحسن قادری (امریکہ)
مولانا محمد فروغ القادری (برطانیہ)
مولانا محمد افروز قادری فہمی (چریا کوٹ)
مولانا خالد ایوب مصباحی شیرانی (جے پور)
مولانا قاضی فضل احمد مصباحی (بنارس)

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد حنیف خان رضوی (بریلی شریف)
ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی (حیدر آباد)
سید حسن اشرف اشرفی (انگلینڈ)
مولانا محمد شاکر علی نوری (ممبئی)
الحاج محمد سعید نوری (ممبئی)
سید محمد فضل الرحمٰن چشتی (دہلی)
مفتی مجاہد حسین حبیبی (کولکاتا)
ڈاکٹر امجد رضا امجد قادری (پٹنہ)
مولانا مقبول احمد مصباحی (دہلی)

ماہنامہ کنز الایمان دہلی

کی اہم تاریخی پیشکش

رئیس التحریر نمبر

بموقع فاتحہ چہلم

۲۵ ذی قعدہ ۱۴۴۴ھ

۱۵ جون ۲۰۲۳ بروز جمعرات

ذی قعدہ ۱۴۴۴ھ | جون ۲۰۲۳ء

مشیرِ اعلیٰ: پروفیسر غلام یحییٰ انجم مصباحی
ایڈیٹر: محمد احمد رضوی
مدیر مسئول: محمد ظفر الدین برکاتی

مراسلت و ترسیلِ زر کا پتہ
ماہنامہ کنز الایمان دہلی
۴۲۳، مٹیا محل جامع مسجد، دہلی ۶

Postal Address.
KANZUL IMAN MONTHLY
423, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6 (India)
Ph:.23264524 Email.kanzuliman.delhi@gmail.com
Mob.: 9350505879, .9911971593

خراج عقیدت

مفکر اہل سنت، رئیس التحریر حضرت مولانا یٰسین اختر اعظمی مصباحی صاحب (سابق مدیر ومشیر اعلیٰ) کی ذات وشخصیت، ان کی خدمت دین وسنیت، تحریکی، قلمی، تحقیقی صلاح وفلاح کو خراج عقیدت جن کی بہت سی رہنمائیاں ہماری زندگی میں نظر آئیں گی، ان کا حق تھا جسے ادا کرنے کی ادنیٰ سی کوشش کی ہے۔

انتساب

مفکر اہل سنت کے بچپن کے دوست، دورِ نوجوانی کے درسی رفیق، عہد جوانی کے علمی، تعلیمی، فکری دوست اور پختہ عمری کے ہم مزاج، ہم خیال، ہم نوا، ہم دم اور ہم عصر عالم دین اور یٰسین شناس صدر العلماء، خیر الاذکیاء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ، اُستاذ گرامی کے نام جنھوں نے اِسی شمارے میں شامل اپنی معلوماتی تحریر میں اپنے اِس شاگرد پر مربیانہ اعتماد ظاہر کیا ہے کہ

''ذکر یار میں اِنہی سطور پر اکتفا کرتا ہوں، باقی بحق دیگراں چھوڑتا ہوں، ان کے دوستوں اور عقیدت مندوں میں اہل قلم کی بھی ایک اچھی تعداد ہے، شاید کہ ساری نگارشات کو جمع کرنا، سلیقے سے ترتیب دینا، کمپوز کرانا، پروف ریڈنگ کرنا اور چہلم تک شائع کرنا عزیز مکرم مولانا محمد ظفر الدین برکاتی مصباحی مدیر کنز الایمان کے لئے بارگراں ہو مگر ربّ کریم کا فضل وکرم ان شاء اللہ دست گیر ہوگا۔''

تہدیہ

خیر خواہ اہل سنت، ناشر کتاب وسنت، حافظ محمد قمر الدین رضوی مرحوم کی روح کو جن کی یادگار ہے یہ ماہ نامہ کنز الایمان جنھوں نے پیر بھائی ہونے اور اپنے آپ میں مست رہنے والے خود دار، صاحب قلم عالم دین کو سلیقے سے برت کر دکھایا ہے۔

ارمغان خلوص

شاگردِ رئیس التحریر، قدر دان مفکر اہل سنت، مرتبہ شناس محمد یٰسین، صدر جمہوریہ ایوارڈ یافتہ پروفیسر غلام یحییٰ انجم مصباحی، شعبہ علوم اسلامی جامعہ ہمدرد کو جو کہ ''رئیس التحریر نمبر'' ہی سے حضرت مصباحی صاحب کے قائم مقام، ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کے مشیر اعلیٰ ہوں گے۔

اعتذار نامہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کے زیر اہتمام ''رئیس التحریر نمبر'' کی تیاری اور ترتیب وتدوین کا فیصلہ بہت مختصر وقت میں لیا گیا ہے اور ہم نے ذاتی طور پر خود پر اعتماد کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہے اور تین چار افراد کا کام تن تنہا انجام دیا ہے، اس لئے لغزش، کوتاہی، غلطی اور خطا کا ہونا یقینی ہے، اس لئے جو بھی قابل گرفت غلطی اور خطا نظر آتی ہے، آپ اس کی نشاندہی ضرور کریں تاکہ ہم اپنی اصلاح کر سکیں اور غلطی وخطا کے ذمے دار ہم ہیں کیونکہ یہ ہماری نظر کے چوک جانے یا جلد بازی کا نتیجہ ہوگی۔

اب اہل نظر، ارباب دانش وقلم سے درخواست ہے کہ جو چیز بھی اجنبی لگے، جو بات بھی عجیب لگے اور جو حقیقت واقعہ کے خلاف نظر آئے، اس سے ہمیں ضرور آگاہ کریں۔ ''رئیس التحریر نمبر'' کی شکل میں ہماری محنت کے نتیجے میں اترنے والا یہ قرض اور کوشش کی حد تک ادا ہو جانے والا اِس فرض کے بعد ایسا کرنا ہر صاحب نظر قاری پر بھی قرض اور فرض باقی رہے گا۔

وضاحت نامہ

ابواب بندی اور سلیقے سے موضوعاتی ترتیب وتدوین کے لئے ضروری ہے کہ ہر مضمون میں الگ الگ مختلف معلومات ہوں بلکہ وقت بھی ہو لیکن یہاں مجبوری یہ ہے کہ معلومات میں یکسانیت ہے مگر جذبات واحساسات کی زبان اور لب ولہجہ الگ ہے اور صورت حال یہ ہے کہ تکرار کی بنیاد پر قلم کو مدیر کی انگلیوں پر چھوڑ دیتے ہیں تو بہت سی تحریروں کی روح کا تار ٹوٹ سکتا ہے، اس لئے بہت کم ادارت کا حق استعمال کیا ہے اور ضرورت محسوس کی ہے تو تمہیدی گفتگو کو پہلے مرحوم کیا ہے پھر جہاں تکرار کو حذف کرنے سے مضمون کی روح متاثر نہ ہونے کا یقین ہے تو بہر حال حذف کیا ہے اور نزاعی، اختلافی باتوں اور متنازع مسائل کو نظر انداز کرنا ہماری طبعی مجبوری ہے، البتہ بڑوں کے مضامین کو بہت حد تک آزاد رکھا ہے لیکن وہاں بھی حضرت مصباحی صاحب کی تصنیفات کے ناموں کا تکرار حذف کر دیا ہے۔ باقی صورت حال آپ کے سامنے ہے کہ چند عام فہم سرخیوں کے تحت سبھی مضامین، تعزیتی تاثرات اور تہنیتی پیغامات کو سمیٹ لیا گیا ہے۔ امید ہے کہ قارئین ''رئیس التحریر نمبر'' کو ایک عقیدت مندانہ نہیں بلکہ حقیقت پسندانہ اور پیغام آفریاں پیش کش کے طور پر قبول کریں گے اور اپنے مفید مشوروں سے نوازیں گے۔ ان شاء اللہ

ممکن ہے کہ کسی صاحب نے اپنا مضمون بھیج دیا ہو، تعزیتی نامہ ارسال کیا ہو، کسی کا تعزیتی پیغام کسی دوسرے نے میل کیا ہو، کسی نے اپنے جذبات واٹس ایپ کیے ہوں لیکن میر نظر نہیں پڑی یا جلد بازی میں بھول ہوگئی اور شامل ہونے سے رہ گیا تو ایسے حضرات معذرت قبول فرمائیں اور یقین کریں کہ ایسے تمام مضامین اور پیغام وتاثرات کو کسی قریبی شمارے میں یکجا شائع کر دیں گے۔ ان شاء اللہ

اظہارِ تشکر

مجلس مشاورت کے معزز محترم ارکان، مجلس ادارت کے احباب بھائی محمد احمد رضوی (مینیجنگ ڈائریکٹر) حروف ساز محمد صغیر احمد مصباحی، تزئین کار محمد نظام الدین نظامی، معاون تزئین کار محمد قاسم، ادارہ کے سرگرم مخلص احباب مطیع الرحمٰن انصاری اعظمی، بھائی اکبر علی رضوی، بھائی مزمل حسین صاحبان، بڑے بھائی محمد امام الدین انصاری صالح پوری، دار القلم کے مولانا محمد امجد رضا علیمی صاحب، سابق معاون مدیر مولانا محمد ارشاد عالم نعمانی صاحب، ان سبھی صاحبان کے ہم شکر گزار ہیں جنہوں نے ''رئیس التحریر نمبر'' کی ترتیب وتدوین اور تیاری میں ہمارا تعاون کیا۔

بطورِ خاص اپنی اہلیہ محترمہ عالمہ ام حبیبہ برکاتی کے شکر گزار ہیں جنہوں نے ہمیں بہت سی گھریلو مصروفیات سے آزاد رکھا۔ چھوٹے بھائی مولانا محمد فضل الرحمٰن برکاتی کو بھول جانا، احسان فراموشی ہوگی جنہوں نے مبارک پوری سے ہی ہمارا علمی تعاون کیا۔ باقی دیگر سبھی خیر خواہ اور مشیر کار حضرات اور صاحبان کا شکریہ جن کی بروقت توجہ کی بدولت ہم ایسا معلوماتی شمارہ ترتیب دینے میں کامیاب رہے۔ اور۔ ان کے زیادہ شکر گزار ہوں گے جو ''رئیس التحریر نمبر'' میں نظر آنے والی ہماری کوتاہیوں اور خامیوں سے ہمیں آگاہ کریں گے۔

محمد ظفر الدین برکاتی

اظہارِ تشکر

از۔ محمد نعیم اختر۔ خلف اکبر وجانشین رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمۃ والرضوان

ابا حضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی تشویش ناک علالت، طبیعت کی مسلسل خرابی اور لگاتار گرتی ہوئی صحت سے پریشان اور فکر مند علمائے کرام ومشائخ طریقت حضرات جنھوں نے علالت کے وقت میں فون پر دعائے صحت کی یا، غائبانے میں دعائے خیر وعافیت کرتے رہے اور جنھوں نے ابا جان قبلہ سے گھر پر یا ہاسپٹل میں ملاقات کر کے عیادت ومزاج پرسی کی اور برابر خیریت معلوم کرتے رہے اور پھر مرضی مولیٰ کے تحت آپ کے وصال کی خبر ملتے ہی قرآن خوانی اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا، دعائے مغفرت کی اور مجھے اور میرے بھائیوں کو فون پر تعزیت کیا، دِلاسا دِیا، صبر واستقامت

کی دعا کی اور مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ کی تلقین کی۔ میں اور میرے دونوں بھائی محمد نسیم اختر اور محمد فہیم اختر، اُن سبھی حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کی دعائے مغفرت اور ہمارے حق میں ان سب کی خیر خواہی کو قبول فرمائے۔آمین
اپنے والد محترم، اپنے گھر کے بزرگ، کسی مربی و خیر خواہ اور پُرسانِ حال کے انتقال کا غم کیا ہوتا ہے یہ سب جانتے ہیں، اس لئے ہم شدید صدمے میں تھے اور جب وقت گزرنے لگا تو چہلم کی فاتحہ خوانی اور اجلاس عام کو سلیقہ مندی سے انجام دینے کی فکر دامن گیر ہوئی جس کے ضمن میں بہت سے چھوٹے بڑے کام تھے جن میں ہم مشغول و مصروف ہوتے چلے گئے لیکن ابا جان قبلہ کی علمی دینی شخصیت اور تحقیقی و تصنیفی مقام و کارنامے سے واقف اور صحبت یافتہ، ایک طویل عرصے کے حاضر باش محب گرامی مولانا محمد ظفر الدین برکاتی مصباحی زید حبہ نے ابا حضور قبلہ کو خود بھی یاد رکھا بلکہ ہندو بیرون ہند میں پھیلے اکابر اہل سنت اور اپنے دوست و احباب کو باضابطہ تحریری صورت میں خراج عقیدت محبت پیش کرنے کی دعوت دی، جس کے نتیجے میں بہت قلیل وقت میں ان کی ذاتی اور خصوصی دلچسپی کی بدولت ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کا شاندار، دستاویزی، معلوماتی اور قابل قدر ''رئیس التحریر نمبر'' منظر عام پر آ گیا ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اور آپ کی آنکھوں کی روشنی میں اضافہ کر رہا ہے۔
اس لئے میں تمامی علمائے کرام، مشائخ طریقت، سبھی صاحبان قلم و قرطاس اور قدر دان کا شکر گزار ہوں کہ آپ سب نے برکاتی صاحب کے حوصلے کو بلند کیا بلکہ ان کی خواہش کا احترام کیا اور برکاتی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے وہ کر دکھایا جس کے بارے میں ہم لوگ سوچ رہے تھے کہ چہلم کے وقت کچھ تو ہونا چاہئے لیکن برکاتی صاحب نے بہت کچھ کر دیا، دل و دماغ کے نہاخانے اور علم و تجربہ و مشاہدہ کے سینوں میں محفوظ معلومات کو محفوظ کر دیا، ارباب تعارف و تحقیق کے لئے دستاویزی معلومات جمع کر دیے اور بہت سی حقیقتوں سے پردہ اٹھا دیا۔
اللہ تعالیٰ برکاتی صاحب کی مخلصانہ محنت کو قبول فرمائے۔آمین
شدید گرمی کی وجہ سے جو حضرات فاتحہ چہلم میں تشریف نہیں لا سکتے وہ اپنے یہاں ہی فاتحہ خوانی اور دعائے مغفرت کا اہتمام کریں

مدرسہ زہرا مدینۃ العلوم، قادری مسجد چوک، جامعہ نگر

سن تاسیس
۸، اگست ۲۰۱۷ء

زیر انتظام: نوری فاؤنڈیشن ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

شعبے: حفظ و قرأت، شعبۂ ابتدائی (پرائمری) دینیات و ناظرہ مع تجوید

اساتذۂ کرام: (۱) حافظ و قاری محمد اشفاق قادری، بانی و ناظم - 9136988924
(۲) حافظ و قاری محمد ریاض الدین رضوی (۳) ماسٹر محمد فیاض احمد صاحب (استاذ انگریزی، ہندی، حساب)

صدر: انجینئر حاجی محمد مصطفیٰ اصطفاء اختر - 9811983404

سالانہ محافل و مجالس

(۱) محفل عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۲) محفل شہدائے کربلا (۳) محفل حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی (۴) محفل حضرت سرکار غوث اعظم عبد القادر جیلانی (۵) محفل سرکار حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی (۶) محفل سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی
(۷) سالانہ جلسہ دستار بندی و تعلیمی کانفرنس

جب کوئی دشواری درپیش ہوتی تو حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے قاری صاحب! گھبرائیں نہیں۔ جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، دار القلم (وغیرہ) کا تعاون اوکھلا کے عوام ہی کرتے ہیں اور اب آپ نے بھی ادارہ قائم کیا ہے تو اُس کا بھی تعاون عوام کریں گے۔ آپ کو چاہیے کہ تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام کریں اور دین متین کی خدمت کرنے کا جذبہ مخلصانہ رہے۔ آپ جس کے دین اور جس کی کتاب کی خدمت کرتے ہیں، وہی مدد فرمائے گا۔

مندرجات

ابتدائیہ : انتساب-وضاحت نامہ-اعتذار نامہ-اظہار تشکر-
اظہار تشکر-از-محمد نعیم اختر

اداریہ : محمد ظفر الدین برکاتی-مصباحی صاحب کے علمی سرمایہ کو سنبھالنا شاندار خراج عقیدت ——— (ص ۷ تا ۱۲)

اکابر نامہ : (علماء ومشائخ طریقت کے تعزیتی کلمات وتاثرات) ——— (ص ۱۴ تا ۲۱)
حضرت سید محمد مدنی میاں مصباحی، حضرت مولانا سبحان رضا خاں سبحانی میاں بریلوی، حضرت سید محمد امین میاں قادری برکاتی، حضرت سید نجیب حیدر قادری برکاتی، شاہ عمار احمد چشتی ردولوی، مفتی عبد المنان کلیمی مصباحی، شیخ عطیف میاں قادری بدایونی، سید محمد اسلم میاں واسقی بریلوی، مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی قادری، شیخ محمد انور علی سہیل فریدی، مفتی مبارک حسین نعمانی۔

مرکز نامہ : (مرکز عمل دار القلم کے اساتذہ، قادری مسجد کے امام صاحبان) ——— (ص ۲۲ تا ۳۶)
اقلیم رضا مصباحی، امجد رضا علیمی، محمد ارشاد عالم نعمانی، حیدر علی قادری، نور الزماں مظہری، غلام احمد رضا مصباحی، عابد رضا مصباحی بریلوی، معاذ احمد مصباحی، فیضان احمد نعیمی

صحبت نامہ : (دار القلم کی مجلس میں حاضر باش حضرات) ——— (ص ۳۶ تا ۵۷)
ڈاکٹر محمد سجاد عالم رضوی مصباحی، ابرار رضا رشیدی مصباحی، ڈاکٹر جہانگیر حسن مصباحی، انیس الرحمٰن خاں مصباحی، محمد رضا قادری مصباحی، محمود غازی ازہری، منظر امن مصباحی، ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن مصباحی، عارف رضا نعمانی، نیاز احمد مصباحی

ادری نامہ : (خالص پورادری کے علمائے کرام) ——— (ص ۵۷ تا ۶۴)
مولانا عرش محمد قادری، مولانا جعفر صادق، مولانا عبد السلام مصباحی، انصار رضا مصباحی، محمد سلیم انصاری ادروی

مجلس نامہ : (ارکان مجلس مشاورت ماہنامہ کنز الایمان) ——— (ص ۶۴ تا ۹۲)
حضرت سید محمد مہدی میاں چشتی، مولانا افتخار احمد قادری، مولانا عبد المبین نعمانی، مولانا محمد قمر الحسن قادری، پروفیسر عون محمد سعیدی، مولانا محمد حنیف خاں رضوی، مولانا محمد شاکر علی نوری، الحاج محمد سعید نوری، ڈاکٹر امجد رضا قادری، مولانا محمد فروغ القادری، مفتی مجاہد حسین حبیبی، مولانا محمد افروز قادری، مولانا خالد ایوب مصباحی شیرانی، مولانا مقبول احمد سالک مصباحی

تعارف نامہ : (تذکار-افکار-امتیازات) ——— (ص ۹۳ تا ۱۴۲)
علامہ محمد احمد مصباحی، مفتی محمد نظام الدین رضوی، پروفیسر غلام یحییٰ انجم مصباحی، مولانا سید علیم الدین اصدق مصباحی، مولانا محمد ادریس بستوی، پروفیسر اختر الواسع، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، احمد جاوید صاحب، ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی، سید محمد امان میاں قادری برکاتی، مولانا غلام مصطفٰی نعیمی، محمد عطاء النبی حسینی مصباحی

افادات نامہ : (تحریکات/ملاقات/مشاورت/اثرات/باقیات) ——— (ص ۱۴۲ تا ۱۵۳)
عارف رضا اشفاقی، ابو اللیث فصیحی، مولانا ممتاز عالم مصباحی، مظہر حسین علیمی، طفیل احمد مصباحی، محمد صابر رضا محب القادری
صابر رضا رہبر مصباحی، خلیل احمد فیضانی، محمد صادق مصباحی

ادب نامہ : (عربی زبان دانی، خدمات واثرات) ——— (ص ۱۵۶ تا ۱۶۱)
مولانا نفیس احمد مصباحی، ڈاکٹر انوار احمد خاں بغدادی

منظومات : ——— (ص ۱۶۳ تا ۱۶۶)
مولانا محمد قمر الحسن قادری قمر بستوی مصباحی، مولانا غیاث الدین احمد عارف مصباحی، ڈاکٹر غلام اختر مصباحی، اختر ویشالوی، مولانا سید شہباز اصدق صاحب، مولانا سید قیصر خالد فردوسی، ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی، مولانا محمد سلمان فریدی مصباحی، مولانا کیف الحسن قادری

۱۴۱۱ھ — سن تاسیس — ۱۹۹۲ء

جامعہ قادریہ دار القلم قادری مسجد

گلی نمبر ۲، جوگابائی ایکسٹینشن، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی-۲۵

زیر اهتمام: دار القلم ذاکر نگر نئی دہلی (رجسٹرڈ) **زیر انتظام:** محمد ظہیر برکاتی وحاجی محمد حسنین برکاتی صاحبان

موجوده شعبے: حفظ وقرأت، شعبہ ابتدائی (پرائمری) دار المطالعہ (برکاتی لائبریری) شعبہ نشر واشاعت

دار القلم کی عمارت

تین بڑے ہال (پہلی منزل: برکاتی لائبریری، دوسری منزل: دار الحفظ، درس گاہ شعبہ حفظ ومحفل خانہ۔ تیسری منزل: تعلیمی نشست گاہ) قیام گاہ مصباحی صاحب، مہمان خانہ، آفس روم، کمپیوٹر روم، اسٹور روم، گودام برائے تصنیفات مصباحی صاحب، باورچی خانہ ابتدائی درس گاہ (پہلی منزل کے تین کمرے) بالائی منزل (تیسری) بھی مکمل ہے، صفائی وغیرہ باقی ہے۔

موجوده اساتذه: مولانا محمد امجد رضا علیمی، صدر مدرس 9718872604

قاری نبی رضا (استاذ وسفیر) 8178729612-قاری محمد الیاس رضا صاحب (شعبۂ حفظ) مولانا فرید احمد علیمی (شعبہ ابتدائی)

دار القلم قادری مسجد کے سابق اساتذہ وصدر المدرسین

مولانا اقلیم رضا مصباحی (لمرا فاؤنڈیشن) قاری سرفراز احمد بارہ بنکوی (موریشش) قاری واجد علی قادری، قاری مبشر حسین صاحب، قاری محمد یونس رضا صاحب، قاری اشتیاق احمد صاحب، مولانا غلام احمد رضا مصباحی (کشی نگر) مولانا خورشید رضا مصباحی (کاتب صاحب) مولانا محفوظ رامپوری، مولانا ممتاز عالم مصباحی، مولانا عبد السمیع قادری علی گڑھی، مولانا اشرف الکوثر مصباحی، مولانا شوکت علی سعیدی (مسلم فاؤنڈیشن) قاری علی احمد لکھنوی، مولانا ضیاء الدین خان مصباحی، مولانا محمد شمس الدین مصباحی، مولانا محمد علاء الدین صاحب، قاری محمد نسیم قادری، قاری اشفاق احمد قادری، حافظ ریاض الدین صاحب، قاری وجہ القمر صاحب، مولانا عقیل احمد صاحب، قاری امیر اللہ صاحب، قاری انوار احمد صاحب، قاری ابرار احمد صاحب، قاری سمیع اللہ صاحب، قاری عبد الرؤوف صاحب، قاری محمد رضوان قادری

لائبریرین: مولانا محمد ارشاد عالم نعمانی، مولانا مشتاق احمد قادری صاحبان (برکاتی لائبریری کی توسیع مکمل ہو چکی ہے۔ جدید تیار ہے)

کمپیوٹر آپریٹر: مولانا محمد توفیق راہی مصباحی، مولانا محمد وسیم خان مصباحی، مولانا محمد آصف خان مصباحی

ملازمین: شریف بھائی خان صاحب: مصباحی صاحب کے خادم خاص-8799730424-عثمان علی صاحب (باورچی)

قادری مسجد کے امام وخطیب صاحبان

قاری سرفراز احمد صاحب، مولانا اقلیم رضا مصباحی، مولانا شہاب الدین صاحب، مولانا منت اللہ صاحب، مولانا جہانگیر عالم صاحب، مولانا ممتاز عالم مصباحی، مولانا حیدر القادری صاحب، مولانا حیدر علی قادری صاحب (مہرولی) مولانا معاذ احمد مصباحی، مولانا عابد رضا بریلوی مصباحی، مولانا منظر محسن نعیمی، مولانا فیضان احمد نعیمی (موجودہ امام)

وضاحت: ابتدا میں حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب نے بھی قادری مسجد میں امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیا ہے۔

ناظم ومنتظم صاحبان: محمد ظہیر برکاتی-9811147564 حاجی محمد حسنین برکاتی-9810012966

اداریہ

تعمیر وترقی اور تاریخ وتحقیق کی وراثت، قوم وملت کے حوالے

مصباحی صاحب کے علمی سرمایہ کو سنبھالنا ہی شاندار خراج عقیدت

حضرت مولانا یاسین اختر اعظمی مصباحی نے اپنے من میں ڈوب کر اپنی سی زندگی گزاری اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ سراغ زندگی کو پالیا

محمد ظفر الدین برکاتی★

حضرت مولانا محمد یٰسین اختر اعظمی مصباحی (۱۲ فروری ۱۹۵۳ء-۷ مئی ۲۰۲۳ء) کا ذاتی شخصی اور علمی مقام ومرتبہ کیا تھا، اُسے تفصیل سے دیکھنے سمجھنے کے لئے ''رئیس التحریر نمبر'' کا مطالعہ کریں اور جولائی کے عام شمارے میں بھی ان کی پوری زندگی کا تعارف پیش کر دیا گیا ہے اور خوبی کی بات یہ ہے کہ ان کے ہم نوا، ہم عصر، ہم مزاج علمائے دین نے تعارف کرایا ہے جنھوں نے انھیں بچپن سے مرض الموت تک ۷۱ سالہ زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے، اس لئے ہم یہاں صرف دہلی کے تناظر میں مصباحی صاحب کی شرعی، نظریاتی، تنظیمی اور تحریکی رہنمائی اور مشاورت وسرپرستی کے حوالے سے اپنے مشاہدات کی روشنی میں ان کا تعارف پیش کرتے ہیں تاکہ اہل دہلی عوام وخواص اور بطورِ خاص علمائے دہلی کو احساس ہوجائے کہ کیسی بڑی نعمت سے آج وہ محروم ہو گئے ہیں۔

ماہ نامہ حجاز جدید (اگست 1988-نومبر 1992ء) اور ماہ نامہ کنز الایمان دہلی (نومبر 1998-نومبر 2007ء) کے بعد پوری طرح دار القلم قادری مسجد ذاکر نگر دہلی پر توجہ دینے لگے اور ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کے تاحیات مشیر اعلیٰ رہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ تین چار مسائل میں سرگرم بحث اور علمی وفکری نوک جھونک بلکہ لفظی اور تعبیری اختلاف کے باوجود ناچیز پر حضرت مصباحی صاحب کا اعتماد قابل تذکرہ رہا ہے جس کا اعتراف حضرت کی دعوت پر چائے کی لذت پانے والے بہت سے حضرات بھی کرتے ہیں۔ ہمارے تعلق سے حضرت مصباحی صاحب کی زندگی کا یہ پہلو ہمارے لئے شرف کی بات ہے جس پر ہمیں بجا طور پر فخر ہے۔ پروفیسر اختر الواسع صاحب نے فون پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا کہ مصباحی صاحب سے رشتہ وتعلق کا آپ نے حق ادا کر دیا۔ ان شاء اللہ اِس کا اجر آپ کو بھی ملے گا۔

حضرت مصباحی صاحب سے ہماری شناسائی رضوی کتاب گھر میں ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کے دفتر کے ذریعے ہوئی جب آپ نومبر 2006 میں دبئی کتاب میلہ سے ''برکاتی لائبریری'' دار القلم کے لئے عربی زبان میں قیمتی اور مجلدات والی کتابیں خرید کر واپس ہوئے اور ہمارے روم پارٹنر ریاض احمد مصباحی وسیلہ بنے جو اُس وقت رضوی کتاب گھر میں آپریٹر تھے۔ تیسرے دن ماہ نامہ کنز الایمان کے دفتر میں تشریف لائے تو ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کے مالک حافظ محمد قمر الدین رضوی مرحوم نے بتایا کہ آپ کی غیر موجودگی میں مولانا محمد ظفر الدین برکاتی نے ماہ نامے کو دو مہینے دیکھا ہے اور آپ کی طرح یہ بھی مصباحی صاحب ہیں لیکن ابھی بچے ہیں تو مصباحی صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ مصباحی ہیں تو بچہ کہاں رہے اور میری جگہ سنبھال لی تو پھر یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہی کہ ابھی ابھی جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے فارغ ہوئے ہیں اور فرمایا کہ

حافظ صاحب! تنخواہ چونکہ آپ کو دینا ہے، اس لئے آپ مطمئن ہیں تو میں بھی مطمئن ہوں اور آج سے یہ میری جگہ ادارت کی ذمے داری سنبھالیں گے لیکن حافظ صاحب نے کہا کہ ابھی آپ اپنی نگرانی میں کام کرنے دیجئے پھر فیصلہ کر لیا جائے گا، اس طرح سے ایک سال گزر گیا پھر ایک دن حضرت مصباحی صاحب دفتر میں کسی دوسرے شہر سے تشریف لائے تو فرمایا کہ چند قارئین کے تبصرے اور تذکرے سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اب مولانا محمد ظفر الدین برکاتی میری جگہ کام کر لے جائیں گے اور آپ آج سے ہی انھیں باضابطہ طور پر ماہانہ طے کر کے رکھ لیجیے اور مجھے اجازت دیجئے کہ اپنے ادارہ دار القلم پر توجہ دے سکوں اور قوی امکان ہے کہ عنقریب ماہ نامہ ''دار القلم'' دہلی کے نام سے ایک نیا خالص علمی اور تحقیقی نوعیت کا رسالہ منظر عام پر آسکتا ہے جس میں مولانا محمد ظفر الدین برکاتی جیسے نوجوانوں کی ضرورت ہوگی۔

آج جب ہم نے ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کی ادارتی عمر کا حساب لگایا تو حیرت ہوئی کہ نومبر 2007ء سے تاحال 17 سال ہونے کو آئے اور مزید

حیرت ہوئی کہ اب تک ہمارے 196 اداریے شائع ہو چکے ہیں، درمیان میں پانچ اداریے حضرت مصباحی صاحب کے اور تین دیگر حضرات کے مضامین بطورِ اداریہ شایع ہوئے ہیں ورنہ یہ تعداد 204 ہوجاتی، اِس کے علاوہ ضرورت کے تحت لکھے گئے دیگر مضامین، تعارفی تبصرے، تجزیے، سفر نامے اور مختلف اجلاس وسیمینار کانفرنس کی تفصیلی رپورٹ وغیرہ الگ ہیں۔

یہ سب دیکھ کر ہم سوچنے لگے کہ بطورِ ملازمت حضرت مصباحی صاحب کے حوالے سے معروف ومقبول رسالہ سے جڑے رہنے کا یہ نتیجہ ہے تو خود مصباحی صاحب کے مشن کا حصہ ہوتے اور منصوبہ بندی کے تحت کام کیا ہوتا تو کیا صورت حال ہوتی۔ یہ پہلو ہماری طرح دیگر تمام نوجوانوں کے لئے درس عبرت ہے جو تحریر وقلم کو اپنا علمی اور عملی میدان بنانا چاہتے ہیں کہ اُسے زندگی کا مشن بنائے بغیر حضرت مصباحی صاحب جیسے اکابر کی طرح کام کرنا ممکن نہیں جسے دنیا یاد رکھے اور دوسرا سبق یہ ہے کہ ہواؤں کے دوش پر چلنا کارے دیگر است اور سب کی طرح عام سی ڈگر پر چل پڑنا بھی قابل ذکر قدم نہیں ہوسکتا جب تک کہ حضرت مصباحی صاحب جیسی ”اپنے من میں ڈوب کر اپنی سی زندگی“ اپنے طے شدہ مشن کے تحت“ نہ گزاری جائے اور مصباحی صاحب کی روش پر نہ چلا جائے لیکن اگر ایسا نہیں کر سکتے تو حضرت مصباحی صاحب کے تعمیری، علمی اور تحقیقی تاریخی سرمایہ کو سنبھالنا اُن کی روح کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے تو ضرور ممکن ہے اور ہمارے خیال سے مصباحی صاحب کے سرمایہ کو سنبھالنا ہی شاندار خراج عقیدت ہوگا جس پر ہم سب کو غور کرنا چاہیے۔ بطورِ خاص ان سبھی حضرات کو غور کرنا چاہیے جن کا ہم تذکرہ کرنے جارہے ہیں اور جنھوں نے مختلف مقامات پر تحریر وتقریر کے ذریعے متعدد بار اعلان واظہار کیا ہے کہ حضرت مصباحی صاحب ہمارے مذہبی رہنما، بزرگ سرپرست اور مخلص مشیر کار ہیں، ہمیں امید ہے کہ یاد دِہانی کے بعد وہ سبھی حضرات اپنے اعلانیہ پر ضرور توجہ دیں گے اور اپنے کہنے کا تقاضا پورا کریں گے۔ اِن شاء اللہ

۱۹۸۷ء میں حضرت مصباحی صاحب کا میوات کے علاقے میں آنا جانا خوب ہوا۔ اُسی سال آپ کی صدارت میں تنظیم اہل سنت میوات (نوح ہریانہ) قائم ہوئی جس کے ذمہ دار، شیر میوات مفتی محمد اسحاق اشفاقی صاحب بنائے گئے اور آپ نے اپنی ذمے داری بحسن وخوبی پوری کی تھی جس کو آج تک وہ نبھا رہے ہیں۔ بلبھ گڑھ والے نیاز احمد قادری صاحب بھی اس میں پیش پیش تھے۔ آج مولانا عارف رضا اشفاقی زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

دراصل آپ شروع سے ہی تحریک مزاج رکھتے تھے، اس لئے دہلی میں مستقل قیام کے بعد جس کو تنظیم وتحریک کے قابل پاتے، اس کو تحریکی اقدام وعمل پر آمادہ کرتے۔ صرف دہلی میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ دہلی کے باہر آپ کی تحریکی رہنمائیوں اور تنظیمی مشوروں کی مثالیں آپ ”رئیس التحریر نمبر“ میں جا بجا محسوس کریں گے لیکن جلدی سمجھنے اور آپ کی تحریکی زندگی کو محسوس کرنے کے لئے حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ کی تحریر کا مطالعہ کافی ہوگا۔

جون 2003 میں ذاکر نگر اوکھلا، نئی دہلی کے جناب عتیق الرحمن عرف بابو بھائی مرحوم کی قیادت، مولانا اقلیم رضا مصباحی کی معیت اور حضرت مصباحی صاحب کی سرپرستی میں ”اہل سنت اکیڈمی“ کا قیام عمل میں آیا تا کہ جامعہ نگر اوکھلا دہلی میں اہتمام کے ساتھ عید میلاد النبی کا جلوس نکالا جائے۔ یہ اکیڈمی ٹرسٹ کی شکل میں باضابطہ رجسٹرڈ ہے اور بہت سے رفاہی فلاحی کام بھی کرتی ہے۔ اس کے صدر بابو بھائی مرحوم کے دور میں جیسی بیداری تھی، آج اس کے ارکان میں وہ بیداری نہیں البتہ موجودہ سبھی ارکان یہ احساس کر رہے ہیں کہ ہم سب ایک مخلص عالم دین اور خیر خواہ سرپرست سے محروم ہو گئے ہیں، اس احساس کے تحت ۲ جون ۲۰۲۴ء کو نماز جمعہ کے بعد دار القلم قادری مسجد کے مہمان خانے میں بیٹھ کر اکیڈمی کے ارکان نے حضرت مصباحی صاحب کو یاد کیا پھر یہ احساس نامہ جاری کیا:

اہل سنت اکیڈمی اپنے سرپرست سے محروم:

جامعہ نگر اوکھلا میں اہل سنت اکیڈمی ذاکر نگر سے سبھی واقف ہیں جو، ہر سال عید میلاد النبی کے جلوس کی قیادت وانتظام کرتی ہے، حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب اس کے سرپرست تھے اور جب بھی اکیڈمی کے ارکان آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تو بڑی محبت سے پیش آتے اور مفید مشوروں سے نوازتے۔ اکیڈمی نے گزشتہ چند سالوں میں اپنے بانی رکن جناب عتیق الرحمن عرف بابو بھائی مرحوم اور عبد الباری بھائی مرحوم کا خسارہ برداشت کیا ہے، البتہ حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب کا بدل کوئی نہیں لیکن وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ آج بعد نماز جمعہ دار القلم قادری

مسجد ذاکر نگر کے مہمان خانے میں اکیڈمی کے ارکان نے حضرت مصباحی صاحب کو یاد کرتے ہوئے ان کی مشیرانہ سرپرستی کا اعتراف کیا۔

اکیڈمی کے سرگرم رکن سید عاطر علی نے بتایا کہ حضرت مصباحی صاحب نے ایک بات بار ہا کہی ہے کہ اکیڈمی میں نیا خون یعنی نیا رکن برابر شامل ہوتے رہنا چاہیے تا کہ ہمت وحوصلے والے کام مسلسل اور مستقل ہوتے رہیں کیونکہ پرانے لوگ وقت گزرنے کے ساتھ ہلکے اور ڈھیلے پڑ جاتے ہیں لیکن نئے لوگ نیا جوش لے کر شامل ہوتے ہیں اور کسی بھی رفاہی فلاحی اور تنظیمی تحریکی انجمن اکیڈمی کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ اس میں نیا خون شامل ہوتا رہے۔ اکیڈمی کے بانی رکن محمد شاہین خان نے بتایا کہ اکیڈمی اسی لئے قائم ہوئی کہ جامعہ نگر اوکھلا میں عید میلا دالنبی کے جلوس کو عقیدت و محبت کے ساتھ نکالا جائے اور حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب شروع دن سے ہر سال قادری مسجد کے مرکزی دروازے پر جلوس کا آغاز کرتے اور بلند آواز میں دعا کرتے پھر پرچم لہراتے ہوئے دو چار قدم چل کر جلوس کو آگے بڑھاتے اور واپسی میں بھی نماز ظہر کے بعد صلوۃ وسلام اور مصباحی صاحب کی دعا پر ہی جلوس مکمل ہوتا۔ افسوس کہ اب بارہ ربیع الاول شریف کو حضرت مصباحی صاحب کی یاد آتی رہے گی لیکن اگر چہ وہ دنیا میں موجود نہیں لیکن جلوس عید میلا دالنبی کے آغاز وانجام کے وقت روحانی طور پر شامل رہیں گے۔

اکیڈمی کے اہم رکن ایڈوکیٹ عامل علی خان نے اکیڈمی کے سرپرست کی خاموش مزاجی اور خوش اخلاقی سے پیش آنے کی عادت کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ اب تک اکیڈمی نے اپنی بساط کے مطابق بہت سے نیک اور فلاحی کام کیے ہیں جیسے نادار غریب بچیوں کی شادی، غریب بچے بچیوں کی تعلیمی کفالت، فیس و یونیفارم کی دستیابی، دارالقلم قادری مسجد میں درس نظامی کا ''عالم کورس'' شروع کرنے کے لئے درس نظامی کی کتابوں کی خریداری کے علاوہ دو بڑے کام بھی کیے ہیں جیسے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی کے جشن صد سالہ پر سو پودے لگا کر منفرد خراج عقیدت پیش کیا ہے اور اعلیٰ حضرت کے ترجمہ قرآن کنزالایمان کو اردو، ہندی، انگریزی زبانوں میں بڑی تعداد میں مفت تقسیم کیا ہے اور خوشی کی بات یہ ہے کہ حضرت مصباحی صاحب کی ہر موقع پر سرپرستی حاصل رہی ہے اور آپ نے حوصلہ افزائی کی ہے۔ مزمل حسین برکاتی نے اکیڈمی کو مصباحی صاحب کے مشورہ کے مطابق زندہ رکھنے پر زور دیا۔

موقع پر مولانا محمد ظفرالدین برکاتی مصباحی (برکاتی بک سینٹر والے) مولانا محمد امجد رضا علیمی صدر مدرس دارالقلم قادری مسجد، مولانا محمد حیدر رضا مصباحی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، محمد ندیم قریشی وغیرہ موجود تھے جب کہ محمد شیراز خان، بھائی قدیر خان، محمد یاسین بھائی، محمد سلیم الحسینی، شپو بھائی سرفراز صاحب، محمد عدنان، اورنگ زیب بھائی، مزمل حسین پھول والا، محمد اظہرالدین (برکاتی بک سینٹر) کی موجودگی کو بھی محسوس کر لیا گیا۔

حضرت مصباحی صاحب کی سرپرستی میں قائم ہونے والی دوسری تنظیم مسلم فاؤنڈیشن دہلی ہے جو عصری جامعات میں زیر تعلیم اُس وقت کے طلبہ کی دہلی میں اولین تنظیم تھی جو مدارس کے فارغین تھے اور آج کسی نا کسی شعبے میں کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ مسلم فاؤنڈیشن دہلی کا قیام 18 جنوری 2003ء کو ہوا جس کا بنیادی مقصد، دینی مدارس کے فارغین کی عصری جامعات کی طرف ہمہ جہت رہنمائی اور مشیرانہ خیر خواہی تھا جس کے چار شعبے تھے اور ہر شعبے کا الگ صدر، الگ نائب صدر، سکریٹری اور چند ارکان ہوتے اور سبھی شعبوں کا نگراں اس کے ڈائریکٹر مولانا شوکت علی صاحب تھے جو فاؤنڈیشن کی حیات تک ڈائریکٹر رہے۔ اس کا سالانہ مشاورتی اجلاس دارالقلم میں ہی ہوا کرتا تھا جس میں مخصوص حضرات واشخاص کی دعوت افطار ہوا کرتی تھی جس میں سبھی شعبوں کے صدر صاحبان اپنی کارگزاری رپورٹ پیش کرتے۔ نومبر 2003ء میں فاؤنڈیشن نے عصری تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند فارغین مدارس کے لئے ایک مفید کتاب ''یونیورسٹی گائیڈ لائن'' شائع کی جو، اگلے تین چار سالوں میں تین مرتبہ چھپی یعنی ضرورت کے مطابق تین مرتبہ اس کی طباعت ہوتی رہی، آخری طباعت فروری 2007 میں ہوئی پھر اُس کے بعد اور طباعت کی ضرورت نہیں پڑی کیوں کہ اُس وقت مدارس کے فارغین کی بڑی تعداد یونیورسٹی میں داخلہ لے چکی تھی اور ہر نو وارد کو اُسی کا علاقائی بآسانی دستیاب تھا جو اس کی بھرپور رہنمائی کر دیتا۔ آج تو جامعہ اشرفیہ مبارک پور، دارالعلوم علیمیہ جمد اشاہی، جامع اشرف کچھو چھہ شریف، دارالعلوم منظر اسلام، جامعۃ الرضا بریلی شریف وغیرہ کے بے شمار فارغین مختلف یونیورسٹی کے مختلف شعبے میں زیر تعلیم ہیں بلکہ 2010 کے پہلے کی کھیپ سے بہت سے فارغین نے یونیورسٹی میں ملازمت بھی حاصل کر لی ہے تاہم ایک بات طے ہے کہ ایک اقامتی ادارہ کے طور پر جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نے جس طرح سے عصری جامعات

میں داخلہ لینے والے بہت سے طلبہ کے لئے آسانیاں فراہم کی ہیں تو مسلم فاؤنڈیشن دہلی نے بھی ایک خیر خواہ مشیر کے طور پر فارغین مدارس کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے، اِس تاریخی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مسلم فاؤنڈیشن نے نو وارد طلبہ کی بنیادی ضرورت کے تحت تین چار کتابیں بھی شائع کی تھیں جو بہت کارآمد ثابت ہوئیں جیسے عربک انگلش گائیڈ، معلومات عامہ، عصری علوم وفنون اور اسلام اور عصر جدید۔ ہمارے سامنے فی الحال ''یونیورسٹی گائیڈ لائن'' دستیاب رکھی ہوئی ہے جس میں طباعت اول اور طباعت دوم کے وقت لکھا گیا مصباحی صاحب کا مقدمہ شامل ہے، یقیناً دوسری کتابوں میں بھی حضرت مصباحی صاحب کا مقدمہ شامل ہوگا کیونکہ مسلم فاؤنڈیشن کے ہر اقدام وفیصلہ میں حضرت مصباحی صاحب کی موجودگی ضرور ہوا کرتی اور فاؤنڈیشن کے ارکان برابر ملاقات کے لئے حاضر ہوا کرتے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انھیں اپنا سرپرست تسلیم کرتے ہوئے حاضر ہوا کرتے بلکہ ملازمت ملنے کے بعد بھی سرپرستی کو تسلیم کرتے رہے۔ البتہ اُن ایسے طلبہ کی تعداد سیکڑوں میں تھی لیکن فاؤنڈیشن کی عمر جیسے کم ہونا شروع ہوئی، تسلیم کرنے والوں کی یہ تعداد بڑھتی گئی اور فاؤنڈیشن کے دائرۂ کار جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی یونیورسٹی، ہمدرد یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی دہلی، بھارتی ودیا بھون دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد تک کے طلبہ حضرت مصباحی صاحب کو اپنا سرپرست تسلیم کرتے اور یہ تسلیم کرنا مسلم فاؤنڈیشن کے واسطے زیادہ محسوس کیا گیا، اس لئے مسلم فاؤنڈیشن دہلی کے ارکان پر بھی یہ اخلاقی فریضہ بنتا ہے کہ وہ اب خوش حال ہو چکے ہیں اور بہت کچھ کر گزرنے کے قابل ہیں، اب وہ اپنے سرپرست کے علمی اور تحقیقی وتاریخی سرمایہ کو سنبھال کر محفوظ رکھنے اور مفید تر بنانے کی حکمت عملی تیار کریں تو بڑی بات ہوگی اور احسان شناسی کی تاریخ رقم ہوگی۔

دہلی کی تیسری، تنظیم ابنائے اشرفیہ دہلی ہے جو حضرت مصباحی صاحب کی سرپرستی میں قائم ہوئی اور قیام کے دن حضرت مولانا ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی صاحب، پروفیسر غلام یحییٰ انجم مصباحی صاحب ہمدرد یونیورسٹی، مولانا عبید اللہ خان اعظمی صاحب اور مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور بحیثیت جنرل سکریٹری تنظیم ابنائے اشرفیہ دارالقلم میں موجود تھے اور سب کے اتفاق رائے سے مولانا ڈاکٹر سجاد عالم رضوی مصباحی کو صدر بنایا گیا، مولانا صدر الاسلام مصباحی جنرل سکریٹری منتخب ہوئے لیکن عملی طور پر سب سے بڑی ذمے داری ہمارے کندھے پر تھی جس کے نتیجے میں 2006 میں ہم نے حاجی سرفراز احمد صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے تعاون سے دارالقلم کی وسیع وعریض چھت پر دعوت افطار کا اہتمام کیا جس میں پوری دہلی سے چار سو سے زائد علما وطلبہ شریک ہوئے اور مغرب کے بعد کھانے کی دعوت میں سات سو افراد کی گنتی درج کی گئی۔ اسی شب میں ناظم صاحب نے دفتری ضرورت کے لئے ایک الماری، ایک میز، ایک کرسی کی رقم عنایت کی اور تیسرے دن ہی حضرت مصباحی صاحب کے حجرہ سے قریب دارالحفظ کے بغل والے کمرے میں تنظیم ابنائے اشرفیہ کا باضابطہ دفتر بن گیا۔ اگلے تین چار سالوں میں تنظیم ابنائے اشرفیہ دہلی نے کوئی خاص کام نہیں کیا لیکن 2011 میں جب حضرت مصباحی صاحب نے قائد انقلاب علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان اور تمام دیگر مجاہدین علمائے کرام کی تاریخ پر کام کرنا شروع کیا، ساتھ ہی حکومت ہند نے انقلاب 1857 کے ڈیڑھ سو سالہ جشن منانے کا سلسلہ شروع کیا تو حضرت مصباحی صاحب کی خواہش اور منصوبہ بندی کے مطابق تنظیم ابنائے اشرفیہ دہلی نے غالب اکیڈمی بستی حضرت نظام الدین نئی دہلی میں ایک شاندار کانفرنس منعقد کی جس میں دہلی کی یونیورسٹیوں کے بہت سے ڈاکٹر، پروفیسر، طلبہ اور محققین، شاہی مساجد کے امام صاحبان، مختلف اخبارات کے صحافی اور سیاسی حضرات شریک ہوئے۔

اسی اجلاس میں سب سے پہلے ہم نے ہندوستان کی تاریخ آزادی، تحریک آزادی اور مجاہدین آزادی علمائے اہل سنت کے حوالے سے حضرت مصباحی صاحب کے معلوماتی رنگ وآہنگ کو دیکھا بلکہ سبھی حاضرین نے محسوس کیا کہ ہندوستان کی تاریخ آزادی پر حضرت کا یہ مطالعہ وقتی نہیں بلکہ بہت پہلے سے جاری ہے جس کے شرارے اب پھوٹ رہے ہیں۔ ''قائد انقلاب علامہ فضل حق خیرآبادی'' نام کی کتاب اُسی وقت منظر عام پر آئی تھی اور مسلسل اس موضوع پر 2015 تک چھ کتابیں منظر عام پر آ گئیں۔ اِس اجلاس کے بعد تنظیم ابنائے اشرفیہ دہلی کا وجود پردے میں چلا گیا جس کا سورج دوبارہ طلوع نہیں ہوا لیکن دارالقلم دہلی میں اس کے دفتری آثار آج بھی موجود ہیں۔ ایک مہنگے شہر میں اپنی عمارت کے اندر حضرت مصباحی

صاحب نے پورا حجرہ دفتر کے لئے فراہم کر دیا، اس کے لئے اس کے ارکان کو شکر گزار ہونا چاہئے تھا لیکن حضرت مصباحی صاحب اس کے محتاج نہیں تھے، البتہ انھیں اس بات کا بڑا قلق رہا کہ تنظیم ابنائے اشرفیہ دہلی چند سالوں میں ہی دم توڑ گئی۔

غوثیہ فلاح ملت فاؤنڈیشن جسولہ گاؤں شاہین باغ بھی حضرت مصباحی صاحب کی سرپرستی میں قائم ہوا جو آج بھی مولانا زین اللہ نظامی کی قیادت میں زندہ اور متحرک ہے، اس نے حضرت مصباحی صاحب کی دینی علمی اور تحقیقی و تصنیفی خدمات کے اعتراف میں انھیں ''القلم ایوارڈ'' بھی پیش کیا ہے اور دوسرا ایوارڈ ناچیز کے حصے میں آیا ہے۔ لمرا فاؤنڈیشن دہلی کے ارکان مولانا اقلیم رضا مصباحی وغیرہ بھی حضرت مصباحی صاحب کو اپنا سرپرست تسلیم کرتے ہیں اور آپ کی تین کتابیں ''قرآن اور جہاد، آیات جہاد کا قرآنی مفہوم اور تصوف وسیاست'' کو چھاپ کر مفت تقسیم کی ہیں اور آپ کی خواہش کے مطابق ایوان غالب دہلی میں ''تحفظ شریعت کانفرنس'' کا شاندار اجلاس بھی کیا ہے جس میں بیرسٹر اسدالدین اویسی صاحب، حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی صاحب، حضرت مفتی مکرم احمد نقشبندی صاحب، حضرت مصباحی صاحب کی صدارت میں شامل تھے۔ مصباحی صاحب کے قدیم حجرے کو جدید ترین وسیع حجرہ بنانے کی تحریک اور پیشگی انتظام کی پیش کش میں بھی اس کے ارکان پیش پیش رہے لیکن افسوس کہ حضرت مصباحی صاحب جدید ترین حجرے میں ایک دو ماہ ہی قیام کر سکے اور آخرت کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے طلبہ کی تنظیم رحمت عالم ویلفیئر سوسائٹی کے ارکان بھی حضرت مصباحی صاحب کو اپنا سرپرست تسلیم کرتے ہیں جو بڑی پابندی سے گیارہ یا بارہ ربیع الاول یا قریبی ہفتے کی شب میں عید میلاد النبی کی شاندار نورانی محفل سجاتے ہیں جس میں تین بیرونی خطیبوں میں ایک خاتون خطیبہ بھی ہوتی ہیں، جماعت اہل سنت کے بڑے بڑے خطیب اور عظیم علمائے دین اس میں شرکت کر چکے ہیں، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کنیڈی ہال میں مسلم اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آف انڈیا کے زیر اہتمام ہونے والا سالانہ جلسہ عید میلاد النبی جس طرح یادگار ہوتا ہے، رحمت عالم ویلفیئر سوسائٹی کے زیر اہتمام جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی میں ہونے والی سالانہ میلاد کانفرنس بھی یادگار ہوتی ہے جس کے لئے دونوں تنظیموں کے ارکان قابل مبارکباد ہیں۔ اسی طرح تنظیم علمائے اسلام دہلی کے ارکان بطور خاص مفتی اشفاق حسین قادری صاحب بھی حضرت مصباحی صاحب کو اپنا سرپرست تسلیم کرتے ہیں جنھوں نے بارہا مختلف اجلاس کے دوران رام لیلہ میدان کو بھر دیا ہے اور اپنے ہر اجلاس میں حضرت مصباحی صاحب کو بطور خاص یاد رکھا ہے۔ خوبی کی بات یہ ہے کہ دعوت اسلامی ہند دہلی اور سنی دعوت اسلامی دہلی کے ارکان بھی صلاح ومشورہ کے لئے حضرت مصباحی صاحب کے پاس آیا کرتے اور مختلف دیگر اکیڈمیوں، انجمنوں، تنظیموں اور تحریکوں کے ارکان صلاح ومشورہ کے لئے حاضر ہوتے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی میں حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب کی حیثیت ایک سرپرست عالم دین اور مخلص مشیر کی رہی ہے جس کا واضح لفظوں میں دہلی کے سبھی حضرات نے اپنے تعزیتی مضامین میں اعتراف کیا ہے۔

آپ نے قادری مسجد کے صحن میں تہ خانے والے دروازے پر ایک کتبہ لگا ہوا دیکھا ہوگا جس پر لکھا ہے کہ کوئی بھی دینی مذہبی مسئلہ معلوم کرنا ہو یا قادری مسجد میں خطاب کرنا ہو تو حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب سے اجازت اور ملاقات ضروری ہے۔ یعنی انجمن رضا ذاکر نگر کے ارکان اور مقامی واقف کار حضرات بھی حضرت مصباحی صاحب کو اپنا مذہبی رہنما، عالم دین اور سرپرست تسلیم کرتے رہے ہیں۔ یوں دیکھیے تو دہلی کی درجنوں تنظیموں، تحریکوں اور دینی اداروں کے حضرت سرپرست تھے، اس لئے سبھی اداروں کے ارکان، اساتذہ، طلبہ اور عوام وخواص کا حضرت مصباحی صاحب کے وصال پر غمگین ہونا فطری بات ہے۔

ایک بات یہ بھی واضح رہے کہ جب وصال کے آثار ظاہر ہونے لگے، اُسی وقت حضرت مصباحی صاحب کے صاحب زادگان نے طے کر لیا تھا کہ ابو کو گاؤں لے جانا ہے اور بڑے بیٹے محمد نعیم اختر نے گھر پر تیاری کرنے کی خبر بھی دے ڈالی تھی لیکن تینوں صاحب زادگان نے یہ بھی طے کر رکھا تھا کہ اگر دارالقلم قادری مسجد کے لوگ دارالقلم میں ہی دفن کرنا چاہیں گے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ جب آپ نے پوری زندگی یہاں گزاری ہے تو آخرت کا گھر بھی یہاں بن جائے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن ان کی خواہش یہی تھی کہ حضرت اپنے گاؤں میں دفن ہوں، اس لئے زیارت کے بعد فوری طور پر گھر کے لئے نکل گئے۔

ہم یہاں حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب کے قلم کی دستی تحریر یہاں پیش کر دیتے ہیں جس کی روشنی میں آپ پر بھی یہ واضح ہو جائے گا کہ حضرت مصباحی صاحب نے اپنی حیات کے بعد دار القلم قادری مسجد کو اپنی ذاتی یا گھریلو ملکیت بنانے کی بجائے قوم وملت کے حوالے کر دیا ہے جس کا انتظام واہتمام ''انجمن رضا ذاکرنگر'' کے ارکان کی ذمے داری میں ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن رضا رجسٹرڈ گلی نمبر ۱۸ ذاکرنگر نئی دہلی ۲۵ کی خواہش کے مطابق یہ تحریر لکھ رہا ہوں کہ بوقت ضرورت کام آئے۔

دار القلم 66/92 قادری مسجد روڈ جوگا بائی ایکسٹینشن اوکھلا نئی دہلی ۲۵ جس کے منصوبے، شعبے وغیرہ سب کے سب علم میں ہیں اور اس وقت اس کی عمارت بھی زیر تعمیر ہے۔ یہ دار القلم (41x113) میرے بعد انجمن رضا رجسٹرڈ کے حوالہ ہے۔ وہ اپنے متفقہ فیصلہ کے ذریعہ اسے جس طرح چاہے چلائے۔ البتہ اس کا نام اور اس کے منصوبے وشعبے وغیرہ باقی رکھنا ضروری ہے۔ یہ دار القلم نہ ایک فرد یا چند افراد کی کبھی ذاتی ملکیت نہیں بن سکتا۔ دینی علمی کام سنی حنفی بریلوی مسلک کے مطابق خدا کرے ہمیشہ اُس کے ذریعہ جاری رہے۔

یٰسین اختر مصباحی، بانی ومہتمم دار القلم 66/92، قادری مسجد روڈ، جوگا بائی ایکسٹینشن، اوکھلا نئی دہلی 25

دستخط مع تاریخ: 16-06-2003 (مہر دار القلم)

''بوقت ضرورت کام آنے'' والی حضرت مصباحی کی اِس تحریر میں چار باتیں بڑی واضح ہیں کہ:

(۱) دار القلم قادری کا منصوبے اور شعبے کا سب کو علم ہے۔ (۲) دار القلم، میرے بعد انجمن رضا (رجسٹرڈ) کے حوالے ہے، متفقہ فیصلہ کے ذریعہ جس طرح چاہے چلائے۔ (۳) دار القلم کا نام، اس کے منصوبے اور اُس کے شعبے وغیرہ کو باقی رکھنا ضروری ہے۔ (۴) دار القلم کسی ایک فرد یا چند افراد کی کبھی ذاتی ملکیت نہیں بن سکتا۔ دینی علمی کام، سنی حنفی بریلوی مسلک کے مطابق خدا کرے کہ ہمیشہ اُس کے ذریعہ جاری رہے۔ مجموعی طور پر حضرت مصباحی صاحب کا یہ دستاویزی تحویل نامہ سب کے لئے اطمینان بخش ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین

دار القلم کے اندر حضرت مصباحی صاحب کی زندگی اور مشن کی عظیم نشانی ''برکاتی لائبریری'' دوبارہ زیر تعمیر وتوسیع اور تکمیل کے مرحلے میں ہے۔ اس کو قابل استفادہ بنانا زبردست خراج عقیدت ہوگا جو کہ دار القلم اور قادری مسجد سے متعلق سبھی ذمے دار حضرات کا اخلاقی فریضہ ہے اور مقامی ضرورت بھی ہے۔ ہم نے حضرت مصباحی صاحب کی سبھی مطبوعات اور غیر مطبوعہ تصانیف کی الگ سے فہرست پیش کر دی ہے، اس کو دیکھنے کے بعد ایک بات ذہن میں آتی ہے کہ اُن کے صاحب زادگان بلکہ بڑے بیٹے نعیم اختر بھائی ''مکتبہ دار القلم'' کے نام سے حضرت کی کتابوں کا کتب خانہ قائم کر سکتے ہیں۔ یہ ان کا حق بھی ہے اور حضرت کے مشن کو فروغ ودوام بخشنے کا دائمی حیلہ وسیلہ بھی ثابت ہوگا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس سلسلے میں تاخیر کی ضرورت نہیں۔ اقدام وعمل کا مظاہرہ کیا جائے۔ z.barkati@gmail.com

رئیس التحریر۔حیات وخدمات پر آن لائن سیمینار

سید حسن منطقی اکیڈمی، اونتی پورہ پلوامہ کشمیر کے زیر اہتمام مفکر اہل سنت حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کی حیات وخدمات کے حوالے سے آن لائن سیمینار ۱۵ مئی ۲۰۲۳ء شب نو بجے سے دس بجے تک منعقد ہوا جس میں پروفیسر اختر الواسع صاحب، مولانا محمد ظفر الدین برکاتی صاحب، مولانا مبارک حسین مصباحی، مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور، مشہور صحافی احمد جاوید نئی دہلی، مولانا مبارک حسین نعمانی پلوامہ کشمیر شریک ہوئے اور حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کے حوالے سے اپنی معلومات کو بطور خراج عقیدت پیش کیا۔ مولانا محمد ظفر الدین برکاتی نے حضرت مصباحی صاحب کی اکثر تصانیف اور تراجم کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ان کے قلمی جہاد کا شاندار تعارف کرایا۔ تحت لطف میں منقبت بھی سنائی اور ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کے ''رئیس التحریر نمبر'' کی اطلاع دی۔ ڈاکٹر توصیف احمد وانی، ڈائریکٹر سید حسن منطقی اکیڈمی نے نظامت کی۔ یہ پروگرام درگاہ عالیہ حضرت سید سلطان محمد علی بلخی علیہ الرحمۃ والرضوان کے نام سے منسوب یوٹیوب چینل پر لائیو دیکھا گیا۔

المجمع الاسلامی، ملت نگر مبارک پور

بانیان: (۱) حضرت مولانا محمد عبد المبین نعمانی مصباحی، سابق مدیر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور مہتمم دار العلوم قادریہ، چریا کوٹ، ضلع مئو (۲) حضرت مولانا افتخار احمد قادری، سابق استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور (۳) حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی، بانی وصدر دار القلم دہلی (۴) حضرت مولانا محمد احمد مصباحی بھیروی، موجودہ ناظم تعلیمات وسابق صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور (۵) حضرت مولانا بدر القادری مصباحی (ولادت ۲۵-اکتوبر ۱۹۵۰ء وصال: یکم صفر ۱۴۴۳ھ/ ۹ ستمبر ۲۰۲۱ء جمعرات) سابق مدیر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور۔

سنگ بنیاد: ۲۰ صفر ۱۴۱۷ھ/ ۲۷ جون ۱۹۹۶ء بروز جمعرات - **بدستہائے مبارکہ:** شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی (۲) محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مصباحی (۳) عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ مصباحی، سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور (۴) دیگر کبارِ علما و مشائخ

سابق عہدیداران وارکان جو ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء سے تاحیات ادارہ سے منسلک رہے:

(۱) احسن العلماء حضرت مولانا سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں برکاتی رحمۃ اللہ علیہ (وصال: ۱۵، ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ ۱۱ ستمبر ۱۹۹۵ء)	سرپرست
(۲) تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری علیہ الرحمہ (وصال: ۶ ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ ۲۰ جولائی ۲۰۱۸ء)	سرپرست
(۳) شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ (وصال: ۶ صفر ۱۴۲۱ھ/ ۱۱ مئی ۲۰۰۰ء)	سرپرست
(۴) حضرت مولانا قاری محمد عثمان اعظمی مصباحی رحمۃ اللہ علیہ (وصال: ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ/ ۱۱، اگست ۱۹۹۵ء)	سرپرست
(۵) مولانا یٰسین اختر مصباحی - بانی وصدر دار القلم دہلی، سابق استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور	(صدر)
(۶) حضرت مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی رحمۃ اللہ علیہ (وصال: ۴ محرم ۱۴۳۵ھ/ ۹ نومبر ۲۰۱۳ء)	رکن
(۷) حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ (وصال: ۲ ذی قعدہ ۱۴۳۸ھ/ ۲۸ جولائی ۲۰۱۷ء)	رکن

موجودہ ارکان وعہدیداران مجلس انتظامیہ

۱- حضرت پروفیسر شاہ سید محمد امین میاں قادری برکاتی دام ظلہ - سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف	(سرپرست)
۲- مولانا شاہ عبد الحفیظ مصباحی - سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ	(سرپرست)
۳- مولانا افتخار احمد قادری، ساکن گھوسی، مئو - سابق استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور	(نائب صدر)
۴- مولانا محمد احمد مصباحی - موجودہ ناظم تعلیمات وسابق صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور	(سکریٹری)
۵- مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی - مہتمم دار العلوم قادریہ چریا کوٹ، ضلع مئو	(نائب)
۶- مولانا احمد القادری مصباحی، ساکن بھیرہ، ولید پور، مئو، سابق استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور	(رکن)
۷- مولانا اختر حسین فیضی مصباحی - ساکن عزیز نگر، مبارک پور، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور	(رکن)
۸- مولانا نفیس احمد مصباحی - ساکن سدھور، ضلع بارہ بنکی، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور	(رکن)
۹- مولانا مسعود احمد برکاتی مصباحی - ساکن سسوا بازار ضلع سنت کبیر نگر، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور	(رکن)
۱۰- مولانا رفیع القدر مصباحی، ساکن ملت نگر، مبارک پور، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور	(رکن)
۱۱- مولانا ازہر الاسلام مصباحی ازہری - ساکن چریا کوٹ، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور	(رکن)
۱۲- مولانا فیضان رضا امجد مصباحی (صاحبزادہ حضرت صدر العلماء) ساکن بھیرہ ولید پور، ضلع مئو	(رکن)

عمارت کی تفصیل: (۱) لائبریری (۲) دار المطالعہ (۳) کتب خانہ (۴) مصلی رنماز گاہ (۵) کمپیوٹر روم (۶) مہمان خانہ (۷) مطبخ (۸) اسٹور روم (۹) جنریٹر روم (۱۰) تہ خانہ (سیمینا ہال) تقریباً چار ہزار مربع فٹ (۱۱) بالا خانہ - دس ہزار مربع فٹ سے زائد (۱۲) مزید متفرق ۱۴ کمرے۔

شعبہ جات: (۱) دار التصنیف (۲) دار التحقیق (۳) دار الکتب (۴) دار المطالعہ (۵) دار الاشاعت (۶) دار التربیت والتعلیم (۷) شعبۂ مالیات (۸) سمینار ہال (۹) مصنفین کے کمرے۔ **قلمی خدمات:** الحمد للہ! ۷۰ سے زیادہ کتابیں، تصنیف وتالیف، تحقیق وترجمہ وتحشیہ کے مراحل سے گزر کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔ اِس ادارہ نے اب تک ۱۸۳ سے زائد دینی وعلمی کتابیں شائع کی ہیں۔

مولانا عرفان رضا مصباحی، رابطہ نمبر:- 7007576367

اکابرنامہ

حضرت مصباحی صاحب کی کمی محسوس کی جائے گی

حضرت علامہ یاسین اختر مصباحی کی رحلت کی خبر سن کر کافی رنج ہوا۔اِناللہ وانا الیہ رٰجعون۔
تدریس وتحریر وغیرہ کے میدان میں علامہ موصوف کی خدمات کا سلسلہ بڑا طویل ہے اور قابل قدر بھی ،اب یقیناً ان کی کمی محسوس کی جائے گی۔اللہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت کواُن کانعم البدل عطافرمائے۔اللہ رب العزت علامہ موصوف کے درجات بلند فرمائے،ان کی تمام دینی خدمات کوقبول اورمقبول انام فرمائے،ان کے تمام متعلقین کوصبر جمیل اوراجر جزیل عطافرمائے۔آمین

شریک غم

فقیراشرفی وگدائے جیلانی ابوالحمزہ،سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی، ۱۷ شوال ۱۴۴۴ھ بروز پیر

انتہائی غمناک والمناک حادثہ

ابھی ابھی رات دس بجے عزیزم مفتی محمد سلیم بریلوی صاحب زیدمجدہٗ کے ذریعہ یہ المناک اور دل دہلا دینے والی خبر ملی کہ رئیس التحریر حضرت علامہ یاسین اختر مصباحی کا رات ۹:۵۰ پرانتقال پرملال ہوگیا۔اناللہ وانا الیہ رٰجعون
موصوف کی ذات جماعت اہل سنت کے لئے قابل افتخارتھی۔وہ جب بھی بریلی شریف آتے توفقیر سے ضرور ملاقات کرتے۔مارہرہ مقدسہ میں ہرسال عرس قاسمی کے موقع پرملاقات ہوتی تو والہانہ انداز میں ملتے اورمزاج پرستی کرتے۔ان کے مضامین ہمارے ماہنامہ ’’اعلیٰ حضرت‘‘ میں اکثر شائع ہوتے۔تصنیف وتالیف کے میدان میں ان کی قلمی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔متعدد موضوعات پرلکھنے کے ساتھ انہوں نے خاندان اعلیٰ حضرت سے متعلق بھی خوب لکھا۔اس غم کی گھڑی میں ہم سب ان کے اہل خانہ کے ساتھ ہیں۔
مولیٰ تعالیٰ حضرت کی خدمت کوقبول فرمائے،ان کی مغفرت فرمائے۔انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطافرمائے اورپسماندگان کوصبر جمیل عطافرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین

فقیرقادری محمد سبحان رضا سبحانی غفرلہٗ

خادم مرکزاہل سنت خانقاہ قادریہ برکاتیہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، ۷ مئی ۲۰۲۳ء بروزاتوار

پیغامِ تعزیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

سوادِاعظم اہل سنت وجماعت جن چنندہ شخصیات کی صلاحیتوں ودینی،مذہبی اورعلمی خدمات کے سبب سرخرو ہے ان میں سے ایک اہم شخصیت اب دارفانی سے داربقا کی جانب رخصت ہوئی۔حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب جماعت اہل سنت کے ایک بردبار،حلیم الطبع اورمتبحر عالم دین تصور کیے جاتے تھے۔آپ سوادِاعظم اہل سنت وجماعت میں اتحاداوراتفاق کے مضبوط حامیان میں سے تھےاوراس کے لئے زندگی کی آخری سانسوں تک کوشاں رہے۔علامہ یٰسین اختر مصباحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہ صرف ایک مضبوط قلم کے مالک تھے بلکہ مذہبی نثر کی ایک نئی نہج کے تعین کے موجد بھی تھے۔اسی لئے ان کا قلم اوردارالقلم شہرۂ آفاق عظمتوں کا حامل ہوا۔حضرت علامہ یٰسین اختر صاحب اپنی مرنجامرنج اورمنکسرالمزاج طبیعت کے سبب علما،مشائخ وخواص کے مابین ایک مخصوص مقام ومنزلت کے حامل بھی تھےاورہرطبقے میں مقبول اورمعروف بھی۔
ہم خادمانِ خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے جواُن کےعمیق مراسم وروابط تھے وہ جگ ظاہر ہیں،جلوت وخلوت میں وہ ہم سب کے لئے محبت اور

خلوص کا جذبہ رکھنے والے علمائے ذوی الاحترام میں سے تھے اور مولانا موصوف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اراکین خانقاہ کی محبت ان کی مخلص مذہبی، دینی، علمی اور قلمی خدمات پر مبنی تھی اور رہے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

ہم سب اُن کی رحلت کو ملت اسلامیہ اور دنیائے سنیت کے نقصان عظیم کے ساتھ ساتھ اپنا ذاتی نقصان تصور کرتے ہیں اور یہ اعتراف کرتے ہیں کہ ہمارا ایک مضبوط علمی نمائندہ ہم سے رخصت ہو گیا، جو بیک وقت ایک عالم دین، عبقری مصنف، ناقد، تاریخ داں اور ممتاز تخلیق کار کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ رئیس التحریر حضرت مصباحی صاحب نہ صرف مذہبی اور مسلکی خدمات میں خود کو ممتاز کیے ہوئے تھے بلکہ انہوں نے ہمیشہ ملت اسلامیہ کے مسائل میں بھی خود کو پیش پیش رکھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب کوئی ملّی مسئلہ درپیش ہوتا تو پوری جماعت کی نظر نمائندگی کے واسطے حضرت مصباحی صاحب کی جانب مرکوز ہوا کرتی تھی۔ آج ہم سب انقلاب ۱۸۵۷ء، تعارف اہل سنت، قائدین تحریک آزادی، تین طلاق کا شرعی حکم، معارفِ کنز الایمان، مسلم پرسنل لا کا تحفظ، امام احمد رضا اور ردِّ بدعات ومنکرات، سوادِ اعظم جیسی متعدد معروف ومقبولِ زمانہ کتب کے مصنف کے آخری سفر پر بھاری دل اور بھیگی پلکوں سے ان کو رخصت کر رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمارے اس محبوب ترین عالم کی مغفرت فرمائے، ان کو اپنے جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

سید محمد امین قادری — سید نجیب حیدر نوری

سجادہ نشین، خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ — سجادہ نشین، خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مطہرہ

اہل سنت کا چمکتا ستارہ روپوش

یہ بات برحق ہے کہ اس دارِ فانی سے ہر فرد بشر کو کوچ کر جانا ہے مگر کچھ نفوس مطمئنہ کی رحلت پر موتُ العالِم موتُ العالَم کا کامل انطباق ہوتا ہے اور ان کا جانا سارے عالم کو سوگوار کر دیتا ہے۔ پچھلے چند سالوں میں نہ جانے کتنے جماعت اہل سنت کے آفتاب وماہتاب روپوش ہوئے اور سلسلۂ ذہاب میں اتنی سرعت رہی کہ ایک کے جانے کا ملال کم نہیں ہوا کہ دوسری آنے والی رنج وغم کی خبر نے قلبی اضطراب میں مزید اضافہ کر دیا۔

اُنہی اندوہناک خبروں میں جماعت اہل سنت کے نامور قلم کار، رئیس التحریر حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کی خبر رحلت ہے کہ آپ ۱۷ شوال المکرم ۱۴۴۴ھ مطابق ۷ مئی ۲۰۲۳ء کو اس دارِ فانی سے دار آخرت کی طرف کوچ کر گئے۔ اس غمناک سانحۂ ارتحال کی خبر سنتے ہی دل نہایت رنج والم میں ڈوب گیا۔ رب قدیر کی رضا کا اقرار کرتے ہوئے درد دل لبوں پر ان کلمات کی صورت میں جاری ہوا: اِنا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان اللہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شئ عندہ باجل مسمیٰ۔

مولانا موصوف کی مجھ سے کئی ملاقاتیں رہی ہیں، آپ نہایت حسن اخلاق، تواضع وانکساری اور تقویٰ وپرہیزگاری کے حامل تھے۔ آپ کا یوں اچانک چلے جانا انجمن علمائے اہل سنت میں ایک خلا چھوڑ گیا، جس کا پر ہونا نہایت مشکل وصعیب امر ہے۔ فروغ اہل سنت اور نشر عقائد ومعمولات اہل سنت میں آپ کا اہم کردار رہا ہے جس پر آپ کی مساعی جمیلہ اور درجنوں بھر سے زائد تصانیف شاہد عدل ہیں۔ اس پر الم گھڑی میں ہم خانقاہ حضور شیخ العالم علیہ الرحمہ کی طرف سے اہل خاندان کو تعزیت پیش کرتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ سب کو صبر جمیل اور اس پر اجر جزیل عطا فرمائے اور حضرت مولانا کی مغفرت فرمائے اور آپ کی تربت پر رحمت ونور کا نزول فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

شاہ عمار احمد احمدی نیّر میاں، سجادہ نشین خانقاہ حضرت شیخ العالم علیہ ردولی شریف

جماعت اہل سنت کی معتمد علیہ شخصیت

جماعت اہل سنت کے معروف اور بزرگ عالم دین رئیس التحریر مولانا یٰسین اختر مصباحی کا وصال اہل سنت کا زبردست علمی وفکری خسارہ ہے جس کا پر ہونا بہت مشکل ہے۔ جماعت اہل سنت میں آپ کی شخصیت عہد حاضر میں معتمد علیہ تھی، انہوں نے اپنی حیات مستعار کا نصب العین تحریر وقلم کی بے

لوث خدمت کو بنایا تھا جس کے لئے آپ نے سینکڑوں مقالات ومضامین کے علاوہ درجنوں اہم اور ضروری موضوعات پر کتابیں تصنیف فرمائیں اور دہلی کی سرزمین پر ایک علمی و تحقیقی ادارہ دار القلم بھی قائم فرمایا۔ ابتداہی سے جماعت اہل سنت کے اندر تحریری انقلاب کے متمنی رہے، اپنے اس ہدف اور نصب العین کو پانے کے لئے انہوں نے انتھک جدوجہد کی اور غیر معمولی طور پر جماعت اہل سنت میں تحریری شعور اور قلمی بیداری پیدا کرنے میں کامیاب رہے۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں آپ کا اور اس فقیر ہیچ مداں کا عہد ایک ہی ہے، میں نے آپ کو پایا کہ آپ ابتداہی سے سنجیدہ، متین اور علم ومطالعہ سے گہرا تعلق رکھتے تھے، تدریس کے ساتھ زیادہ تر آپ کا وقت مطالعہ اور تصنیف میں گزرتا، خود بھی لکھتے اور دیگر حضرات کو بھی لکھنے کی طرف راغب کرتے۔ جامعہ شمس العلوم گھوسی کے زمانہ تدریس میں ۱۹۷۸ء میں جماعت اہل سنت میں راقم نے دائرۃ المعارف الامجدیہ کے زیراہتمام پہلا علمی ودینی سیمینار بنام ''صدر الشریعہ سیمینار'' منعقد کیا، اس وقت آپ کو خصوصی دعوت دی، آپ نے نہ صرف دعوت کو قبول کیا بلکہ اس پیش قدمی کو زبردست انداز میں سراہا، سیمینار میں آپ کا خصوصی خطاب بھی ہوا۔ جماعت کے اندر تصنیفی کام اور اشاعت کتب سے آپ کو بہت خوشی حاصل ہوتی، اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ روضۃ المعارف خیرآباد، دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی اور مجلس تحقیقات ونشریات مرادآباد کے زیراہتمام اس فقیر ہیچ مداں نے درجنوں کتابیں شائع کیں، ان اداروں کے ذریعے جب بھی کوئی کتاب منظر عام پر آتی آپ اپنے قلبی مسرت کا اظہار کرتے اور ملاقاتوں میں اس کی خوب پذیرائی کرتے۔ رضویات اور افکار ونظریات اعلی حضرت کے فروغ میں بھی آپ نے کلیدی کردار ادا کیا ہے اور اس باب میں متعدد اہم علمی تصانیف یادگار چھوڑیں، رضویات کے باب میں آپ کی تصانیف ''امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات'' اور ''امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں'' امام احمد رضا اور جدید افکار ونظریات کو شہرت دوام حاصل ہے۔ آپ کی تصانیف کو ہندو پاک ہر جگہ غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی۔ رضویات کے فروغ میں پاکستان میں پروفیسر مسعود احمد نقش بندی اور ہندوستان میں آپ کو خصوصی شہرت وقبولیت حاصل ہے۔ ۲۰۱۰ء میرے ایک عزیز مخیر قوم حافظ شمس الحق رضوی نے میری تحریک پر سرزمین لدھیانہ (پنجاب) میں اعلی حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے افکار ونظریات کو فروغ دینے کے لئے ''مجلس فکر رضا'' قائم کیا تو اُن کی فرمائش پر آپ نے رضویات کے موضوع پر ایک اہم ضخیم کتاب ''علمائے اہل سنت کی بصیرت وقیادت'' (۴۹۲ صفحات) تحریر فرمائی اور دوسری کتاب ''بارگاہ خواجہ ہند میں امام احمد رضا کی حاضری'' طباعت کے لئے دی، ان دونوں کتابوں کی شاندار اشاعت ''مجلس فکر رضا، لدھیانہ'' کے زیراہتمام عمل میں آئی اور مفت تقسیم کی گئیں۔ اس کے علاوہ مولانا محمد الیاس مصباحی کی تصنیف ''تذکرہ علمائے اہل سنت سیتامڑھی'' کی اشاعت جب ''مجلس فکر رضا، لدھیانہ'' کے زیراہتمام عمل میں آئی تو آپ نے اس کتاب پر بھی اپنی تازہ قیمتی تحریر لکھ کر عنایت کی۔

علمائے اہل سنت میں آپ پختہ سیاسی شعور کے بھی مالک تھے، عملی سیاست میں آپ نے کبھی حصہ نہیں لیا لیکن فکری ونظریاتی سیاست میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری قدس سرہ کے ساتھ دہلی میں جماعت اہل سنت کی کثیر ملی وسیاسی تنظیموں میں آپ عملی طور پر شریک رہے اور اُن کی حیات میں ان کے شانہ بشانہ ہر تحریک میں سرگرم عمل رہے۔ علامہ کے وصال کے بعد بھی آپ نے تاحین حیات بہت سے قومی وملی مسائل اور تاریخی موضوعات پر اپنی سرپرستی وقیادت میں اکیڈمک پروگرامات کیے جس میں سے متعدد پروگراموں میں آپ کی دعوت پر میں خود بھی شریک رہا۔ ۱۹۸۵ء میں شاہ بانو کیس، ۱۹۹۲ء میں سانحہ انہدام بابری مسجد اور دیگر اہم مواقع پر آپ نے اپنی تحریر وقلم کے ذریعے بڑی جرات وبے باکی کے ساتھ خدمات انجام دیے۔ ہر مسئلے میں آپ مستقل اور پختہ رائے رکھتے تھے، صاحب الرائے ہونے کے ساتھ صائب الرائے بھی تھے، کسی بھی مسئلے خصوصیت کے ساتھ قومی وملی مسائل میں بہت سوچ سمجھ کر اپنی رائے قائم کرتے اور اپنی رائے پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہتے اور تحریر وبیان ہر طریقے پر قوم کی رہنمائی فرماتے۔ فقیر ہیچ مداں کی قائم کردہ ملی تنظیم ''مجلس علمائے ہند'' کی کارگزاریوں پر ہمیشہ خوشی کا اظہار کرتے۔

اللہ کریم کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ مولی کریم آپ کی دینی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے، جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کے جملہ پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

فقیر عبد المنان کلیمی، امین شریعت ادارۂ شریعۃ، پٹنہ، مفتی شہر مرادآباد وشیخ الحدیث مدرسہ اکرم العلوم مرادآباد
صدر مجلس علمائے ہند وبانی جامعہ اسلامیہ کلیمیہ براہی، سیتامڑھی (بہار)

آپ کی کتابیں آپ کی فکری اعتدال کی یادگار ترجمان ہیں

ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شی عندہ باجل مسمی۔

جماعت اہل سنت کے نامور عالم دین رئیس التحریر حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی رحمہ اللہ کے انتقال کی خبر جان کاہ سن کر بہت افسوس ہوا۔ انا للہ وانا الیہ رٰجعون۔ آپ کی دینی، علمی، تدریسی اور تصنیفی خدمات کا دائرہ کئی دہائیوں پر مشتمل ہے۔ درجنوں کتابیں آپ کے فکرِ اعتدال اور قلم سیال کی یادگار ہیں۔ دہلی میں اہل سنت و جماعت کی فلاح و ترقی کے لئے علامہ ارشد القادری رحمہ اللہ کے بعد آپ دوسری شخصیت ہیں جنھوں نے دہلی کو اپنا عملی جولان گاہ بنایا اور تادم آخر یہاں مختلف میدانِ فکر و عمل میں اہلِ سنت و جماعت کی کامیاب نمائندگی کی۔ الجامعۃ القادریہ دار القلم اور قادری مسجد کی شکل میں کامیاب ادارہ اور عبادت گاہ تعمیر کرائی۔ آپ کی شخصیت کا یہ پہلو بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ جماعت اہل سنت میں آپ پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے تاریخی موضوعات کو اپنے فکر و قلم کے لئے منتخب کیا اور متعدد تصانیف اس باب میں قلم بند فرمائے۔

آپ کا ایک مثالی کارنامہ المجمع الاسلامی مبارک پور کا قیام بھی ہے جو آپ نے اپنے مخلص احباب مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی، مولانا افتخار احمد اعظمی مصباحی، مولانا عبدالمبین نعمانی صاحبان کے اشتراکِ عمل میں اسی (۸۰) کی دہائی میں قائم کیا اور اس علمی و تحقیقی ادارہ کے زیر اہتمام آپ نے اپنے احباب کے ساتھ جماعت اہل سنت میں نئے اور اچھوتے موضوعات پر کتابیں تحریر کیں۔

۲۰۱۱ء میں آپ نے جماعت اہل سنت کی شیرازہ بندی اور اہل سنت کے وسیع تعارف کے لئے ''تحریک اسلاف شناسی'' کا آغاز کیا جس کے بڑے خوش گوار نتائج سامنے آئے۔ اہل سنت کے توسع اور منہج اعتدال کو فروغ دینے میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے تعارف و تشہیر پر آپ کی خدمات غیر معمولی ہیں۔ صحافت کے میدان میں بھی آپ کا نمایاں کام ہے، آپ کی زیر ادارت و اہتمام کئی سالوں تک ماہ نامہ حجاز جدید نکلتا رہا جو آپ کی کامیاب ادارت کی بنیاد پر دیگر رسائل کے مقابلے میں موضوعات اور پیش کش ہر لحاظ سے اپنے عہد کے معیاری جرائد میں شمار ہوتا ہے۔ آپ کا ایک بڑا کارنامہ دہلی میں نئی نسل کی علمی و فکری تربیت بھی ہے۔ متعدد اداروں سے فراغت کے بعد جو افراد دہلی میں اعلیٰ تعلیم کے لئے پہنچے آپ نے اپنے عہد میں بڑے مخلصانہ انداز میں ان کی علمی و فکری تربیت کی، ان کے حوصلوں کو مہمیز کیا۔

برادر اکبر، عالم ربانی شہید بغداد حضرت مولانا شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری محدث بدایونی قدس سرہ سے آپ کے بڑے مخلصانہ روابط تھے، آپ ان کی بہت قدر فرماتے اور مفید مشوروں سے نوازتے رہتے تھے، متعدد بار شہید بغداد قدس سرہ کی دعوت پر آپ خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف تشریف لائے اور یہاں کے کاموں کو دیکھ کر اپنی دلی مسرت کا اظہار فرمایا۔ رب قادر و مقتدر کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اللہ کریم آپ کی دینی و علمی خدمات کو قبول فرمائے اور غریقِ رحمت فرما کر جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کے جملہ وارثین، اعزہ و اقربا اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

شریک غم: عبدالغنی محمد عطیف قادری (خادمِ سجادہ: خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف) ۸ رمئی ۲۰۲۳ء، بروز پیر

تحریک اسلاف شناسی کو زندگی بخش دی

محترم مولانا محمد ظفر الدین برکاتی مصباحی دام ظلہ العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اِس کائنات ارضی پر از آدم تا ایں دم بے شمار لوگ آئے اور اپنا متعینہ وقت گزار کر دار فانی سے عالم جاودانی کو رخصت ہو گئے، جانے والوں میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کے نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ گئے اور ان کا کوئی نام لیوا آج باقی نہیں۔ نہ دنیا اُنھیں پہچانتی ہے نہ یاد کرتی ہے۔ ایک مختصر تعداد ان خوش نصیب بندگان خدا کی بھی ہے جنھوں نے اپنی حیات مستعار کے بیش قیمتی لمحے اللہ و رسول کے لئے، دین و سنیت کے لئے، اللہ کے محبوب بندوں کے لئے وقف کر دیے اور اپنی خدمات کے حسین نقوش بطور یادگار اپنے پیچھے چھوڑ گئے جن کی وجہ سے یہ دنیا انھیں ہمیشہ

یاد کرتی رہے گی۔ ایسے ہی لوگوں میں ایک عظیم شخصیت فخر اشرفیہ، مورخ ومفکر ومدبر حضرت مولانا یٰس اختر مصباحی علیہ الرحمہ کی بھی تھی۔ آپ نے کئی ایک نئی جہتوں پر کام کیے جن پر اب تک اہل سنت و جماعت نے توجہ نہیں دی تھی۔ تحریک اسلاف شناسی کو وجود دے کر آپ نے کئی میدان سر کیے اور بے شمار اساطین امت کا تعارف اور خدمات اکیسویں صدی کے لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ آپ کی تحریری خدمات بہت دیر تک باقی رہیں گی، آنے والی نسلوں کو اجالا بخشتی رہیں گی اور ہدایت ورہنمائی کے چراغ جلاتی رہیں گی۔

ہماری خانقاہ کے معتمد خاص علامہ ڈاکٹر محمود حسین وامقی صدر شعبہ عربی وفارسی بریلی کالج بریلی کے ذریعے اہل خانقاہ کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ رئیس التحریر رحلت فرما گئے۔ فوراً زبان سے کلمہ استرجاع جاری ہوگیا اور خانقاہ کی ہفتہ واری روحانی محفل میں بروز جمعرات بعد نماز عشا ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا جس میں ڈاکٹر محمود حسین وامقی نے حضرت مصباحی صاحب کا نہایت جامع مانع تعارف پیش کیا اور آپ کی تحریری خدمات کی افادیت پیش کی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مصباحی صاحب کی خدمات کو اُن کے لئے صدقہ جاریہ بنائے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ اہل سنت و جماعت کو اُن کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین یارب العلمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

سید محمد اسلم میاں وامقی جیلانی سجادہ نشین خانقاہ وامقیہ بریلی شریف

کارہائے نمایاں میں دارالقلم کا قیام سرفہرست

برسوں پہلے کی بھولی بسری یادوں کے دھندلکے ٹٹولنے کی کوشش کروں تو کہہ سکتا ہوں کہ حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ سے میری پہلی ملاقات اُس وقت ہوئی، جب ہم چھ ساتھیوں کا وفد کلیۃ الدعوۃ الاسلامیہ، لیبیا جانے کے لئے دہلی میں خیمہ زن تھا پھر یہ راہ ورسم اس وقت اپنے عروج کو پہنچ گئی جب میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ عربی ادب میں ایم۔اے کا طالب علم تھا اور آپ جوگا بائی کے ایک بیسمینٹ میں رہائش پذیر تھے۔ مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ فائنل امتحان کے دور میں چند مہینے میں نے آپ کے ساتھ والے دوسرے کمرے میں قیام کیا اور بہت قریب سے آپ کے شب وروز کو ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا۔ علامہ یٰسین اختر مصباحی ملک کی معروف ترین درسگاہ 'الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور' کے اُن فارغین میں سے تھے، جن پر ادارہ کو بجا طور پر فخر تھا۔ دوران طالب علمی آپ کے شوق وذوق، مطالعہ وانہماک اور سنجیدگی ومتانت سے سبھی اساتذہ متاثر رہے۔ یوں تو آپ کو درس نظامی کے جملہ علوم وفنون پر دسترس حاصل تھا، تاہم رفتہ رفتہ عربی ادب سے دلچسپی بڑھتی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے ندوۃ العلما، لکھنؤ سے دو سال تک عربی ادب میں خصوصی مہارت حاصل کی۔ ۱۹۷۱ء میں دارالعلوم غریب نواز الہ آباد میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیے پھر ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۲ء تک آپ اپنی مادر علمی کے شعبہ عربی ادب میں درس وتدریس سے منسلک رہے۔ اسی درمیان سعودی عرب کی ایک کمپنی میں ملازمت مل گئی، اس لئے ریاض پہنچ گئے، لیکن جلد ہی ہندوستان واپس لوٹ آئے اور ہندوستان کی راجدھانی دہلی کو اپنا یوں مستقر بنالیا کہ آخری سانس تلک یہیں کے ہو رہے۔

موصوف لکھنے پڑھنے کے ایسے دیوانے تھے کہ جنھیں کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور رہنے سہنے کے لئے آرام دہ آرائش وزیبائش سے ذرہ برابر بھی کوئی دلچسپی نہ تھی، بلکہ مجھے کہنے دیجیے کہ قرطاس وقلم ہی کھاتے پیتے تھے، اسے ہی پہنتے اوڑھتے تھے اور اسے ہی بچھا کر سو بھی جاتے تھے۔ عجیب دیوانگی تھی جو، نہ رات کی تنہائی میں لذت نیند سے کیف بار ہوتی تھی، نہ دن کے اجالے میں چہل پہل سے متاثر ہوتی تھی۔ عینی شاہدین گواہ ہیں کہ اُن کا عام سا روایتی تخت بھی پورا اُن کا نہ تھا، اسے بھی انھوں نے دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، آدھے میں وہ سوتے اور آدھے میں کتابیں براجمان رہتی تھیں، بلکہ یوں کہیے کہ قرطاس وقلم کا دیوانہ اپنے مرکز عشق سے شب وروز بغل گیر رہا کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دسیوں کتابیں آپ کی نوک قلم سے شائع ہو کر عوام وخواص میں یکساں مقبول ہیں۔ ان میں ایسی معرکۃ الآرا کتابیں بھی ہیں، جو اپنے خصوصی جہت میں اپنی مثال آپ ہیں۔

گوناگوں خوبیوں کے مالک علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ ملت اسلامیہ کی فلاح وبہبود کے لئے لائحہ عمل تشکیل دینے میں مہارت رکھتے تھے، نیز حالات حاضرہ کے تقاضے کی روشنی میں افکار وخیالات کے رخ متعین کرنے پر تو انھیں ملکہ تامہ حاصل تھا۔ یقین نہیں آتا تو اُن کی صحافتی

زندگی کے نقوش پڑھ لیجیے۔خیال رہے کہ ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۲ءتک آپ نے دہلی سے ماہ نامہ ’’حجاز جدید‘‘ جاری کیا،جس کے وہ خود مدیر اعلیٰ رہے ۔اس کے بعد جب رضوی کتاب گھر کے مالک حافظ محمد قمرالدین رضوی علیہ الرحمہ نے ماہ نامہ ’کنز الایمان‘ کا سلسلہ شروع کیا،تو موصوف ۱۹۹۸ ءسے ۲۰۰۶ءتک اس کے مدیر اعلیٰ کے منصب پر فائز رہے۔ویسے تو صحافت کی زبان خشک ہوا کرتی ہے،لیکن آپ کے اداریے زبان وبیان کی شیفتگی بھی رکھتے تھے اور فکر وخیال کی بلندی بھی اور پھر حالات حاضرہ کے بخیے ادھیڑ کر پس پردہ ناپاک عزائم کا پردہ چاک کر کے حقائق ومعلومات نگاہوں کے سامنے رکھنے کے ہنر میں تو جیسے وہ طاق تھے۔بابری مسجد،طلاق ثلاثہ،آیات جہاد اور دوسرے سلگتے ہوئے مسائل میں آپ کے نوک قلم کی ضرب سے نہ جانے کتنے گھائل ہوئے اور نہ جانے کتنے ہمیشہ کے لئے اپنی موت آپ مر گئے۔

تحقیق وتصنیف اور نشر واشاعت سے حد درجہ دلچسپی کی ایک تصویر ’المجمع الاسلامی،مبارک پور‘ بھی ہے۔اس کے بانیوں میں علامہ یٰسین اختر مصباحی،علامہ محمد احمد مصباحی،علامہ عبدالمبین نعمانی،علامہ بدرالقادری علیہ الرحمہ اور علامہ افتخار مصباحی ہیں۔ادارہ کے تعارفی ورقے کے مطابق بانیوں نے اپنے ذاتی سرمایے سے اُسے قائم کیا اور اس کے ذریعہ اپنی تصنیفات شائع کرتے رہے۔

موصوف کے کارہائے نمایاں میں ’دارالقلم‘ کا قیام سرفہرست ہے۔آپ کی خواہش تھی کہ نوجوانوں کو قلم کے ہتھیار سے اس قدر مسلح کر دیا جائے کہ وہ مستقبل میں نت نئے آنے والے چیلنجوں کا ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرسکیں۔میں اس تحریک کا عینی شاہد ہوں۔ذاکر نگر میں ایک ہزار گز زمین کا حصول کوئی امر سہل نہ تھا،وہ بھی خرید کر نہیں بلکہ اصحاب خیر کے دلوں میں برسوں تک دینی غیرت وحمیت بیدار کرتے رہے،پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ ذہن کے پردے میں مرتسم خاکہ زمین پر اتر گیا۔دارالترجمہ،دارالتحقیق اور دارالاشاعت وغیر دارالقلم کے مرکزی شعبے تھے۔ویسے ایک بات طے ہے کہ طے شدہ منصوبے کے مطابق بھلے ہی دارالقلم کے سیر عمل کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا ہو،تاہم موصوف نے ذاتی طور پر تالیف وتصنیف اور ترجمہ وتحقیق کے جملہ امور کے حوالے سے دہلی میں قیام پذیر نوجوان علما کی کامیاب قیادت کی ہے۔آئے دن دہلی کی مختلف یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم علما آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور تحقیقی مقالات ضبط تحریر میں لانے کا گر سیکھتے اور کبھی تو ایسے اسکالرس بھی سمت آتے جو حالات حاضرہ کے مطابق کسی نئے اور تشنہ طلب موضوعات کی نشاندہی کے لئے تبادلہ خیال کرتے۔

یہ اور بات ہے کہ وصف قرطاس وقلم آپ کی شخصیت پر اس قدر حاوی ہو گیا تھا کہ جب کبھی کسی محفل میں آپ کا ذکر جمیل چھڑ جاتا،تو پردۂ تصورات پر ایک خوش اسلوب مصنف ومؤلف کی تصویر ابھر جاتی،تاہم خیال رہے کہ علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ گوناگوں خوبیوں کے مالک تھے۔آپ نے ملی قیادت کے حوالے سے بھی متحرک وفعال کردار ادا کیا ہے۔قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے شاہ بانو کیس میں لئے گئے فیصلے کے خلاف سیوان کی سرزمین پر ’مسلم پرسنل لا کانفرنس‘ کی تحریک شروع کی،جس میں علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ نائب صدر کے عہدے پر فائز کیے گئے۔الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔اس کے علاوہ جدید فقہی مسائل کی گتھیاں سلجھانے کے لئے فقہا اور علما پر مشتمل ’شرعی بورڈ‘ کی نشستوں میں بھی سرگرم رہے۔

صاحبو! سچی بات یہ ہے کہ رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کی صورت میں ہم ایک ہمہ جہت شخصیت سے محروم ہوگئے ہیں۔ ایسی شخصیت جن کے نقوش قلم تصنیف وتالیف،تحقیق وترجمہ،صحافت،تحریک،تنظیم،تدبیر ہر ایک پہلو سے آفتاب نیم روز کی طرح اجالے میں ہیں۔ اللہ کریم ان کی قبر پر رحمت ونور کی بارش کرے اور ان کے دینی،ملی اور سماجی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے۔

(مولانا) ڈاکٹر غلام زرقانی چیئرمین حجاز فاؤنڈیشن،امریکہ

عالم دین کی موت جہان کی موت

آج صبح اردو کے مؤقر اخبار روزنامہ ’انقلاب‘ کے ذریعہ مشہور عالم دین،ادیب عالم دین اور صحافی مولانا یٰسین اختر مصباحی کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی۔پڑھ کر افسوس ہوا۔اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو روشن رکھے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے،

ان کو شاد و آباد رکھے اور خانوادے کو قائم رکھے۔آمین۔احقر اس کے علاوہ اور کیا کہے ۔

ہر دل ہے صف ماتم ہر شخص آبدیدہ دنیا سے اٹھ گیا ہے مرد خدا رسیدہ

ابھی جامعہ اشرفیہ کے عظیم سپوت ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی کی یادوں کے چند گوشے باقی تھے کہ ایک اور عظیم سانحہ کی خبر آج بروز ۹ مئی ۲۰۲۳ء/ ۱۷ شوال ۱۴۴۴ھ معلوم ہوئی۔ یوں تو موت برحق ہے اور یقین کامل ہے کہ ہر شخص کو اس کا مزہ چکھنا ہے ۔

موت سے کس کو رستگاری ہے آج وہ کل ہماری باری ہے (حکیم تصدق حسین شوق)

دنیائے فانی میں کچھ ایسی شخصیات ہوتی ہیں جن کی یادیں آتی ہیں اور آتی رہیں گی ان کو نگاہیں ڈھونڈتی ہیں ۔

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں (مرزا محمد رفیع سوداؔ)

یادیں ایسے ہی نہیں آتیں، ان کی کچھ وجہ ضرور ہوتی ہیں، جو لوگ نیک اور مخلص ہوتے ہیں اور قوم کی بے لوث خدمت کرتے ہیں، ان کی یادیں آتی ہیں اور خوب آتی ہیں۔ان کے کارنامے لمبے عرصے تک یاد کیے جاتے ہیں۔تقریروں، خطابوں اور علمی مذاکرات میں ان کی ادبی، ملی اور سماجی خدمات کو یاد کیا جاتا ہے اور ان کے حسن کردار کو سراہا جاتا ہے۔حدیث میں آیا ہے کہ اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ دنیا سے جانے والوں کی اچھائیاں یاد کرو۔علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب جید عالم دین، مشہور ادیب، صحافی اور سنجیدہ شخصیت کے مالک تھے۔وہ ماہ نامہ ''حجاز جدید'' اور ''کنز الایمان'' کے مدیر اعلیٰ تھے۔جامعہ اشرفیہ کے استاذ اور مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔وہ کم گو اور کم سخن تھے مگر جب سخن وری کرتے، اس وقت زبان سے چنندہ الفاظ نکلتے تھے۔انہوں نے دینی کتب کی اشاعت کے لئے اہل علم حضرات مثلاً مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا عبد المبین نعمانی، چریا کوٹی کے مشورے اور تعاون سے ایک ادارہ ''المجمع الاسلامی'' مبارک پور قائم کیا جو اپنا کام کر رہا ہے۔ان کے دل میں ملت کا درد تھا، وہ وقتاً فوقتاً ملت کی نباضی کرتے اور اس کے لئے میٹنگیں کرتے تھے۔اس کو فعال بنانے کے لئے عوام سے ملاقات کرتے اور خواص کو ساتھ رکھتے تھے، اس لئے کہ جب عوام اور خواص دونوں ایک ذہن ہو کر کسی تحریک میں شامل ہوتے ہیں اور اس کی موافقت کرتے ہیں، اس وقت تحریک کامیاب ہوتی ہے اور اس کے ثمرات سامنے آتے ہیں۔علامہ اس فن میں ماہر تھے۔

وہ فطرتاً خاموش طبیعت تھے، پہلے تحریک کے نشیب و فراز پر سنجیدگی سے غور کرتے، اس کے بعد پلان بناتے تھے۔مطمئن ہونے کے بعد مشیروں سے مشورہ کرتے، اس کے بعد عوام کے سامنے تحریک پیش کرتے تھے۔وہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ان جلیل فرزندوں میں تھے جنہوں نے جامعہ اشرفیہ کا نام روشن کیا۔جامعہ کی نسبت سے ان کی بھی شہرت ہوئی اور اہل علم نے انہیں پہنچانا اور ان کی عزت و تکریم کی۔

صاحب قلم تھے اس لئے دہلی میں ''دار القلم'' قائم کیا، گرچہ قائم کرنے کے مقصد میں حیات میں پوری کامیابی نہیں ملی پھر بھی یہ ایک بڑا کام تھا جو انہوں نے کیا، اس کا اجر انہیں ملتا رہے گا۔ان کی تصنیف کی تعداد کتنی ہے، معلوم نہیں لیکن کافی تعداد میں ہیں۔احقر نے ان کی کئی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے جس سے علامہ کی تبحر علمی، تحریر میں سنجیدگی اور شفافیت ظاہر ہوتی ہے، وہ کام کی بات To the point لکھتے تھے۔

انہوں نے مجاہد آزادی، مجاہد انقلاب امام منطق علامہ عصر مولانا شاہ فضل حق فاروقی خیر آبادی پر قابل مبارک باد کام کیا، بھول بسری یادوں کو تازہ کیا، ان کی حیات و خدمات پر سمینار اور عظیم الشان بڑے جلسے کیے۔اس سلسلے میں علمائے اہل سنت کے مشورے اور تعاون و شراکت سے جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے انصاری آڈیٹوریم میں ایک عظیم الشان جلسہ کیا جو بہت کامیاب ہوا۔اس جلسے میں کثیر تعداد میں عوام و خواص نے شرکت کی۔مجمع اس قدر تھا کہ آڈیٹوریم چھوٹا پڑ گیا۔اس میں علما اور دانشوران قوم شریک ہوئے۔احقر کو بھی مدعو کیا تھا۔جلسہ (سمینار) ختم ہونے کے بعد مولانا اسید الحق قادری بدایونی سے فرمایا کہ علامہ پر تحریر کردہ کتاب کا ایک نسخہ مولانا (احقر سہیل فریدی) کو بھی دیجیے۔

علامہ سے دہلی میں کئی بار ملاقات ہوئی، طویل گفتگو کا شرف حاصل ہوا۔پہلی ملاقات تیس بتیس سال قبل مٹیا محل جامع مسجد دہلی میں ستر ہویں شریف کے دن سہ پہر کے وقت ایک نشست میں ہوئی۔یہ نشست قاری محمد میاں مظہری ایڈیٹر ماہ نامہ قاری نے ''قاری'' کے سلسلے میں منعقد کی تھی۔احقر کے مضامین ''قاری'' میں شائع ہوتے تھے۔علامہ ماہ نامہ ''حجاز جدید'' نکالتے تھے۔درمیان میں ملاقات میں لمبا وقفہ ہو گیا۔بیس سال

بعد دوبارہ ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا۔علامہ کی ریش مبارک میں نورانیت آگئی تھی اور احقر کی ریش بھی سپیدی کی طرف مائل تھی۔الغرض یہ کہ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔علامہ نے فرمایا کہ میرے کتب خانہ میں آپ کی کتاب ''تذکرہ آبادانیہ'' اور ''جہان تصوف'' ہے، میں نے مطالعہ کیا ہے اس کی تصدیق مولانا ڈاکٹر ارشاد عالم نعمانی نے کی۔حال میں آپ کی کتاب ''رضوان القرآن'' پڑھی، خوب ہے لکھتے رہیے اور قلم کو زنگ نہ لگنے دیجئے۔افسوس کہ وہ ہستی آنکھوں سے اوجھل ہو کر راہی ملک بقا ہوئی۔''حق مغفرت کرے، عجب آزاد مرد تھا''۔

شکیل ایک دم کے رک جانے سے رک جاتی ہے دم بھر میں　یہ چلتی پھرتی ہنسی بولتی تصویر انساں کی　(شکیل بدایونی)

احقر خاک پائے درویشاں، دعاگو ہے کہ مولا تبارک وتعالیٰ نعم البدل عطا فرمائے اور یہ کاروانِ علم ادب رواں دواں رہے۔آمین

محمد انور علی فریدی (سہیل فریدی) سجادہ نشین خانقاہ آبادانیہ، فریدیہ، محلہ کمان گران، بدایوں شریف-8860344708

دنیائے سنیت عظیم مفکر سے محروم ہوگئی

حضور سیّد عالم ﷺ کا فرمان عالیشان ہے: **ان اللہ لا ینتزع العلم من الناس انتزاعا ولکن یقبض العلماء فیرفع العلم معھم**۔ الحدیث۔ اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں سے اچانک نہ اٹھالے گا بلکہ اللہ تعالیٰ علماء کی روح قبض فرمائے گا اور علم کو اُن کے رخصت ہونے سے اٹھائے گا۔حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب علیہ الرحمہ برصغیر کے ممتاز عالم دین، عظیم محقق اور بے مثال محرر و اہل قلم تھے۔احادیث کی اسانید کے ساتھ ساتھ درایت احادیث کے میدان میں بھی ان کا قلم رواں دواں تھا۔روایت و درایت دونوں زاویوں سے ان کی تحقیقات رسائل و مجلّات کی زینت بن چکی ہیں۔اُن کی کتابیں خصائص رسول، اصلاحِ فکر واعتقاد، مسائل توسل وزیارت،، امام احمد رضا۔ارباب علم و دانش کی نظر میں، پیغام عمل اور تین طلاق کا شرعی حکم وغیرہ راہِ تحقیق کی تاریکیوں میں مینارۂ نور ثابت ہوں گی۔

علامہ مصباحی صاحب کی شخصیت پوری ملت اسلامیہ کے لئے بالعموم اور مسلک اہلسنت کے لئے بالخصوص سرمایۂ افتخار تھی۔عہد حاضر کے علماء میں اپنا ایک منفرد اور نمایاں مقام رکھتے تھے۔علوم دینیہ سے شغف رکھنے والے جدید اسکالرس کے لئے بھی آئیڈیل تھے۔راقم الحروف کو بھی حضرت کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل تھا جب حقیر پہلی دفعہ دار القلم دہلی میں ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو حیران رہ گیا کہ اتنا بڑا عالم دین اس حالت میں ہے کہ صرف بیٹھنے کی جگہ ہے، باقی ہر طرف کتابیں ہی کتابیں پڑی ہیں یعنی اتنی بھی جگہ نہیں بچی ہے کہ آدمی آرام سے لیٹ سکے۔ملاقات بھی اس انداز سے کہ جیسے سالوں سے آنا جانا رہا ہو۔حضرت نے مجھے از روئے شفقت اپنے قریب بٹھالیا، کئی گھنٹے گفتگو ہوتی رہی اور حضرت نے بہت سی نصیحتیں بھی فرمائیں۔احقر کی سرپرستی میں ایک سہ ماہی رسالہ بنام ''مصباح العرفان'' شائع ہوتا ہے، اُس پر بھی گفتگو ہوئی تو حضرت نے اس کے مشمولات میں دو کالموں کا اضافہ فرمایا۔ایک کالم کشمیری علماء ومشائخ جبکہ دوسرا کالم مشائخ نقشبندیہ مجددیہ کے لئے مخصوص کیا کیونکہ احقر مشرباً نقشبندی مجددی ہے۔حضرت جب کشمیر تشریف لاتے تو سب سے پہلے احقر سے مشورہ کرتے۔یہاں کشمیر میں ایک بہت بڑے عالم گزرے ہیں قائد ملت علامہ سیّد محمد اشرف صاحب اندرابی علیہ الرحمہ حضرت کو اُن کے ساتھ بڑی محبت تھی تو جب بھی تشریف لاتے تو احقر کو ساتھ لے کر اُن کے گھر ملاقات کے لئے ضرور جاتے۔

علامہ مصباحی کا سانحہ ارتحال علمی دنیا کا ایک عظیم خسارہ ہے۔ان کے پردہ فرمانے سے ہم ایک متبحر، دینی مذہبی فلاسفر، مہذب مفکر، منکسر المزاج اور محبت کرنے والے بہترین انسان سے محروم ہوگئے۔جب علامہ مصباحی صاحب کے وصال کی خبر پہنچی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول مبارک یاد آگیا کہ حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جب قبر میں اُتارا جانے لگا تو فرمایا: **من اراد ان یعرف کیف یرفع العلم فلینظر الی ھذا** یعنی جو یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ علم کیسے اٹھایا جائے گا تو اُسے چاہیے کہ وہ انہیں دیکھ لے۔واقعی حضرت مصباحی صاحب علم کا ایک بہت بڑا خزانہ تھے۔اللہ تبارک وتعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔آمین بجاہ سیّد المرسلین ﷺ

مفتی مبارک حسین نعمانی نقشبندی

صدر انجمن مصباح الاسلام جموں وکشمیر

مرکزنامہ

حضرت مصباحی صاحب کے مشن پر کام کرنے کی راہ نظر آئی تو ہم پیچھے نہیں رہیں گے

۱۹۹۹ء میں جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء ذاکر نگر سے فراغت کے بعد حضرت مولانا مقبول احمد سالک مصباحی صاحب نے مٹیا محل کے ایک چھوٹے سے کمرے میں مصباحی صاحب سے ملاقات کرائی۔ مصباحی صاحب نے ناظم ونگراں کی حیثیت سے میرا انتخاب کیا پھر کچھ ہی دنوں میں پرنسپل اور مدرس کا عہدہ بھی سپرد کر دیا۔ سن ۲۰۰۰ء میں، میں نے قادری مسجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دیے۔ مصباحی صاحب نے روز اول ہی کہہ دیا تھا کہ آپ دلجمعی اور لگن سے کام کرو، آپ ہی سب کچھ رہو گے پھر میں اپنے کام میں لگ گیا۔ کچھ ہی مہینوں کے بعد مولانا مقبول احمد سالک مصباحی کے ذریعہ حافظ وقاری سرفراز احمد صاحب کا انتخاب ہوا پھر ہم دونوں نے مل کر نہایت ہی محنت اور لگن کے ساتھ پہلے سال ہی شعبہ حفظ وقرات کا آغاز کر دیا، اُس وقت پچاس طلبہ کا داخلہ کیا جن کے قیام وطعام اور تعلیم وتربیت کی مکمل کفالت ادارہ کے ذمہ تھی۔ ادارہ کا بیت المال خزانے سے بالکل خالی تھا، اس لئے گلی گلی کوچہ کوچہ دہلی کے مختلف محلوں اور علاقوں میں دورہ کر کے چندہ اکٹھا کر کے چند دنوں میں طلبہ کے لئے ایک ڈریس یونیفارم منتخب کیا۔ پرائمری کے طلبہ کو پڑھانے کے لئے مولانا عبدالسمیع قادری کی تقرری ہوئی اور دوسرے سال درس نظامیہ کے طلبہ کی تدریس کے لئے مولانا ممتاز عالم مصباحی کا تقرر کیا گیا۔ بہر حال الجامعۃ القادریہ پوری آب وتاب کے ساتھ چار سال چلا۔ اُس وقت جیسا چلا، ویسا آج تک نہیں چلا ''جشن قادری'' کے نام سے ۲۰۰۱ء میں ایک سالانہ جلسہ ودستار بندی کا آغاز ہوا جس میں پہلے سال خصوصی مقررین میں مولانا عبیداللہ خان اعظمی، مولانا عبدالقادر علوی براوں شریف اور مولانا محمد ادریس بستوی وغیرہ تھے۔ عطاء الرحمن صاحب (بابو بھائی کے والد صاحب) نے کافی رہنمائی کی۔ ادارہ کے ابتدائی اخراجات میں حافظ زبیر صاحب، زاہد خان صاحب اور ماسٹر علی شیر صاحب نے حصہ لیا۔

حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب نہایت ہی سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ وہ بہت ہی خوددار اور محتاط تھے۔ اپنے زبان وقلم پر اس درجہ کنٹرول تھا کہ وہ مکمل افراط وتفریط سے خالی تھا۔ میں ۱۹۹۹ء سے ۲۰۰۴ء تک ان کے قیام وطعام اور لباس کا پورا انتظام کرتا تھا۔ ان کے عزائم اور منصوبے بہت آفاقی تھے جن کو وجود میں لانا ہم سب کی اہم ذمہ داری ہے۔ اُنہی دنوں میں نے اور ذاکر نگر کے کچھ نوجوانوں مثلاً عتیق الرحمان عرف بابو بھائی، اورنگ زیب بھائی اور سرفراز احمد عرف شفو بھائی وغیرہ نے ''اہل سنت اکیڈمی'' کے نام سے ایک تنظیم تشکیل دی۔ اہل سنت اکیڈمی کے ارکان وذمہ داران نے بھی کافی حوصلہ افزائی کی۔

دار القلم کی تعمیر وترقی اور طلبہ کی تعلیم وتربیت کے لئے، میں اور مولانا زین اللہ نظامی صاحب، راجستھان کے جے پور، باسنی، مکرانہ اور ناگور شریف چندہ اکٹھا کرنے کے لئے گئے۔ ۲۰۰۲ء میں نے آرکیٹیکٹ سید حسن صاحب سے دار القلم کی عمارت کا نقشہ تیار کرایا پھر کسی ذریعہ سے حضرت سید امین میاں صاحب تک پہنچایا۔ اس کے بعد دار القلم کی عمارت کی تعمیر کا آغاز ہوا۔

سچ کہوں تو میں نے ۱۹۹۹ء سے ۲۰۰۴ء تک بالکل شروعاتی دنوں میں دار القلم قادری مسجد ذاکر نگر میں کام کیا ہے اور چار پانچ حیثیتوں میں رہ کر کام کیا ہے، کچھ دنوں تک قادری مسجد کی امامت وخطابت کے فرائض بھی انجام دیے ہیں اور اُس کی تعمیر وترقی میں بھر پور حصہ لیا ہے۔ دار القلم میں تعلیم شروع کرانا، مطبخ اور باورچی کا انتظام کرنا، ماہانہ اخراجات کے لئے آمدنی کے راستے تلاش کرتے رہنا، مقامی اہل خیر حضرات کے علاوہ ممبئی مہاراشٹر، راجستھان کے جے پور، جودھ پور، باسنی اور ناگور جیسے شہروں میں جا کر چندہ کرنا، طلبہ واساتذہ کے لئے عارضی عمارت کی تعمیر وتزئین کے لئے آمدنی کا ذریعہ تلاش کرنا، حضرت مصباحی صاحب کی ضرورتوں کا انتظام کرنا، یہ سب میرے ذمے تھا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ ایک خود کفیل، خود مختار، اولین صدر مدرس کی حیثیت سے میں نے دار القلم قادری مسجد کے بالکل ابتدائی دنوں میں دینی خدمت انجام دی ہے۔

۲۰۰۱ء میں سب سے پہلے حضرت مصباحی صاحب ہماری خواہش پر حضرت امین ملت صاحب قبلہ سے مالی تعاون کی غرض سے ملنے مارہرہ شریف حاضر ہوئے تو حضرت امین ملت نے اُس وقت کے حساب سے بہت بڑی رقم عنایت فرمائی جس سے میرا حوصلہ بہت بلند ہو گیا، مصباحی

صاحب تو اُسی وقت سے خانوادہ برکات کے مرید ہو گئے کیونکہ ایسے وقت میں حضرت امین ملت نے دار القلم کے بنیادی اخراجات کے لئے اتنی بڑی رقم عنایت فرمائی جب مہینوں دوڑ دھوپ کے بعد اتنی بڑی رقم جمع ہو پاتی تھی۔اُس وقت میرے ساتھ قاری سرفراز احمد بارہ بنکوی اور قاری مبشر صاحب کام کررہے تھے اور سبھی مخلص تھے، سبھی اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق اپنی خدمات پیش کرتے تھے۔

یعنی حضرت مصباحی صاحب سے میرا رشتہ بڑا پرانہ رہا ہے اور جب میں نے اپنی راہ بدل لی اور آمدنی کا الگ راستہ اختیار کرلیا، تب بھی حضرت سے تعلقات بحال رہے اور جب لمرا فاؤنڈیشن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مجھے کسی قابل بنایا تو پھر حضرت مصباحی صاحب کی خواہش پر اُن کے اپنے منصوبے کے مطابق تین چار بڑے اجلاس بھی منعقد کرانے کا شرف حاصل ہوا ہے جیسے:

۱۹ اپریل کو ۲۰۱۵ء میں کانسٹی ٹیوشن کلب رفیع مارگ دہلی کے ماؤلنکر آڈیٹوریم میں ''دہشت گردی مخالف کانفرنس'' ہوئی جس میں ''لمرا فاؤنڈیشن'' نے حضرت کی کتاب ''آیات جہاد کا قرآنی مفہوم'' کو اردو، ہندی، انگریزی تینوں زبان میں گیارہ گیارہ سو کاپیاں چھاپ کر مفت تقسیم کیں۔۲۰۱۶ء میں ۳۱ دسمبر کو ایوان غالب ماتا سمندری روڈ دہلی کے آڈیٹوریم میں ''تحفظ شریعت کانفرنس'' آپ کی صدارت میں ہوئی جس میں آپ کی کتاب ''تین طلاق کا شرعی حکم'' کو بھت اردو ہندی زبان میں چھپوا کر مفت تقسیم کا موقع ملا۔مجاہدین آزادی علمائے اہل سنت کے تذکرہ سے متعلق دارالقلم کی برکاتی لائبریری میں بھی ایک مرتبہ ایک شاندار مجلس منعقد کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے جس میں علامہ قمرالزماں اعظمی صاحب بھی شریک تھے۔دارالحفظ دارالقلم میں اسی موضوع پر دوسری مجلس منعقد ہوئی جس میں سمیر صدیقی صاحب اور چند دیگر حضرات شامل تھے۔

اِن شاءاللہ آگے بھی حضرت مصباحی صاحب قبلہ کے مشن پر کام کرنے کی راہ نظر آئی تو ہم پیچھے نہیں رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مصباحی صاحب کی مغفرت فرمائے اور ہماری خدمات کو قبول فرمائے۔آمین

اقلیم رضا مصباحی، ڈائریکٹر لمرا فاؤنڈیشن، شاہین باغ، نئی دہلی۔۲۵

مفکر اہل سنت: عزم و استقامت کے منارہ نور

صوبہ اتر پردیش کا مردم خیز قصبہ ادری، ضلع مئو (سابق ضلع اعظم گڑھ) ہمیشہ سے علما و مشائخ کا گہوارہ رہا ہے۔یہ علمی، ادبی اور تاریخی سرزمین ہر زمانے میں ایسی نامور شخصیات ورجال سے آباد رہی ہے جنہوں نے اپنے اپنے عہد میں اسلام وسنیت، طریقت وروحانیت، قضا وافتا، تعلیم و ثقافت، شعروادب اور اصلاح وتذکیر کے میدان میں نمایاں، قابل فخر اور عہد آفریں خدمات و کانامے انجام دیں جس کا سلسلہ اپنی قدیم آب وتاب کے ساتھ ہنوز جاری وساری ہے۔

انہی قابل قدر اور قابل فخر شخصیات میں جماعت اہل سنت کی نہایت متحرک وفعال علمی، ادبی، فکری، قلمی اور تدریسی شخصیت مفکر اہل سنت رئیس التحریر حضرت علامہ یاسین اختر مصباحی (۱۹۵۳ء-۲۰۲۳ء) کی ہے، آپ کی پوری زندگی درس وتدریس، تصنیف وتالیف، ادارہ وتنظیم سازی اور علم تاریخ کی خدمت میں گزری۔جماعت اہل سنت میں آپ کی کثیر الجہات خدمات کی وجہ سے آپ کا نام بڑے احترام سے لیا جاتا ہے۔

آپ نے پوری زندگی نام ونمود سے بے پروا ہوکر خصوصیت کے ساتھ دہلی میں اہل سنت کی تعمیر وترقی میں گزاردی، اور سرزمین دہلی پر آپ نے جس عظیم مشن کے لئے اقامت اختیار کی تھی اس میں غیر معمولی کامیابی سے سرفراز ہوئے۔دہلی میں اقامت کا آپ کا مقصد کیا تھا؟ کن حالات میں آپ یہاں آئے؟ کن دشواریوں اور مشکلات کو آپ نے برداشت کیا؟ اور اپنے عظیم الشان منصوبے کو تکمیل آشنا کرنے کے لئے آپ نے کس قدر جدوجہد کیا، اس کا ایک مختصر خاکہ خود آپ کی زبانی قلم بند کیا جارہا ہے، آپ لکھتے ہیں:

''۱۹۸۴ء میں ریاض، سعودی عرب سے ہندوستان واپسی کے بعد ملک کی بہت سی درس گاہوں نے مجھے اپنے یہاں تدریسی خدمات کی دعوت دی، خود مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور جہاں سالہاسال تک میں تدریسی فرائض انجام دے چکا تھا، اس کے ارباب حل وعقد نے براہ راست اور مختلف ذرائع سے بار بار اس کی خواہش وپیش کش کی کہ آپ یہاں آکر اپنا کام شروع کریں لیکن میں نے ان دعوتوں کو قبول نہ کرتے ہوئے سرزمین دہلی کا انتخاب کیا۔یہاں آکر دہلی کے سب سے تعلیم یافتہ اور ترقی پذیر مسلم علاقہ میں اپنے ذاتی خرچ سے کرایہ کا ایک مکان لے کر

رہائش پذیر ہوگیا اور کئی طرح کی دقتوں اور پریشانیوں کے باوجود خاموشی کے ساتھ حالات کا جائزہ لیتے اور ان کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے احساسات وجذبات کی پرورش کرتا رہا۔ دہلی میں قیام کا مقصد نہ تو ملازمت ہے اور نہ تجارت اور نہ ہی محض اپنے مفادات ومصالح کی تحصیل وتکمیل ۔کیوں کہ یہ کام دوسرے بڑے شہروں میں یہاں سے بہتر طریقے پرانجام دیا جاسکتا تھا اور میرے لئے کئی ایک راہیں کشادہ تھیں اور بہت سارے دروازے اب بھی کھلے ہوئے ہیں۔ دہلی ہندوستان کا دل اور اس کا مرکزی مقام ہے۔ یہاں سے اٹھنے والی ہر آواز پورے ملک پر اثرانداز ہوتی ہے اور اذہان وقلوب اس سے مسخر ہوجاتے ہیں۔ ابتدا ہی سے میرے سامنے ایک عظیم الشان منصوبہ تھا اور مستقبل کے بلند عزائم تھے جنہیں میں دہلی ہی میں رہ کر پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتا تھا۔''

حضرت مفکر اہل سنت قدس سرہ نے اپنے عظیم الشان نقشۂ نظری کو زمین پر اتارنے کے لئے اس وقت دہلی کا رخ کیا جس وقت یہاں کی فضا اہل سنت کے لئے سازگار نہیں تھی، پھر آپ نے اور علامہ ارشد القادری قدس سرہ نے سرزمین دہلی پر اہل سنت وجماعت کی علمی وعملی ترویج واشاعت کے تاریخ ساز ادارے تعمیر کیے، آپ نے دوہزار گز اراضی پر کثیر اہم منصوبوں پر مشتمل الجامعۃ القادریہ دارالقلم اور قادری مسجد تعمیر کیا جب کہ علامہ ارشد القادری قدس سرہ نے جامعہ حضرت نظام الدین اولیا اور نظامی مسجد قائم کی۔ یہ دونوں ادارے موجودہ عہد میں اہل سنت کی ترویج وترقی کا غیر معمولی کام انجام دے رہے ہیں۔ حضرت مفکر اہل سنت اور علامہ ارشد القادری قدس سرہما نے انتھک جدوجہد اور صبر آزما محنت کے نتیجے میں آج دہلی میں اہل سنت کی شمع خوب سے خوب تر انداز میں فروزاں ہیں، اور دہلی کے مختلف علاقوں میں جہاں اہل سنت کا کوئی نام لیوا نہیں تھا وہاں بھی اہل سنت کا بول بالا ہے۔ چراغ سے چراغ جلتے رہے اور آج آپ جدھر جائیں ہر طرف اہل سنت کی شمع روشن نظر آئے گی۔

حضرت مفکر اہل سنت قدس سرہ کی صحبت میں ایک عرصے سے دارالقلم کی خدمت کا اس ہیچ مداں کو موقع میسر رہا، اپنے اساتذہ وعملہ کے لئے آپ کی شخصیت شفقت ومحبت کا شجر سایہ دار تھی۔ کبھی بھی کسی کے ساتھ تحکمانہ رویہ نہیں اپنایا۔ اپنے اساتذہ وعملہ کے ساتھ خندہ روئی سے ملتے، کسی معاملے میں اصلاح کی ضرورت محسوس کرتے تو بہت خوش اسلوبی سے فہمائش کردیتے۔ حضرت مفکر اہل سنت قدس سرہ کی شخصیت عزم واستقامت کا منارہ نور تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ نے سرزمین دہلی پر اپنے نقشۂ نظری کے مطابق اہل سنت وجماعت کی تعمیر وترقی کے لئے جو بھی منصوبے بنائے تھے اس میں آپ کو غیر معمولی کامیابی ملی اور آپ نے عملی طور پر جماعت کے تن تنہا وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جو ایک انجمن اور پوری ٹیم مل کر بھی انجام نہیں دے پاتی۔ اللہ رب العزت حضرت مفکر اہل سنت قدس سرہ کی جملہ خدمات دینیہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور آپ کی تربت انور پر ہر آن رحمت وغفران کی بارش فرمائے۔

ہماری سعادت مندی رہی کہ حضرت کے آخری لمحات میں جب تک آپ ایمس میں ایڈمٹ رہے، خدمت وعیادت اور تیمارداری کی سعادت حاصل رہی۔ آپ کے وصال پرملال پر مجلس فاتحہ سوئم دارالقلم میں ۱۰ مئی کو ہوئی جس میں قرب وجوار کے کثیر تعداد میں علما، ائمہ مساجد طلبہ اور دیگر اہل عقیدت ومحبت شریک ہوئے۔ اس موقع پر ایک پریس ریلیز جاری کی گئی جسے متعدد اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کیا۔ محفل فاتحہ وقرآن خوانی میں الجامعۃ القادریہ دارالقلم کے اساتذہ وطلبہ، مدرسہ زہرا مدینۃ العلوم قادری مسجد چوک، جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء ذاکرنگر، مدرسہ ابراہیمیہ جامعۃ القرآن مسجد خلیل اللہ بٹلہ ہاؤس، مدرسہ غوثیہ نظام العلوم جسولہ اور مدرسہ فیضان مدینہ دعوت اسلامی کے اساتذہ وطلبہ شامل تھے جب کہ دعائے مغفرت کی محفل میں قادری مسجد کے امام مولانا فیضان احمد نعیمی، مسجد خلیل اللہ کے امام مولانا محمد یعقوب علی خان قادری، غوثیہ مسجد کے امام مولانا زین اللہ نظامی، دیگر مقامی مساجد کے امام ومؤذن صاحبان، اہل سنت اکیڈمی ذاکرنگر کے ارکان، دارالقلم کے ناظم محمد ظہیر برکاتی، حاجی محمد حسنین برکاتی، مولانا محمد ظفرالدین برکاتی مصباحی وغیرہ بطور خاص شریک تھے، مولانا یعقوب صاحب کی دعا پر محفل ختم ہوئی۔ اخیر میں راقم السطور نے محفل میں شریک سبھی احباب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرس چہلم کے موقع پر تقریبات کی تیاری کے تعلق سے مختصر گفتگو کی جس کا خلاصہ اس طرح ہے:

محترم حضرات! جیسا کہ آپ سبھی حضرات کو بخوبی معلوم ہے کہ آج ہم لوگ اپنے قائد ومحسن اور جماعت اہل سنت کی بزرگ شخصیت مفکر اہل سنت، رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب رحمہ اللہ کے فاتحہ سوئم کی بابرکت محفل میں شریک ہیں، اللہ رب العزت ہم سبھی

احباب کی حاضری کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور حضرت مصباحی صاحب کی روح پر فتوح کو اس کا اجر وثواب عطا فرمائے، آپ کے درجات بلند کرے۔ حضرت مصباحی صاحب کی علمی اور تاریخی شخصیت سے آپ سبھی حضرات اچھی طرح واقف ہیں، آپ کی شخصیت اور قوم وملت کے لئے آپ کی بیش بہا خدمات کا ایک عالم معترف ومداح ہے، اسی جذبہ اسلاف شناسی کے تحت ہم لوگ یہاں پر حاضر ہیں، میں آپ سبھی حضرات کا شکر گزار ہوں کہ آپ حضرات ہماری دعوت پر اپنے محسن کی روح کو خراج عقیدت ومحبت پیش کرنے کے لئے حاضر ہوئے، ان شاء اللہ عرس چہلم کے موقع پر بھی ہم اپنی بساط کے مطابق دار القلم میں حضرت کی بارگاہ میں عقیدتوں کا خراج پیش کرنے کے لئے محفل کریں گے جس میں آپ کی شرکت ہمارے عزم حوصلوں کو توانائی عطا کرے گی۔ جلد ہی عرس چہلم کے موقع پر اجلاس کا شیڈول اور دعوت نامہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ عرس چہلم کے موقع پر دہلی اور حضرت کے وطن مالوف خالص پور ادری مئو میں بھی آپ کے شایان شان پروگرام کا انعقاد ہوگا۔ آپ حضرات جہاں سہولت محسوس کریں، شریک ہو کر اپنے عظیم محسن اور قائد کی بارگاہ میں اپنی عقیدتوں خراج پیش کرنے کے لئے ضرور شریک ہوں۔ اسی اعلان کے لئے میں کھڑا ہوا تھا، تفصیلی گفتگو کسی اور موقع سے اِن شاءاللہ۔ وما علینا الا البلاغ۔

محمد امجد رضا علیمی، صدر المدرسین الجامعۃ القادریہ دار القلم ذاکر نگر اوکھلائی دہلی

مولانا یٰسین اختر مصباحی: تدبر وبصیرت اور علم وتاریخ کے کوہ نور

مفکر اہل سنت، رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی (۱۹۵۳ء - ۲۰۲۳ء) علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت اس دور قحط الرجال میں نہایت اہمیت کی حامل تھی، آپ جماعت اہل سنت کے نامور عالم دین، صاحب بصیرت مفکر اور صاحب اسلوب مصنف تھے۔ آپ نے پوری زندگی دین کی بے لوث خدمت میں گزاری، آپ نے مختلف میدان فکر وعمل میں اپنی خداداد بصیرت وصلاحیت کے نقوش یادگار چھوڑے ہیں، البتہ آپ کا اختصاصی پہلو تصنیف وتحقیق تھا جس میں آپ فائق الاقران تھے۔ ہر سہ زبان (عربی اردو فارسی) میں پڑھنے لکھنے اور بولنے کی بھرپور صلاحیت سے آراستہ تھے۔ مختلف اہم اور اچھوتے موضوعات پر تقریباً دو درجن سے زائد تصانیف آپ کی علمی وتحقیقی یادگاریں ہیں جو رہتی دنیا تک آپ کے نام کو باقی رکھنے کے لئے کافی ہیں۔

آپ کی شخصیت علم وتدبر، فکر وبصیرت میں بہت نمایاں تھی، شب وروز آپ کا وقت مطالعہ اور غور وفکر کے لئے وقف تھا، حفظ اوقات کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے، ناچیز کو تقریباً ۱۰ رسال آپ کی صحبت وتربیت میں رہنے کا موقع میسر آیا، حفظِ اوقات کے ساتھ عبادت وریاضت خصوصیت کے ساتھ نمازوں کی پابندی میں آپ کو مثالی شخصیت پایا، خرابی طبیعت سے پہلے ساری نمازیں قادری مسجد میں باجماعت ادا فرماتے۔ بعد میں جب سیڑھی سے اتر نا چڑھنا دشوار گزار ہو گیا تو آپ اپنے حجرے ہی میں نماز ادا فرما لیتے البتہ جمعہ کی نماز مسجد ہی میں ادا فرماتے۔

اکابر کا احترام، اصاغر پر شفقت اور معاصرین کے ساتھ حسنِ تعلق آپ کے نمایاں اوصاف تھے۔ آپ کی شخصیت میں بلا کا صبر واستقلال تھا، منکسر المزاج اور متواضع تھے، بڑے مہمان نواز تھے۔ افراد سازی کے لئے نئی نسل کی فکری وعلمی تربیت آپ کی زندگی کا اہم مشغلہ رہا۔ کسی کو بھی آپ کے پاس آنے میں کسی قسم کا تامل نہیں ہوتا، آپ شخصیت شناس بھی تھے، دہلی کی مختلف یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے طلبہ کے آپ مربی وسرپرست تھے، ان کے لئے ہمہ دم آپ تیار رہتے، جو کوئی بھی آپ سے مشورے کے لئے حاضر ہوتا آپ بڑی خندہ پیشانی سے ملتے اور ان کی ہر طرح رہنمائی فرماتے، ان کے لئے ضیافت کا اہتمام فرماتے۔

علامہ یٰسین اختر مصباحی رحمہ اللہ کا تعلیمی سفر اپنے وطن مالوف کے تعلیمی ادارہ مدرسہ بیت العلوم خالص پور ادری سے شروع ہوا پھر جامعہ ضیاء العلوم ادری، جامعہ ضیاء العلوم خیر آباد سے ہوتا ہوا جامعہ اشرفیہ مبارک پور پر حضور حافظ ملت کی آغوش تربیت میں آکر مکمل ہوا۔ ۱۳۹۰ھ - ۱۹۷۰ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ تکمیل تعلیم کے بعد عربی زبان وادب کی خصوصی تعلیم بھی حاصل کی۔ آپ کے مشاہیر اساتذہ میں حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری، مولانا حافظ عبد الرؤف بلیاوی، مولانا محمد شفیع مبارک پوری اور بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی کے نام نمایاں ہیں۔

فراغت کے بعد ۱۹۷۱ء میں دارالعلوم غریب نواز الہ آباد سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۹۷۴ء تا ۱۹۸۲ء الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں درس وتدریس کا اہم فریضہ انجام دیا، اس درمیان سینکڑوں افراد نے آپ کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہ کیا، اور آپ سے شرف تلمذ پایا، جو ملک وبیرون ملک دین وشریعت اور قوم وملت کی بیش بہا خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے مشاہیر تلامذہ میں چند حضرات کے نام یہاں درج کیے جاتے ہیں، مولانا قمر الحسن بستوی، مولانا فتح احمد بستوی، مولانا سید علیم الدین مصباحی، پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، مفتی بدر عالم مصباحی، مولانا عبدالحق مصباحی، مولانا محمد مجاہد حسین مصباحی، مولانا محمد الیاس مصباحی مصنف تذکرہ علمائے اہل سنت سیتامڑھی، مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی، مفتی اشرف رضا قادری ممبئی، مولانا معین الحق علیمی، مولانا شفیق الرحمن علیمی وغیرہ۔

۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۰ء تک جامعہ ملیہ اسلامیہ میں اسلامیات کے گیسٹ فیکلٹی کے طور پر خدمات انجام دیے۔ ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۴ء تک آپ ریاض سعودی عرب میں رہے، سعودیہ عربیہ میں ڈیفنس منسٹری میں ملازمت کی۔ پھر واپس اپنے وطن عزیز ہندوستان آئے اور ملک کی بہت سی بڑی درسگاہوں خصوصا جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے تدریسی خدمات کی پیش کش کے باوجود راجدھانی دہلی کو اپنی جولان گاہ فکر وعمل کے لئے منتخب کیا اور کئی طرح کی دقتوں اور پریشانیوں کے باوجود دہلی میں قیام کو ترجیح دی اور ۱۹۸۴ء سے تادم آخر پوری زندگی یہیں اپنے عظیم الشان منصوبے اور عزائم کی تکمیل، خدمت دین اور قوم وملت کی تعمیر وترقی میں گزار دی۔ اگست ۱۹۸۸ء سے نومبر ۱۹۹۲ء تک اپنے ذاتی خرچ سے آپ نے ''ماہنامہ حجاز جدید'' نکالا جس کے ذریعہ اہل سنت کے صحافتی معیار کو بلندی اور عظمت عطا کی۔ تقریبا ۷ رسالوں تک ماہ نامہ کنزالایمان دہلی کی کامیاب ادارت فرمائی۔

۱۹۸۵ء میں شاہ بانو کیس کے دوران، مشہور تنظیم آل انڈیا مسلم پرسنل لا کانفرنس جو شریعت کے تحفظ کے لئے قائم کیا گیا تھا، کے آپ نائب صدر کے عہدے پر رہے اور علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ کے ساتھ شریعت کے تحفظ میں میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد مسئلے میں بھی نمایاں حیثیت سے پیش پیش رہے۔ آپ بلند پایہ ملی رہنما اور قائد بھی تھے۔ علاقائی سیاست میں بھی حصہ لیتے رہے اور ہندوستانی مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے سماجی مظاہروں میں شرکت بھی کرتے جن کی تفصیلات کے لئے آپ کی کتابیں مسلم پرسنل لا کا تحفظ اور اہم اداریوں کا مجموعہ ''نقوش فکر'' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

سرزمین دہلی کی تعلیم یافتہ آبادی میں کثیر منصوبے پر مشتمل الجامعۃ القادریہ دارالقلم اور قادری مسجد کی تعمیر آپ کی زندگی کا شاہ کار کارنامہ ہے۔ یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ دارالقلم جس کے آپ بانی وصدر تھے، پوری زندگی اس کے حساب کتاب اور آمد واخراجات کی ذمہ داری ونگہ داشت کے لئے آپ نے الگ سے ایک فرد کا انتخاب کیا تھا۔ اپنے پاس نہ تو حساب کتاب رکھتے اور نہ ہی پوری زندگی ادارے کی خدمت کے لئے اپنا کوئی نذرانہ متعین کیا تھا۔ فی سبیل اللہ آپ نے تاحین حیات اس ادارے کی خدمت کی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۲۰۰۹ء میں جب آپ کی حالت شدید علالت کا شکار ہوئی اور مسلسل کئی مہینے آپ بستر علالت پر رہے، آپ کے پاس جمع پونجی کے نام پر کچھ بھی نہیں تھا، علاج میں لمبا خرچ لگ رہا تھا، بنارس اور دہلی میں کئی مہینے کے مسلسل علاج ومعالجہ کے بعد آپ صحت یاب ہوئے تو متعدد مجلسوں میں کچھ مخلص حضرات نے آپ سے ادارے کی جانب سے ماہانہ یا سالانہ نذرانہ طے کرنے کی درخواست کی لیکن آپ نے ہر بار یہ کہہ کر ان کی بات کو ٹال دیا کہ کہ اب تک جیسے ہماری گزر بسر ہوتی رہی ہے ان شاء اللہ آگے بھی ہوتی رہے گی، اس بات کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ نے اپنی پوری زندگی متوکلانہ اور زاہدانہ بسر کی۔

دارالقلم کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس ادارے کا قیام تعلیم وتدریس کے لئے نہیں کیا گیا تھا، بلکہ یہ ادارہ تربیت لوح وقلم اور تصنیف وتالیف بلفظ دیگر دارالمصنفین اور ندوۃ المصنفین کی حیثیت سے قائم کیا گیا تھا، حضرت مصباحی صاحب رحمہ اللہ کا خیال تھا کہ اسلامی علوم وفنون کی تعلیم وتدریس اور اسلامی تربیت کے لئے چھوٹے بڑے سینکڑوں ادارے اور تعلیمی جامعات ہیں لیکن جماعتی سطح پر تحقیق وتصنیف اور اکیڈمک کام کے لئے کوئی مستقل ادارہ نہیں، اسی اہم ضرورت کی تکمیل کے لئے آپ نے یہ تحقیقی وتصنیفی ادارہ قائم فرمایا۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی دل چسپی سے خالی نہیں کہ آپ صلابتِ عزم کی دولت سے مالا مال تھے، کوئی بھی منصوبہ یا رائے آپ بہت غور وفکر کے بعد قائم کرتے اور جو رائے ایک بار قائم کر لیتے اس پر پوری مضبوطی کے ساتھ قائم رہتے، اکیڈمک کام کا نتیجہ بہت جلد سامنے نہیں آتا ہے، اس کے لئے بہت صبر آزما مدت درکار ہوتی ہے

۔دارالقلم کے قیام کو جب کئی سال ہو گئے اور بظاہر نتیجہ سامنے نہیں آیا تو متعدد افراد و شخصیات نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ اسے تعلیمی ادارے کی شکل دے دیں لیکن آپ کے عزم واستقلال میں کمی نہیں آئی اور اپنے اس منصوبے کی تکمیل میں لگے رہے۔

دارالقلم کے ذریعے اشاعتی شعبے سے خود آپ کی تصنیف کردہ تقریباً دو درجن سے زائد کتابیں اشاعت پذیر ہوئیں۔دارالقلم کے تصنیفی منصوبے کو تکمیل آشنا کرنے کے لئے آپ نے تین منزلہ عمارت کی تعمیر کے علاوہ ''برکاتی لائبریری'' قائم کی جس میں ہندو بیرون ہند سے متعدد علوم وفنون کی عربی،اردو،انگریزی اور ہندی کتب ورسائل کا وافر ذخیرہ اکٹھا کیا،ساتھ ہی ۱۹۸۴ء سے ۲۰۰۶ء تک کے اپنے ذاتی اور قیمتی ذخیرہ کتب بھی برکاتی لائبریری کے لئے وقف فرما دیا۔

دارالقلم حضرت مصباحی صاحب رحمہ اللہ کی تقریباً ۳۵/سالہ انتھک جدوجہد اور محنت شاقہ کا عملی نمونہ ہے،دارالقلم کے قیام کے پس منظر میں آپ کے اخلاص وللہیت کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوگی کہ آپ نے اپنی پوری زندگی کے اس قیمتی سرمایے کو اپنی ذاتی ملکیت نہیں بنایا بلکہ اس ادارے کو آپ نے قومی اثاثہ قرار دیا ہے،اس ادارے کا قیام نہ تو آپ نے اپنی معاشی ضرورت کی تکمیل کے لئے کیا تھا،نہ ہی اس کے ذریعے اپنی اولاد کے مستقبل کو بہتر بنانے کا کوئی خیال تھا بلکہ یہ ادارہ آپ نے جماعتی حیثیت سے خدمت لوح وقلم کے لئے قومی سرمائے کے طور پر قائم فرمایا، اس کے لئے باضابطہ رجسٹرڈ کمیٹی بنائی اور اس کے نام اس قیمتی سرمائے کو وقف کر دیا۔۱۶-۶-۲۰۰۳ کی تحریر میں آپ نے دارالقلم کے لیٹر پیڈ پر دستخط اور ادارے کی مہر کے ساتھ اپنے بعد اس ادارے کی دیکھ ریکھ اور انتظام کار کا پورا ذمہ دار ''انجمن رضا ذاکر نگر،نئی دہلی رجسٹرڈ'' کے حوالہ کیا ہے۔

آپ اپنی ایک دستاویزی تحریر میں اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ دارالقلم (۱۱۳+۴۱) میرے بعد ''انجمن رضا رجسٹرڈ'' کے حوالہ ہے،وہ اپنے متفقہ فیصلہ کے ذریعہ اُسے جس طرح چاہے چلائے۔البتہ اس کا نام اور اس کے منصوبے وشعبے وغیرہ باقی رکھنا ضروری ہے۔یہ دارالقلم نہ ایک فرد یا چند افراد کی کبھی ذاتی ملکیت نہیں بن سکتا۔دینی علمی کام سنی حنفی بریلوی مسلک کے مطابق خدا کرے ہمیشہ اس کے ذریعے جاری رہے۔''

یہی وجہ ہے کہ اپنی اولادوں کو جو کہ ادارہ چلانے کی بھر پور صلاحیتوں سے آراستہ ہیں،ادارہ کے کسی معاملے میں اپنے تاحین حیات شریک نہیں کیا اور نہ ہی کوئی عہدہ سپرد کیا بلکہ متعدد مرتبہ خود میرے سامنے آپ نے اپنی اولادوں کو یہ نصیحت کی کہ یہ قوم کا ادارہ ہے جس کی مستقل کمیٹی ہے وہ جیسا مناسب سمجھے گی کرے گی،ہاں میرے بعد اگر کمیٹی والے تمہاری ضرورت محسوس کرے یا ادارے کی تعمیر وترقی میں تمہاری خدمات کی پیش کش کرے تو تم اپنی صواب دید اور ترجیحات کے مطابق شامل ہو سکتے ہو۔

دارالقلم کے جو تاریخ ساز منصوبے ہیں اس میں سے کئی ایک منصوبے کو حضرت مصباحی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی حیات مبارکہ میں اپنے حسب وسائل پورا فرمایا لیکن ابھی بہت سے منصوبے تکمیل آشنا ہیں،وہ سارے منصوبے بہت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ''دارالقلم ایک تعارفی خاکہ'' (مطبوعہ ۲۰۰۶ء) میں تحریر ہیں جن کی تکمیل وقت کا اہم تقاضا ہے۔

آپ نے سینکڑوں مضامین ومقالات لکھے اور دو درجن سے زائد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں،اہل سنت کے تعارف وتشہیر،انقلاب ۱۸۵۷ءاور تحریک آزادی ہند،رضویات،اور ممتاز علمی خانوادوں مثلاً خانوادہ فرنگی محل،خانوادہ علامہ فضل حق خیرآباد،خانوادہ عثمانیہ بدایوں اور خانوادہ ولی اللہی عزیزی دہلی وغیرہ پر خصوصیت کے ساتھ علمی مقالات اور کتابیں لکھیں،ان کے علاوہ قومی وملی مسائل پر بکثرت مضامیں سپرد قرطاس کیے جن میں سے اہم مضامین کا مجموعہ ''نقوش فکر'' کی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ان کے علاوہ اہل سنت کی علمی وفکری اور تاریخی شخصیات کے علمی تعارف کے لئے آپ نے ۲۰۱۱ء میں ''اسلاف شناسی'' کی اہم تحریک بھی شروع کی اور اس تحریک کے ذریعے بہت سی علمی شخصیات اور خانوادوں کی خدمات کو منظر عام پر لائے۔

آپ کی شخصیت اعتدال ووسطیت کی حامل تھی،مسلم ملی مسائل پر بھی آپ کی گہری نظر تھی جس کی وجہ سے آپ کی تحریریں دیگر مکاتب فکر میں بھی پسندیدگی سے دیکھی جاتی تھی،آپ ملی مسائل میں مختلف مکاتب فکر کے ساتھ اپنے جماعتی تشخص کے ساتھ ایک میز پر بیٹھنے کے نہ صرف قائل

بلکہ حسب ضرورت جب بھی ملی مسائل میں مختلف مکاتب فکر کے افراد کے ساتھ جماعت اہل سنت کی طرف سے آپ کی نمائندگی کی ضرورت پڑتی آپ تشریف لے جاتے۔ملی مسائل میں دیگر مکاتب فکر کے ساتھ اشتراک عمل کے تعلق سے آپ کے نظریہ کو سمجھنے کے لئے آپ کی کتاب ''پیغام عمل'' کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔حسب ضرورت آپ نے اہم ملی مسائل پر متعدد پروگرام بھی کیے۔

ہندوستان کے علاوہ بیرونی ممالک بالخصوص پاکستان، لیبیا اور ساؤتھ افریقا کے متعدد عالمی کانفرنسوں اور سمیناروں میں آپ شریک رہے۔ متعدد علمی اور سماجی اداروں نے آپ کی خدمات کے اعتراف میں اعزاز، شیلڈ، ایوارڈ اور نقد انعامات پیش کیے۔جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی مجلس شوری کے رکن ہونے کے ساتھ وہاں کے فقہی بورڈ مجلس شرعی کے بھی آپ رکن رکین تھے اور اس کے ہر پروگرام میں آپ کی شرکت ضروری سمجھی جاتی۔

آپ نے اپنے پیچھے متعدد ادارے، انجمن اور تنظیمیں یادگار چھوڑی ہیں، پسماندگان میں اہلیہ مکرمہ اقلیمہ خاتون کے علاوہ تین صاحب زادگان ہیں، جن میں سے ہر ایک علم وصلاحیت سے آراستہ ہے۔امید ہے کہ ان حضرات خصوصا آپ کے جانشین وخلف اکبر محترم نعیم اختر صاحب کے ذریعے ان شاءاللہ آپ کے علمی وفکری مشن کی تکمیل ہوگی۔

۷ رمئی ۲۰۲۳ء بروز اتوار دہلی کے ایمس ہسپتال میں آپ نے اپنی ظاہری حیات کی آخری سانس لی، ۹:۵۵ پر آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے پیچھے ہزاروں افراد کو روتا بلکتا چھوڑ کر سفر آخرت اختیار فرمایا۔ بروز پیر آپ کے جسد خاکی کو آپ کے اہل خانہ اور اہل عقیدت دہلی سے بذریعہ ایمبولینس آپ کے وطن مالوف خالص پور ادری ضلع مئو لے کر آئے، اسی دن بعد نماز مغرب عزیز ملت حضرت مولانا شاہ عبدالحفیظ مصباحی (سربراہ اعلی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور) نے نماز جنازہ پڑھائی، ہزاروں سوگواروں نے نم ناک آنکھوں سے آپ کو سپرد خاک کیا۔

اللہ تعالیٰ آپ کا نعم البدل جماعت کو عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین

ڈاکٹر ارشاد عالم نعمانی ،استاذ: مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر، بدایوں شریف

مجھے بھی مصباحی صاحب کی ہم نشینی کا شرف حاصل ہے

رئیس التحریر بانی دارالقلم حضرت علامہ یاسین اختر مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات محتاج تعارف نہیں، علامہ صاحب اہل سنت والجماعت کے ایک عظیم عالم دین، ترجمان متحرک فعال اور سنجیدہ مزاج کے حامل تھے۔آپ کی کارکردگی پوری دنیائے سنیت میں روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

حضرت نے جب دارالقلم کی بنیاد رکھی تھی اُس کے کچھ ماہ بعد ہی میں قادری مسجد میں منصب امامت پر فائز ہوا تھا۔تقریباً ۲۰۰۴ء تک علامہ صاحب کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔جس وقت میں مسجد میں تھا، اس وقت ہم اور علامہ صاحب مسجد کے کمرے میں رہا کرتے۔ایک کمرہ علامہ صاحب کے لئے اور دوسرے میں ہم۔علامہ صاحب رات رات بھر تحریری کام کو انجام دیا کرتے اور صبح بعد فجر پھر کام میں لگ جاتے۔ایک طرف دارالقلم کا کام اور دوسری طرف کنز الایمان کی آفس کی فکر، علامہ صاحب کنز الایمان کی آفس بھی جانے کے لئے پیدل ہی چل کر بس اسٹاپ تک جاتے اور واپس آتے تھے۔اس وقت راستے اور سواریوں کا معقول انتظام نہیں تھا۔

علامہ صاحب نے مسلک وملت کیلئے ایک عرصہ دراز تک انتھک محنت اور کڑی مشقت کرنے کے بعد دارالقلم کو عروج و ترقی بخشی اور قوم وملت کے حوالے کردیا۔علامہ صاحب کبھی بھی مسلک وملت کا کام ادھورا چھوڑ کر اپنی ذاتی کام کو ترجیح نہیں دیتے۔کھانا پینا ملتوی فرماتے جب تک ان کی تحریر مکمل نہ ہوجاتی تھی۔کبھی کبھی رات میں بجلی نہ ہونے کی وجہ سے موم بتی یا لیمپ جلا کے اپنا کام پورا فرماتے، مچھر اور گرمی کی وجہ سے پریشان ہو کر کبھی بھی آج کا کام کل پر نہ ٹالتے۔

حالانکہ اُس دور میں ذاکر نگر میں بجلی کی بہت پریشانی تھی جس کی وجہ سے علامہ صاحب کو بڑی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا مگر کبھی بھی ان کی زبان پر حرف شکایت نہیں آیا۔ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ عصر کے بعد حضرت علامہ کی بارگاہ میں ایک شخص آیا اور اپنا مضمون پڑھ کر سنانے لگا جو کہ سراسر ناپسند تھا۔علامہ صاحب نے اس کی اصلاح بڑے پیارے انداز ے سے کی اور مغرب اور عشا بھی گزر گئے اور وہ شخص قلم بند کرتا رہا۔ یہ سب

ہوتے ہوتے رات کے ۲ بج گئے۔ مولانا منت اللہ صاحب علامہ صاحب کے کمرے میں گئے اور عرض کیا حضور کھانا تناول فرمالیں۔ حضرت نے کہا ٹھیک ہے کھانا لگایئے۔ وہ شخص جو مضمون اپنا درست کروانے آیا تھا اُس نے علامہ صاحب سے کہا حضرت میں ایک بار پڑھتا ہوں آپ سن لیجئے کہیں کسی جملے میں غلطی نہ رہ گئی ہو۔ علامہ صاحب نے بڑی سنجیدگی سے جواب دے کر لاجواب کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میاں املا میں تو غلطی ہو سکتی ہے مگر جملے میں غلطی ناممکن ہے۔ ایسے تھے ہمارے علامہ یاسین اختر مصباحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ابر رحمت اُن کے مرقد پر گہر باری کرے ۔۔۔ حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

(مولانا) سید حیدر علی قادری، صدر: مسلم مشن آف انڈیا مہرولی۔ و۔ مہتمم: جامعہ امام احمد رضا نزد اولیاء مسجد محرولی شریف نئی دہلی

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں

علامہ یسین اختر مصباحی: کچھ یادیں کچھ باتیں

مفکر ملت علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ سرمایہ اہل سنت تھے۔ آپ اسلام اور سنیت کی خدمت اپنی فکر انگیز تحریرات وتحریکات، حکیمانہ اور دانشورانہ قیادت وبصیرت سے حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ بظاہر آپ کی خدمات، تصنیفات اور ادارہ ''دار القلم'' ہی نظر آتے ہیں جبکہ ملت بیداری کے لئے تحریکیں قائم کرنا اور نوجوان اسکالرس کی رہنمائی اور ذہن سازی کرنا بھی آپ کا طرہ امتیاز رہا۔ حضرت ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن آپ کی انمول خدمات اور یادیں باقی رہیں گی۔ احمد ندیم قاسمی کا شعر ہے:

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مرجاؤں گا ۔۔۔ میں تو دریا ہوں سمندر میں اُتر جاؤں گا

مفکر ملت، رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کی شخصیت تو اُس سے بھی آگے کی تھی یعنی آپ کا وصال پر ملال **موت العالِم موت العالَم** کا مصداق ہے۔ آپ کوئی معمولی شخصیت نہیں تھے بلکہ عظیم عالم دین، محقق وتنقید نگار، دردمند مفکر، بہترین مربی وسرپرست، بلند پایہ دانشور اور سیاسی مدبر، صائب الرائے اور باوقار مدرس، صاحب طرز ادیب وشاعر، تجربہ کار صحافی، مخلص مشیر وصلاح کار وغیرہ خوبیوں اور خصوصیات کی جامع شخصیت کا نام علامہ یٰسین اختر مصباحی ہے جنھوں نے نہایت بے نیازی سے محض رضائے الٰہی کے لئے اپنے فکر وقلم سے ملت اسلامیہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ جیسی عظیم شخصیت آپ کی عربی صلاحیتوں کی معترف تھی۔ ۱۹۷۲ء میں علامہ قادری علیہ الرحمہ اپنے ایک مکتوب میں رئیس التحریر علیہ الرحمہ کے ایک عربی ترجمہ پر لکھتے ہیں: ''ترجمہ پڑھ کر بے پناہ مسرت ہوئی، اس لئے نہیں کہ آپ نے ایک کام کر دیا ہے، بلکہ صرف اس لئے کہ آج زندگی میں پہلی بار اپنی جماعت میں ایک ایسے عربی ادیب کی تحریر نظر سے گزری جس میں ذرا بھی عجمیت نہیں۔ ہماری قدیم عربی کتنی ہی فصیح ہو لیکن اس میں عجمیت کی بو آتی ہے۔ اپنی خوشی کے اظہار کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو مزید کرامتوں اور نعمتوں سے نوازے۔'' (برید مشرق، ص ۱۲۷، ترتیب: ڈاکٹر خوشتر نورانی، ناشر: فکر اسلامی، دہلی)

آپ اس بات سے فکر مند رہتے کہ ہماری جماعت نعرہ بازی اور جھنڈابرداری میں کھوئی جارہی ہے۔ ان غیر ضروری امور سے جماعت کو نکالنے کے لئے آپ نے اسلاف شناسی کی تحریک چلائی، اس سلسلے میں آپ نے متعدد کامیاب کانفرنس، کنونشن، سیمینار کا انعقاد کرایا اور کتابیں تصنیف وتالیف کیے۔ امام اعظم ابوحنیفہ، علامہ فضل حق خیر آبادی، سلسلہ شاہ ولی اللہ، علمائے فرنگی محلی، علما وقائدین انقلاب ہند، **رحمہم اللہ** وغیرہم اسلاف سے جماعت کو روشناس کرایا۔ آپ کے اس مشن سے متاثر ہو کر دیگر حضرات نے بھی اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ حضرت مصباحی صاحب علیہ الرحمہ نے اہل سنت کے ان علما ومشائخ پر ضخیم کتابیں تصنیف وتالیف فرمائیں جنھیں دوسرے مکتب فکر والوں نے اپنا بنالیا تھا، اہل سنت بھی انھیں چھوڑ چکے تھے یا وہ اپنے ان علما ومشائخ سے غافل ہو گئے تھے۔ غیروں نے تو اُن کی کتابوں میں تحریف تک کر ڈالی۔ خاص طور سے سلسلہ شاہ ولی اللہ پر غیروں نے بہت ہاتھ صاف کیا۔ اس سلسلہ کی ایک عظیم الشان کڑی حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلی قدس سرہ ہیں۔ مصباحی صاحب رقم طراز ہیں:

’’ہندو پاک کے موجودہ، بیشتر علماو محدثین کا سلسلہ علم حدیث حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے منسلک ہے۔حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی،حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی،حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی،حضرت شاہ مخصوص اللہ دہلوی،حضرت شاہ غلام علی مجددی دہلوی،حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی،حضرت مفتی صدرالدین آزردہؔ دہلوی،حضرت رشیدالدین دہلوی،حضرت مولانا حیدرعلی فیض آبادی،حضرت سید شاہ آل رسول احمدی برکاتی مارہروی،حضرت شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی،حضرت مولانا سلامت اللہ کشفیؔ بدایونی وغیرھم کا سلسلہ علم حدیث آپ ہی سے منسلک ہے۔‘‘(سواداعظم اہل سنت وجماعت عقائد و معمولات،مولف یٰسین اختر مصباحی،ص:۳۰،طابع وناشر:دارالقلم دہلی)

سواداعظم اہل سنت وجماعت ہند کی مصباحی صاحب علیہ الرحمہ نے ایک مکمل فہرست ترتیب دی۔اس میں بہت سے علما و مشائخ ایسے ہیں جن کا تذکرہ غیروں کے یہاں ہی زیادہ ملتا ہے،اس لئے اس فہرست سازی سے عام علمائے اہل سنت کو ان کی شناخت کرنے میں بڑی آسانی میسر ہوگئی ہے۔اس حوالے سے’’سواداعظم اہل سنت وجماعت عقائد و معمولات‘‘ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔مصباحی صاحب کے قلمی عزائم اور منصوبہ بندی،قیام دارالقلم کا اعلان دیکھتے ہوئے علامہ ارشدالقادری علیہ الرحمہ نے ایک خط میں لکھا ہے کہ:

’’دارالقلم کے قیام کا اعلان پڑھ کر میں حیران وششدرہ گیا۔آپ کے متعلق میرا سب سے بلند تصور یہ ہے کہ آپ ایک بہت اچھے صاحب قلم،ایک فلک پیما مفکر،ایک صاحب طرز ادیب اور جذبات واحساسات کے ایک انقلابی ترجمان ہیں،لیکن تازہ اداریے کے ذریعے پہلی بار اِس حیثیت سے آپ کا تعارف ہوا کہ آپ اہل سنت کے فکری اور علمی مستقبل کے بہت بڑے منصوبہ ساز بھی ہیں۔‘‘

(برید مشرق،ص ۳۶۴،ترتیب:ڈاکٹر خوشتر نورانی،ناشر:ادارہ فکر اسلامی دہلی)

حضرت کی شفقت ونوازش:حضرت کو راقم (محمد نورالزماں مظہری) نے بہت قریب سے دیکھا۔آپ ہمارے مربی اور سرپرست تھے۔آپ کی عادت کریمہ تھی کہ آپ ہر چھوٹے بڑے سے کشادہ دلی سے ملاقات کرتے اور اپنے تجربات ومشاہدات اور مفید مشورں سے نوازتے۔آپ کو پہلی بار جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں دیکھنے اور سننے کا موقع میسر ہوا۔۲۰۰۹ء میں جب میرا ایڈمیشن جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ہوگیا تو تقریباً چار سالوں تک ملاقاتیں ہوتی رہیں۔دہلی میں پہلی بار حضرت سے ملاقات ایک مسئلہ معلوم کرنے کی غرض سے ہوئی۔سہمے سہمے حضرت کے کمرے میں داخل ہوا۔حضرت نے مسئلہ کا حل تشفی بخش کرنے کے بعد دریافت فرمایا کہ کہاں کے رہنے والے ہیں اور یہاں کیا مشغولیت ہے۔مطلب یہ ہے کہ ہم جیسے کم علموں اور نووارد طالب علموں کو ملاقات کا شرف بخشتے اور مناسب حوصلہ افزائی اور ضروری رہنمائی فرماتے۔جب ہمارا بی اے مکمل ہوگیا تو روزنامہ صحافت میں ایک نمائندہ کی حیثیت سے منسلک ہوگیا۔صحافت میں ابھی ہم نئے نئے تھے اسی دوران حضرت کا انٹرویو لینے بغیر کسی تیاری کے پہنچ گیا۔اس خود اعتمادی پر کہ حضرت سے بات کر کے عنوان اور سوالات وہیں پر منتخب کرلیں گے۔حضرت سے کہا کہ آپ کا انٹرویو کرنا چاہتا ہوں تو کچھ بتادیجیے،حضرت نے کہا کہ کیا سوالات ہیں ہم نے کہا وہ تو ابھی سوچا ہی نہیں ہے،حضرت مسکراتے ہوئے کہنے لگے تو ایسے پیدل ہی آگئے۔اس کے بعد آپ فن صحافت کے حوالے سے گفتگو کرنے لگے اور اقسام خبر وغیرہ بیان کر کے کہا کہ جائیے مکمل عنوان اور سوالات ذہن نشین کر کے آئیے پھر میں مولانا ارشاد عالم نعمانی صاحب جو اُس وقت دارالقلم میں ہی رہتے تھے ان کی مدد سے انٹرویو کے سوالات مرتب کیے جو ۲۴ مارچ ۲۰۱۳ء میں اخبار میں اہتمام کے ساتھ شائع ہوا۔اسی انٹرویو کا ایک مختصر اقتباس ملاحظہ ہو:

سوال:آپ دہلی میں ایک دینی ادارے کے بانی ہیں اس ادارے سے مسلمانوں کے کیا مقاصد وابستہ ہیں؟جواب۔ہر آدمی کی زندگی نہایت مختصر ہوتی ہے اور اس کے سامنے کاموں کا انبار ہوتا ہے۔ظاہر ہے کہ کوئی شخص نہ ہر کام کرسکتا ہے اور نہ ہی کسی بڑے کام کو اپنی مختصر زندگی میں اپنے عزائم کے مطابق پورا کرسکتا ہے،اس لئے صدیوں پہلے کے انسانی تجربات ومشاہدات کو سامنے رکھ کر کسی شاعر نے بڑی جامع اور سبق آموز بات کہی ہے۔کہ

کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد
ہر چہ گیرد مختصر گیرد

اسی ہدایت اور اصول کو سامنے رکھ کر میں نے اپنا ایک منصوبہ بنایا ہے کہ مختلف اسلامی موضوعات پر عصری اسلوب میں تحقیقی اور موثر لٹریچر مختلف زبانوں میں اور بالخصوص اُردو زبان میں پیش کیا جائے۔اسی منصوبہ کے تحت دہلی کے تعلیم یافتہ مسلم علاقہ جامعہ نگر کے ذاکر نگر میں

''دارالقلم'' کے نام سے ایک تحقیقی و تصنیفی ادارہ کی بنیاد رکھی۔اردو زبان میں متعدد کتب و رسائل دارالقلم کی طرف سے طباعت و اشاعت ہو چکے ہیں اور اس کا سلسلہ جاری ہے۔ظاہر ہے کہ میں اپنے ذوق و صلاحیت کے مطابق جو کچھ کر سکتا تھا وہ اپنے ادارے کے ذریعے کر رہا ہوں،اس طرح ادارہ کے ذریعہ مسلمانان ہند کی جو خدمات انجام دی جاسکتی ہے وہ دی جارہی ہے۔''(روزنامہ صحافت،دہلی ۲۴ مارچ ۲۰۱۳ء)

انھیں ایام میں مفکر اسلام حضرت علامہ قمرالزماں اعظمی مصباحی حفظہ اللہ کی تشریف آوری دارالقلم دہلی میں ہوئی۔مختصر پروگرام کا''دارالقلم'' کے حال میں اہتمام ہوا جس میں اعظمی صاحب کا خطاب ہوا۔بعد پروگرام مصباحی صاحب کے کمرے میں راقم حاضر ہوا تو وہاں علامہ اعظمی صاحب،سنیئر صحافی جناب احمد جاوید صاحب اور دیگر حضرات بھی موجود تھے۔اسی محفل میں مصباحی صاحب نے علامہ اعظمی صاحب سے میرا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ یہ روزنامہ''صحافت''میں رپورٹنگ کرتے ہیں۔علامہ اعظمی صاحب سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ صحافت بڑا اہم شعبہ ہے،اس میں ہمیں محنت کرنے کی اشد ضرورت ہے،ہم اگرچہ بڑے پیمانے پر کوئی پروگرام نہ کریں لیکن اخبارات میں دینی اور تبلیغی پیغامات دیتے رہنا چاہیے۔مصباحی صاحب نے اعظمی صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے راقم سے فرمایا کہ انٹرویو کرنا چاہیں تو کرلیں۔اب ہماری کیفیت بڑی عجیب ہوگئی،اعظمی صاحب کی عالمی شخصیت،دوسری طرف ایک میدان صحافت کے عظیم صحافی اور دیگر اہم علمی شخصیات ایسے ماحول میں کون کون سے سوالات کیے جائیں؟ کن کن الفاظ میں کیے جائیں؟ یہ سب ذہن میں چل رہا تھا آخر کار یہ کہہ کر چھٹکارہ حاصل کرلیا کہ حضرت کی میں نے تقریر سن لی ہے،اسی سے خبر بنالوں گا۔

ایک بار ایک شادی میں مصباحی صاحب سے ملاقات ہوئی تو آپ نے ہمیں اپنے بغل میں میں خالی کرسی پر بٹھالیا۔اب میں دیکھتا ہوں کہ اسی راؤنڈ ٹیبل پر دوسری جانب فتح پوری مسجد کے امام حضرت مفتی محمد مکرم احمد صاحب تشریف فرما ہیں انھیں ہم نے سلام کیا۔مفتی مکرم صاحب سے خبروں کے سلسلے میں موبائل کے ذریعہ بات ہوتی رہتی تھی لیکن کبھی آمنے سامنے سے ملاقات یا شناسائی نہیں ہوئی تھی۔مصباحی صاحب نے مفتی صاحب سے تعارف کرایا۔بتایا کہ روزنامہ صحافت میں رپورٹنگ کرتے ہیں۔مفتی صاحب نے کہا کہ اچھا آپ ہیں نورالزماں صاحب! میں نے کہا جی آپ سے فون پر کئی بار بات ہوئی ہے۔یہ سب بیان کرنے کا مطلب و مقصد یہ ہے کہ حضرت مصباحی صاحب اپنے چھوٹوں پر اس قدر کرم و نوازش کی بارشیں کرتے تھے جس کی مثالیں پیش کرنا بہت مشکل ہے۔

عاجزی اور سادگی بھری معمولات زندگی کے چند نمونے:

اس عالمی مورخ،محقق،مفکر اور مدبر کا رہن سہن بھی ملاحظہ کریں آپ کے ادارہ دارالقلم کے پرنسپل مولانا امجد رضا علیمی صاحب سے حاصل شدہ معلومات پیش کی جارہی ہیں حالانکہ راقم کا اُن معلومات میں سے اکثر کا قیام دہلی کے درران مشاہدہ بھی رہا ہے۔

حضرت کو کبھی لیٹ کر مطالعہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔مطالعہ ہمیشہ بیٹھ کر ہی کرتے،حالانکہ مطالعہ اپنے بیڈ پر ہی کرتے تھے۔بعد نماز فجر مطالعہ کا سلسلہ جاری ہوجاتا۔ناشتہ سے پہلے اخبارات کا بھی مطالعہ کر لیتے،ناشتہ کے بعد کبھی کچھ وقفہ کے لئے لیٹ کر آرام کرتے اور کبھی نہیں کرتے۔ظہر کے بعد کھانا کھا کر قیلولہ کرتے۔نماز عصر کے بعد پھر مطالعہ کا دور شروع ہوجاتا اور یہ سلسلہ دیر رات تک جاری رہتا۔اردو اخبارات کا مطالعہ تسلسل سے کرتے،اگر سفر میں ہوتے تو جتنے بھی دن کے اخبار کا مطالعہ رہ گیا ہوتا اُن سب کو حضرت کی تاکید کے مطابق حفاظت سے رکھا جاتا اور سفر کی واپسی پر حضرت کو وہ تمام اخبار پیش کر دیے جاتے۔مطالعہ سے آپ کو ایسا لگاؤ تھا کہ ڈاکٹر کے منع کرنے کے باوجود اپنے آپ کو مطالعہ سے دور رکھنا مشکل ہوتا تھا۔آخری وقت میں جب ایمس میں بھرتی تھے اس وقت آپ صحیح طور سے بات نہیں کر پارہے تھے باوجود اس کے آپ نے مولانا امجد رضا علیمی سے اپنی کتابوں اور کمرہ کے حوالہ سے کہا کہ سب سامان سیٹ ہے؟ مولانا امجد نے کہا کہ جی حضرت بس آپ جلد ہی شفایاب ہو جائیں گے۔یعنی آپ جانکنی کے عالم میں بھی اپنی کتابوں کو یاد کرتے رہے۔آپ اپنے ادارے میں سال میں کم از کم ایک اسٹاف میٹنگ بلاتے جس میں تمام مدرسین کو تعلیم و تدریس کے حوالے سے انتہائی سنجیدگی اور متانت سے نصیحت کرتے۔کبھی کسی سے تیز آواز میں مخاطب نہیں ہوتے۔اسٹاف میں سے اگر کسی کی کوئی شکایت پہنچتی تو بھی اپنے اسی مخصوص انداز میں حکمت و بردباری سے سمجھا دیتے۔مولانا امجد کہتے ہیں کہ حضرت غصہ کا

اظہار کبھی نہیں کرتے۔ کسی بھی کیفیت اور نوعیت کی گفتگو ہو شائستگی، سنجیدگی اور متانت سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ ادارہ کی جانب سے آپ کو کوئی تنخواہ نہیں ملتی تھی اور نہ ہی آپ کی طرف سے اس کا مطالبہ کیا گیا۔ بس آپ کے قیام طعام کا انتظام ادارہ کی جانب سے تھا۔

خورد ونوش میں آپ سادگی پسند تھے۔ دہلی جیسے ترقی یافتہ شہر میں ہوتے ہوئے بھی آپ کبھی اپنی پسند کا کھانا پکانے کی فرمائش نہیں کرتے جبکہ آپ ادارہ کے بانی مبانی ہیں، آپ کے لئے کوئی اسپیشل کھانا بنانے کا اہتمام بھی نہیں ہوتا تھا۔ جو بھی آپ کو کھانا پیش کیا جاتا تناول کر لیتے پسند ہو یا نہ ہو اُس کا احساس زبانی کبھی نہیں کراتے، آپ کے خادم شریف خان صاحب اور باورچی کو بھی کمیوں اور خامیوں پر ڈانٹ و پھٹکار کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ تقریباً ۱۷ رسالوں تک آپ نے دار القلم میں کھارا پانی ہی نوش فرمایا۔

سفر اکیلے کرتے حالانکہ آخری عمر میں پیدل چلنا بڑا دشوار ہوتا تھا۔ ایسی کیفیت میں بھی آپ تنِ تنہا اپنے اسفار کرتے رہے، جبکہ دار القلم کمیٹی کے ذمہ دار ظہیر برکاتی اور حسنین برکاتی بھی حضرت سے کہا کرتے کہ کمزوری کافی آگئی ہے آپ سفر میں اپنی ساتھ کسی کو لے جایا کریں۔ آخری وقت میں آپ نے اپنی زندگی کا آخری سفر دہلی سے اپنے وطن خالص پور کا نقاہت کے باجود بغیر سحری کیے حالت روزہ میں ۱۱؍ رمضان کو اکیلے ہی کیا تھا۔

بہت سے اداروں، تحریکوں اور تنظیموں کے بانی، مشیر، محرک، سرپرست، نگراں اور ناظم رہے ہیں۔ المجمع الاسلامی کے بانی رکن، کل ہند مسلم پرسنل لا کانفرنس کے نائب صدر، مرکزی حکومت ہند کی طرف سے درگاہ کمیٹی اجمیر شریف کے رکن و نائب صدر، مسلم مشاورتی بورڈ و مسلم فاؤنڈیشن لکھنو کے بانی و صدر اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے رکن مجلس شوریٰ تھے۔

بیرون ممالک کا بھی آپ نے دینی، ملی، تعلیمی اور تبلیغی دورے کیے۔ متحدہ عرب امارات، لیبیا، انگلینڈ، ساؤتھ افریقہ، نیپال، پاکستان وغیرہ ملکوں کے دورے کیے۔ حضرت علامہ علیہ الرحمہ کی شخصیت یہ کہتے ہوئے ہم سے روپوش ہوئی کہ:

بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لیے لئے — ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں

ایسی جلیل القدر شخصیت کی سادگی، عاجزی انکساری بھی بے مثال تھی۔ رہن سہن، خورد ونوش اور تمام تر آسائش و سہولیاتِ زندگی برائے نام یا برائے ضرورت ہی استعمال کرتے لیکن قرطاس و قلم اور مطالعہ کتب سے ایسا استغراق تھا کہ آپ کے بستر پر بھی کتابوں کا ڈھیر لگا رہتا۔ دار القلم میں ایک شاندار لائبریری بھی قائم کیے ہوئے تھے جس میں مختلف علوم وفنون کا عظیم ذخیرہ مزین کر دیا گیا تھا۔ پوری زندگی صرف دین وملت کی خدمت انجام دیتے رہے لیکن اپنی ذات اور اولاد کے لئے ملی تعاون سے کوئی پروپرٹی مختص نہیں کیا جبکہ ایک مکتب چلانے والے بھی اپنے لئے کیا سے کیا کر لیتے ہیں یہ سب پر واضح ہے۔ یہ مرد درویش اور شہسوار فکر وفن جو درجنوں کتابوں کا مصنف، مولف، مترجم تھا اور جس کے سیکڑوں مضامین رسائل و اخبارات کے زینت بنے۔ مختلف تحریکوں، تنظیموں اور اداروں کا محرک، بانی، مشیر، سرپرست، قادری مسجد، دار القلم دہلی کا بانی و صدر آخر کار ۷ مئی ۲۰۲۳ء کو اس دار فانی سے سفر آخرت کو کوچ کر گیا۔ اللہ رب العزت اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان و عقیدت مندوں کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

محمد نور الزماں مظہری، علامہ فضل حق خیرآبادی سوسائٹی، چھترپور، ایم پی، 8878135065

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی کی رحلت، بالعموم اسلامیان ہند اور بالخصوص مسلمانان دہلی کے لئے بہت بڑا خسارہ ہے۔ دہلی کے ذاکر نگر جیسے علاقے میں دار القلم اور قادری مسجد کا قیام آپ کی نا قابل فراموش خدمات ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ عوام وخواص اہل سنت اس کے لئے ہمیشہ ان کے مقروض رہیں گے اور شاید یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ آج ذاکر نگر کے مسلمان یتیم ہو گئے۔

علامہ یاسین اختر صاحب نہ صرف ممتاز محقق اور مصنف تھے بلکہ دور اندیش مدبر اور سیاسی مفکر بھی۔ مسلم پرسنل لا کا تحفظ اور آر ایس ایس کا ایجنڈہ جیسی کتابیں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ یہاں اس کا ذکر بھی بے جا نہیں ہوگا کہ ۱۹۸۵ء میں جب شاہ بانو کیس موضوع بحث بنا ہوا تھا، آپ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا کانفرنس کے نائب صدر تھے۔ معاصر علما کے درمیان، تصنیف و تحقیق اور تاریخ نگاری میں، رئیس التحریر نمایاں مقام رکھتے تھے۔ مختلف موضوعات پر درجنوں تصنیفات اس پر شاہد عدل ہیں جن میں قابل ذکر حسب ذیل ہیں:

راقم کی نظر میں، ان کی یہ دو کتابیں بڑی معرکتہ الآراء ہیں: پہلی، تاریخ کے موضوع پر ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء۔ جنگ آزادی کی تاریخ سے مسلمانوں کو بالعموم اور علمائے اہل سنت کو بالخصوص مٹایا جاتا رہا ہے یا اُن کے کردار کو کم سے کم میں سمیٹنے کی کوشش ہوتی رہی ہے۔ اس کتاب کے ذریعے، فاضل مصنف نے تاریخی شواہد اور پختہ دلائل و براہین سے مزین کر، علما کی خدمات کو اجاگر کیا، جس سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا ہے۔ دوسری کتاب، دفاع کے موضوع پر امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ کے حوالے سے بہت ہی منظم انداز میں یہ پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ انہوں نے برصغیر میں بدعات وخرافات یہاں تک کہ شرکیہ مراسم کو بڑھاوا دیا۔ اس کتاب میں خود اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی تصنیفات سے وافر مقدار میں اس کے شواہد پیش کیے گئے کہ یہ سب حضرت امام پر بہتان ہیں۔ مروجہ بدعات وخرافات پر اعلی حضرت کے مستقل رسالے ہیں کہ جہاں انہوں نے مزارات پر عورتوں کی حاضری کے ممنوع ہونے پر جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور تصنیف فرمائی؛ وہیں بزرگوں کے مزارات پر سجدے کی حرمت کے سلسلے میں 'الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجدۃ التحیۃ جیسا عمدہ رسالہ قلم بند کیا۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی رائج خرافات تھے جن پر مجدد وقت نے مستقل رسالے تصنیف فرمائے۔ مصباحی صاحب نے مذکورہ کتاب میں اس کے درجنوں شواہد اعلی حضرت کی کتابوں سے پیش کر دیے ہیں۔ اس کے مطالعے کے بعد، کوئی بھی انصاف پسند آدمی اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ امام احمد رضا نے بدعات وخرافات کو فروغ نہیں دیا بلکہ اپنی شان مجددی کے عین مطابق، ان کا قلع قمع فرمایا۔

اتنا ہی نہیں، انگریز نوازی کی حقیقت، لکھ کر، حضرت موصوف نے اس حقیقت سے پردہ اٹھا دیا کہ وہ کون لوگ تھے جو بھارت میں انگریزوں کے ایجنٹ کے طور پر کام کرتے تھے اور جنہوں نے ملی شیرازہ بندی کو تار تار کر دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی اکثر کتابیں دفاع امام احمد رضا/فروغ رضویات کے موضوع پر ہی ہیں مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ جلنے والوں نے پھر بھی انہیں نہیں چھوڑا، طرح طرح کی الزام تراشیاں کیں۔

ان تصنیفات و تالیفات کے علاوہ، رسائل و جرائد کی دنیا میں بھی، علامہ یٰسین کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ آپ نے جہاں ماہ نامہ ''حجاز جدید'' کی بنیاد ڈالی اور برسوں اس کی آبیاری کی؛ وہیں سالہا سال ماہ نامہ کنز الایمان کو اپنی ادارت سے فیض یاب کیا۔ آپ کے اداریوں کا مجموعہ ''نقوش فکر'' کے نام سے چھپ کر اہل علم سے داد تحسین وصول کر چکا ہے۔ ایسا نہیں کہ رئیس التحریر نے صرف اردو میں خامہ فرسائی کی۔ مدارس اہل سنت کے عربی ادب کے نصاب میں شامل المدیح النبوی کی جمع و تدوین کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ اگر کوئی ان کی عربی دانی اور زبان پر گرفت کا اندازہ لگانا چاہے تو وہ اس کتاب کا مبسوط مقدمہ پڑھ سکتا ہے۔ اس میں نہ صرف زبان و بیان کے جوہر پارے ہیں بلکہ فکر و فن کے موتی بھی جا بجا بکھرے پڑے ہیں۔

دعا ہے کہ مولی تعالیٰ حضرت موصوف کا نعم البدل عطا فرما کر اس عظیم خلا کو پر کرے۔ انہیں غریق رحمت فرمائے اور اہل خانہ، محبین و متوسلین کو صبر جمیل دے۔

ابر رحمت تری مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

محمد حیدر رضا مصباحی، پی ایچ ڈی اسکالر، فیکلٹی آف ایجوکیشن، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

تیری حکمت تری دانائی کے شیدا تھے سبھی

دنیا میں دو طرح کے افراد پائے جاتے ہیں، ایک بامقصد زندگی گزارنے والے اور دوسرے بے مقصد زندگی گزارنے والے۔ یہاں کچھ لوگ وہ تھے جن کا منصب و مقصد انسانی دنیا کی صلاح و فلاح تھا اور کچھ وہ تھے جن کی زندگی کا کوئی مقصد دنیا نہ سمجھ سکی۔ انسانی معاشرہ کے وہ افراد جنھوں نے مصائب و آلام کا سامنا کرتے ہوئے وقت کی ہر جبری طاقت سے زور آزمائی کی مگر مقصد حیات کو نہ بھولے اور زندگی کے نشیب و فراز سے نبرد آزما ہو کر ایک ایک لمحہ قیمتی بنا دیا بلکہ کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ وہ جانتے تھے کہ کام بہت، وقت کم ہے اور جب پلٹ کر اُن کی زندگی پر نگاہ ڈالی جاتی ہے تو اُن کی خدمات کی روشنی سے ایک عالم مستفید و مستفیض نظر آتا ہے۔

اُنہی خداترس خودفراموش شخصیات میں ہندوستان کی سرزمین پر ایک نام آپ کو فیض حضرت حافظ ملت، کرامت مفتی اعظم ہند، حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کا نظر آئے گا۔ وہ مرد درویش جس نے اپنے ہوش سنبھالنے کے بعد حضرت حافظ ملت محدث مبارک پوری کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے استاذ کی آنکھوں کا تارا بن گیا، اور اس بارگاہ فیض سے مستفیض ہو کر نکلا تو ایک جہاں کو اپنے علم وفضل سے منور کیا۔ وہ ذات جس کی خدمات کا دائرہ کئی ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ سراپا فیض جس کی بارگاہ کے فیض یافتہ کئی ممالک میں علم وعرفان کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔ وہ مرد درویش جس کے نوک قلم نے اہل سنت وجماعت کی آبرو کی حفاظت کی، وہ ذات جس کے خامہ کے نشتر نے نہ جانے کتنوں کی جہالت وحماقت اور سفاہت کا علاج کر دیا۔ امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ پر جب وہابیہ ودیابنہ کی جانب سے بدعات کا الزام لگا تو انہوں نے ''امام احمد رضا رد بدعات ومنکرات'' لکھ کر پوری جماعت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا۔ اگر جماعت اہل سنت کے سرخیل امام احمد رضا قادری قدس سرہ پر انگریز نوازی کے الزام کا تیر اُن غدارانِ اسلام کی جانب سے آیا جن کے اجداد گلے گلے تک انگریزوں کے فضلہ خور تھے۔ ایسے وقت میں اس مرد میدان نے مورچہ سنبھالا اور انگریز نوازی کی حقیقت لکھ کر دنیا دیابنہ کو آئینہ دِکھایا بلکہ ان کے گھر تک پہنچا کر دم لیا۔

مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ جب حضرت علیہ الرحمہ نے انگریز نوازی کی حقیقت لکھی اور جس نے علمائے اہل سنت پر انگریز نوازی کا الزام لگایا تھا، اُس کو رجسٹری ڈاک سے علی گڑھ کتاب بھیجی مگر چھ مہینے تک جواب نہ ملا۔ آپ نے پھر دوبارہ کتاب بھیجی تو اُن جناب معترض پروفیسر صاحب نے کتاب لینے سے صاف انکار کر دیا۔ ایسے کئی ایک واقعات حضرت نے مجھ سے خود بیان فرمائے۔ ایک چیز اور بیان کر دوں، شاید اس کو کوئی اور بھی بیان کرے کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ علامہ علیہ الرحمہ کی یہ خاصیت تھی کہ جس چیز پر آپ نے اپنی رائے قائم کر لی، اس سے رجوع کی نوبت نہ آئی بلکہ اپنے موقف پر دلائل کا انبار ہوتا، سامنے والا اُن کو یا تو مان لیتا یا ہٹ دھرمی پر اتر آتا مگر حضرت اپنے مقام پر مضبوط دلائل کے ساتھ کھڑے رہے۔

اس سلسلے میں چاہے دیابنہ وہابیہ کا فتنہ ہو یا اپنی جماعت کے بعض افراد کی حماقت وانانیت کا مسئلہ ہو، ہر ایک پر انھوں نے کھل کر لکھا اور مسلک ومشرب کیا ہے، اس کی پہچان کیا ہے زندگی میں کن مراحل سے انسان کو کن کن مسائل سے سامنا کرنا پڑتا ہے، ان تمام باتوں خوب واضح اور روشن کیا۔ جب لوگوں نے مسلک وملت کی سالمیت کے مسئلے کو اسٹیج پر لا کر میدان جنگ بنا ڈالا تو حضرت نے اپنی تحریروں کے ذریعہ ان سب کا رد بلیغ کیا اور بار بار چیلنج کیا کہ جس کو کوئی شکایت ہو تحریری یا نجی مجلس میں گفتگو کر لے یا اپنی باتوں سے رجوع کرے مگر ابھی تک کہیں سے بھی صدائے بازگشت سنائی نہیں دیتی۔

محمد عابد رضا برکاتی مصباحی (سابق امام وخطیب قادری مسجد دار القلم) پونہ مہاراشٹرا

وہ ایک ستارہ ہے جو ڈوب گیا

جب یہ افسوس ناک خبر موصول ہوئی کہ اہل سنت وجماعت کے عظیم عالم دین رئیس التحریر حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب نے دہلی کے ایمس میں اس دار فانی کو خیر آباد کہہ دیا ہے تو کلیجہ منھ کو آ گیا۔ حضرت کی رحلت سے ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کو پر نہیں کیا جا سکتا، وہ ایک ستارہ ہے جو ڈوب گیا اور قبیلہ کی موت سہل تر ہے، عالم کی موت سے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی عالم کی روح کو قبض کرتا ہے تو اسلام میں ایک ایسا رخنہ پڑ جاتا ہے جس کی بھرپائی نہیں ہو پاتی۔ تقریباً لاک ڈاؤن کے زمانے سے ہمارے درمیان سے بہت سے جید عالم ہم سے رخصت ہوتے چلے گئے ہیں اور یہ سب قرب قیامت تک کی علامتیں ہیں۔

راقم الحروف مولانا غلام اختر مصباحی ویشالی کے ذریعہ نومبر ۲۰۱۴ء میں قادری مسجد جوگا بائی ایکسٹینشن ذاکر نگر اوکھلا نئی دہلی کے منصب امامت پر بحال کیا گیا۔ میں پہلے سے دار القلم اور حضرت علامہ صاحب سے شناسا تھا۔ اس وجہ سے بھی اس منصب پر قائم رہا کہ حضرت سے علمی فیضان حاصل کرتے رہیں گے۔ میں گاہے بگاہے دار القلم میں حضرت کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھتا اور چاروں طرف نئی پرانی کتابوں کا مشاہدہ کرتا

رہتا۔اتنی مصروفیت دیکھ کر میں تعجب کرتا کہ اس عمر میں بھی حضرت کا ایک منٹ بھی برباد نہیں ہوتا ہے اور نماز کے اوقات کے علاوہ ہمہ وقت کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے یا مطالعہ میں مصروف رہتے ہیں۔حضرت کی ایسی زندگی دیکھ کر مجھے بھی شوق ہوا کہ میں بھی کچھ لکھوں اور قریب میں رہنے کا فائدہ اٹھاؤں۔ایک دن حضرت سے اپنی کتاب ''اہم دینی معلومات'' کا تذکرہ کیا تو حضرت نے بڑی مفید باتیں بیان فرمائی وہ یہ کہ مولانا کتابیں تو بہت چھپتی ہیں اور لکھی جاتی ہیں لیکن آپ ان خاص چیدہ چیدہ مسائل کو بیان کیجئے جن کی معلومات عوام تک پہنچانا نہایت ضروری ہیں۔

ابھی قادری مسجد میں آئے ہوئے کچھ ہی دن ہوئے کہ تقریباً ظہر کے بعد حضرت علامہ صاحب کو جامعہ نگر تھانہ کے پولیس اہلکار گاڑی پر بٹھا کر تھانہ لے گئے۔یہ خبر نہایت تیزی کے ساتھ لوگوں میں پھیل گئی کہ قادری مسجد کے امام صاحب کو پولیس گاڑی میں اٹھا کر لے گئی ہے۔مسجد سے بھی اعلان ہونے لگا کہ قادری مسجد کے امام صاحب کو مسجد سے پولیس لے گئی ہے۔میں گھبرا گیا کہ امام صاحب تو تھانہ کے باہر لوگوں کے ساتھ حضرت کی گرفتاری کا سبب جاننے اور جلد سے جلد رہائی کرانے کے لئے تھانہ کے باہر کھڑا ہے۔جب پتہ کیا کہ ایسا اعلان کیوں ہو رہا ہے تو لوگوں نے بتایا کہ یہاں امام کے نام سے لوگ بہت جلد جان جاتے اور علامہ صاحب کو اُن کے تبحر علمی کی بنیاد پر بہت لوگ ہی جانتے پھر تھانہ کے اندر سے خبر آئی کہ علامہ صاحب کے پاس کچھ آئی ایس ڈی کالس آتے ہیں اس کی تحقیق کرنے کے لئے ان کو زحمت دی گئی ہے کہ وہ کال ہندوستان کے مفاد کے خلاف تو نہیں ۔بہر حال حضرت کو اُسی رات باعزت رخصت کر دیا گیا۔اللہ حضرت علامہ کی خوب خوب مغفرت عطا فرمائے۔آمین

معاذ احمد مصباحی،سابق امام وخطیب قادری مسجد دار القلم (مہوا،ویشالی،بہار)

بہت سے طالب علموں کا رہنما چلا گیا

۷ مئی ۲۰۲۳ کو رات میں تقریباً ۱۰ بجے حضرت علامہ یاسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کے وصال کی خبر مجھ ناچیز کے دل پر رنج والم کا کوہ گراں بن کر گری اور سخت اذیت وکرب کے احساس میں ڈوب گیا۔یہ ایسا کاری زخم ہے جس کی کسک اور درد سے اہل خانہ ہی نہیں لاکھوں دل مضرب ومخزون رہیں گے اور میں اپنے رہنما سے محروم ہو گیا تھا۔

تحسین ملت علامہ تحسین رضا خان علیہ الرحمہ کے چالیسواں،ازہری گیسٹ ہاؤس (جہاں اس وقت تاج الشریعہ علیہ الرحمہ کی قبر پر انوار ہے) میں منعقد ہوا،جہاں سب سے پہلے علامہ صاحب کو قریب سے دیکھا تھا۔۲۰۰۷ء کے بعد سے علامہ سے ملنے کی آرزو لئے تعلیمی سفر جاری رکھا بالآخر ۲۰۱۳ء میں جب جامعہ ملیہ اسلامیہ بحیثیت متعلم آنا ہوا۔نومبر ۲۰۱۶ء قادری مسجد میں امامت کی خدمت کو قبول کیا تو جب من کرتا جی چاہتا علامہ صاحب کے روم میں چلا جاتا اور حضرت قیمتی باتوں سے نوازتے جو میرے لئے مشعل راہ تھیں اور ہیں۔اس لئے وصال کی خبر سن کر دل سے یہ آہ بھری صدا نکلی تھی آج میرا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بہت سے طالب علموں کا رہنما چلا گیا۔

آپ اتر پردیش خالص پور،ادری ضلع مئو کے رہنے والے تھے لیکن اپنی حیات مبارکہ کا سب سے بڑا اور قیمتی حصہ آپ نے دہلی کو عطا فرمایا وہ بھی فقط خدماتِ دینیہ کے لئے۔علامہ صاحب واقعتاً پرتو اسلاف،شریعتِ اسلامیہ کا احترام وتحفظ حضرت کے اوصاف رہے۔علم وفکر،قلم وقرطاس کے سلطان ورئیس کو اللہ عزوجل نے بہت سی صلاحیتیں بخشی تھیں اور تحریر میں ایسا اسلوب کہ ''رئیس التحریر'' کے خطاب سے نوازے گئے۔

فرسٹ ٹائم جب حضرت سے ملنے گیا تو ذہن میں ایک خاکہ بنا ہوا تھا کہ علامہ سے ملنے جا رہا ہوں تو کوئی بہت قیمتی لباس،اونچی ٹوپی،شاندار روم میں جلوہ گر شخصیت ہوگی مگر ایسا کچھ نہیں تھا جیسے ہی روم میں داخل ہوا ''سفید سادہ لباس'' سر پر سفید سادہ ٹوپی (بعد میں کبھی کبھی انگھوچھا بھی دیکھا) ارد گرد کتابیں ہی کتابیں اور آپ مطالعہ میں منہمک نظر آئے۔سلام پیش کیا اور اجازت لے کر اندر داخل ہوا۔حضرت نے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پاس میں رکھی گھنٹی بجا کر شریف کو بلایا اور چائے کا حکم دیا۔

دوران گفتگو مضامین لکھنے پر بات کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ہمارے نوجوان علماء اور متعلمین کو چاہیے کہ قلم اٹھائیں تب ہی تو لکھیں گے صرف سوچنے سے کیا ہوگا'' مزید فرمایا کہ ''لکھو!غلط ہی لکھو گے تو کسی سے تصحیح کراؤ۔ان شاء اللہ ایک دن لکھاری بن جاؤ گے۔'' الحمد للہ یہ وہ جملے تھے

جنہوں نے مجھے motivate کیا پھر میں کچھ نہ کچھ لکھ کر حضرت کے پاس لے جاتا۔ حضرت تصحیح کر دیتے یا بیان کر دیتے۔
حضرت کی قائم کردہ دار القلم کی وسیع لائبریری دیکھ کر بہت خوش ہوتا اور وقتاً فوقتاً وہاں حاضر ہو کر کچھ نہ کچھ مطالعہ کر لیا کرتا۔ اب دوبارہ سے یہ بنائی جا رہی ہے۔ تحمل مزاج، طبیعت میں انکساری، خوش خلقی اور خوش مزاجی سے متصف شخصیت سے جب جب ملاقات ہوتی ذاکر نگر والوں کا ضرور حال پوچھتے اور اہل سنت والجماعت کے لئے دعا فرماتے۔ اب دار القلم میں قدم رکھتے ہی حضرت کی یاد آجاتی مگر اب یہ یاد ہی رہ گئی ہے کیونکہ **کل نفس ذائقہ الموت** فرمان باری ہے اور وہ آکر رہے گی۔

اللہ رب العزت درجات بلند فرمائے اور جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

فیضان احمد نعیمی، امام وخطیب قادری مسجد دار القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

صحبت نامہ

یادوں کے نقوش

رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسٓ اختر مصباحی علیہ الرحمۃ والرضوان (ولادت: ۱۲ فروری، ۱۹۵۳/وصال: ۷ مئی، ۲۰۲۳ء) جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ایسے قابل فخر فرزند تھے کہ پورے ہندوستان میں جب بھی "مصباحی صاحب" کے الفاظ بولے جاتے تو ان کی ذات مراد لی جاتی یا پھر خیر الاذکیاء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی کی۔ رئیس التحریر اہل سنت وجماعت کے ممتاز علمائے کرام کی صف میں شامل تھے۔ اہل سنت وجماعت کی علمی وفکری اور دینی اور روحانی تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اعلی علم اور متوازن فکر کے حامل تھے۔ اسی لئے تا حیات اہل سنت وجماعت کی بہتر ترجمانی اور عمدہ نمائندگی کا کردار نبھاتے رہے۔ آپ نے اعلی حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی فکر اور پیغام کو جس نرالے انداز سے پیش کیا ہے اس کی قدردانی رضویات کے باب میں آپ کی نگارشات کے مطالعہ سے کوئی بھی شخص بآسانی کر سکتا ہے۔ اکابر اہل سنت وجماعت کی حیات وخدمات کے حوالے سے آپ کی کوششوں کو ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ نگاری کے باب میں ایک ضروری اور مفید "مداخلت" (intervention) کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور ہمیشہ دیکھا جائے گا۔ اٹھارہ سو ستاون کی جنگ/بغاوت پر آپ کے تحقیقی شہ پاروں نے اسلاف شناسی کی ایک تحریک پیدا کی۔

نئی نسل میں تعلیم وتعلم اور قلمی ذوق بیدار کرنے میں حضرت مصباحی صاحب کے کلیدی رول کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اپنے قائم کردہ دار القلم دہلی کے ایک کمرے میں بیٹھ کر آپ نے سیکڑوں طلبہ کی ذہنی وفکری تربیت فرمائی ہے۔ حضرت مصباحی صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کی مجلس میں حاضری اور آپ کی علمی گفتگو کو سننے سے ذہن وفکر کے دریچے کھلتے۔ اس طرح سے رسمی اور غیر رسمی (formal and informal) تدریس اور تربیت کے ذریعے آپ نے بے شمار طلبہ کی رہنمائی فرمائی ہے۔

میں ماہنامہ "حجاز جدید" کے مطالعہ سے حضرت مصباحی سے متعارف ہوا تھا۔ الجامعۃ النظامیہ ملک پور، بہار میں طالب علمی کے زمانے میں ہمارے اساتذۂ کرام شوق سے اس رسالے کو پڑھتے تھے۔ طلبہ کو بھی ان کے واسطے سے اس رسالے کو دیکھنے اور اہل علم وفکر کی نگارشات کو پڑھنے کا موقع ملتا تھا۔ حضرت مصباحی صاحب کے اداریوں میں ملکی وغیر ملکی حالات پر بے لاگ تبصرے اور فکر انگیز تجزیے ہوتے جن میں امت مسلمہ کے عوام وخواص کو فکر وعمل کی دعوت دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ ان میں زبان وبیان کا معیار کافی بلند ہوتا تھا۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں پہلی بار حضرت مصباحی صاحب کی زیارت کا شرف ملا تھا۔ مرعوبیت کا احساس ہوا تھا۔ کیوں نہ ہو کہ حضرت مصباحی صاحب "المدیح النبوی، امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات، امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، گنبد خضرا" جیسی متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ صاحب طرز ادیب تھے۔ ماہنامہ حجاز جدید کے مدیر تھے، یعنی مجسم علم وفکر تھے اور مدارس میں زیر تعلیم طلبہ کے لئے مثالی شخصیت کے حامل (ideal) تھے۔

اس کے بعد الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی علمی وادبی فضا میں منعقد "عرس عزیزی" اور "مجلس شرعی" کے متعدد اجلاسوں میں کئی بار زیارت کے ساتھ حضرت مصباحی صاحب کے علمی وفکری خطابات کو سننے کا موقع ملا مگر حضرت کی مجلسی گفتگو سے استفادہ کا زرین موقع اس وقت ملا جب حضرت

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، دہلی میں اعلیٰ تعلیم کے لئے میرا داخلہ ہوا۔ حضرت مصباحی صاحب بسا اوقات حضرت رئیس القلم علامہ ارشد القادری سے ملنے یا پھر جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، دہلی میں توسیعی خطبات پیش کرنے کے لئے تشریف لاتے۔ ایسے موقعوں پر بہت ہی قریب سے حضرت مصباحی صاحب کو دیکھنے، سننے اور جاننے کا موقع ملا۔ طلبہ کو دینی اور مسلکی ضروریات اور عصر حاضر کے مطالبات سے باخبر کرتے اور علمی و تحقیقی کام کرنے پر ابھارتے۔ آپ کے ناصحانہ کلمات ذوق وشوق کے لئے مہمیز کا کام کرتے۔ رفتہ رفتہ حضرت مصباحی صاحب کی صحبت اور قربت میں زانوئے ادب تہہ کرنے کی سعادت ملی۔

مجھ جیسے بے شمار طلبہ ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان پر حضرت مصباحی صاحب کا خاص فضل وکرم تھا۔ کیوں نہ ہو کہ وہ سب سے شفقت اور محبت فرماتے تھے۔ بارہا مجھے دار القلم میں حاضر آنے کا حکم فرماتے اور گھنٹوں اہل سنت و جماعت کے فروغ و استحکام کے موضوع پر گفتگو فرماتے۔ اس سلسلے میں ذاکر نگر، دہلی کے بااثر افراد سے رابطہ کرنے اور دار القلم اور جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کی ترقی کے لئے لوگوں کی ذہن سازی کرنے کا حکم اور مشورہ دیتے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی میں میری طالب علمی کے زمانے میں میرے موضوع مطالعہ (تاریخ ہند اور تاریخ اسلام) پر مفید مشوروں سے نوازتے۔ جب پی ایچ ڈی کے لئے جرمنی کی برلن میں قائم یونیورسٹی میں میرا داخلہ ہوا تو حضرت نے بے پناہ مسرت کا اظہار کیا کہ جب کبھی میں اپنے موضوعِ مقالہ کے لئے مصادر اور مراجع کی جستجو اور تلاش کے لئے واپس ہندوستان آتا تو حضرت اپنی ذاتی لائبریری سے کتب ورسائل عطا فرماتے اور میرے موضوعِ مقالہ کے بہت سے مخفی پہلوؤں پر روشنی ڈالتے اور علمی رہنمائی فرماتے۔ صد حیف اب وہ صحبت اور مجلس کہاں! صد افسوس وہ نوازش، وہ کرم اور وہ مہربانی کہاں! اللہ تبارک وتعالی ہمارے محسن اور کرم فرما حضرت مصباحی صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے!

''حضرت مصباحی صاحب'' کی مجلسی گفتگو ہم جیسے طلبہ کے لئے توسیعی خطبات کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس میں ملکی، ملی اور جماعتی تاریخ کے مختلف گوشوں کا تجزیہ ہوتا، عالم اسلام کو درپیش مسائل اور چیلنجز کی پیش بینی ہوتی، تصنیف و تالیف اور بحث وتحقیق کے نئے میدانوں کی شناخت ہوتی، نئی نسل کی تعلیم وتربیت کے جدید تقاضوں اور اس سلسلے میں کی جانی والی کوششوں کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر بصیرت افروز گفتگو ہوتی، ماضی اور حال کے تناظر میں بہتر مستقبل کی تعمیر کی دعوت ہوتی۔ اسی لئے دار القلم دہلی میں ان کا حجرہ تربیت وارشاد کا ایک عظیم مرکز تھا جہاں مجھ جیسے سیکڑوں طلبہ نے اپنے ذوق وشوق کے مطابق خوشہ چینی کی ہے۔ کتابوں سے بھرے اس حجرے میں بیٹھ کر حضرت مصباحی صاحب تحقیق وتصنیف کے کاموں میں مصروف رہتے مگر جب کوئی طالب علم حضرت کی بارگاہ میں حاضری دیتا تو آپ شفقت سے پیش آتے، ضیافت فرماتے، خیریت پوچھتے اور توجہ خاص فرماتے۔ ہر طالب علم کو علم وعمل کے متعلقہ میدان میں بہتر سے بہتر کرنے کی تاکید فرماتے اور کامیابی پر حوصلہ افزا کلمات سے نوازتے۔ ذوق وشوق اور ذہنی میلان کو پرکھتے، پھر مفید اور مخلصانہ مشوروں اور دعاؤں سے نوازتے۔ آج کل اصاغر نوازی کا یہ وصف بہت ہی کم دکھتا ہے۔ حضرت مصباحی صاحب کی اچانک رحلت سے آپ کے خوان علم وفضل کے خوشہ چیں ہم طلبہ خود کو یتیم محسوس کر رہے ہیں۔ دار القلم کے در و دیوار سوگوار ہیں۔ اللہ تبارک وتعالی ان کے مرقد پر رحمت ونور کی بارش برسائے۔

دار القلم کا یہ سادہ اور چھوٹا سا حجرہ دراصل عصری دانش گاہوں کے علمی وفکری حلقوں تک اہل سنت و جماعت کے افکار ونظریات اور تعلیمات رضا کی پیش کش اور ابلاغ کا مرکز تھا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی، سماجی، تاریخی اور علمی تاریخ پر کام کرنے والے اسکالرز آپ کی طرف رجوع کرتے۔ اور اہل سنت و جماعت کے موقف سے آشنائی حاصل کرتے تھے۔ ان میں سے چند اسکالرز کو میں نے حضرت مصباحی صاحب کا حوالہ (reference) دیا تھا۔ ملاقات کے بعد انہوں نے حضرت مصباحی صاحب کے علم وفکر کی گہرائی اور آپ کی تحقیق کے بلند معیار کی گواہی دی حضرت مصباحی صاحب کی رہنمائی میں اہل سنت و جماعت کے افکار ونظریات کی متعدد جہات کے بارے میں واقفیت حاصل کرنے اعتراف کیا۔ اس طرح سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عصری دانش گاہوں میں اہل سنت و جماعت کے حوالے سے کچھ لوگوں نے جو منفی فضا بنائی تھی، اس کو دور کرنے اور اہل سنت و جماعت کی ''شناخت'' کو بہتر بنانے میں حضرت مصباحی صاحب کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ حضرت مصباحی صاحب اہل سنت و جماعت کی تاریخ کے تسلسل کو اجاگر کرنے اور اس کو دوام واستحکام بخشنے کے لئے ہمہ دم کوشاں رہتے۔ اٹھارہ سو ستاون کی تاریخ پر نظر ثانی

،اہل سنت وجماعت کے علمائے کرام اور مشائخ عظام کی سوانح ، دینی، علمی اور روحانی مراکز کے تعارف ، مذہب وسیاست ، اصلاح فکر واعتقاد کے عناوین پر جو کام آپ نے کیا ہے وہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ حضرت مصباحی صاحب کا علمی اور قلمی ورثہ نئی نسل کے لئے دعوتِ فکر اور پیغامِ عمل ہے۔اس میں کام کرنے والوں کے لئے نشانِ راہ ہے جس میں منزل کا سراغ ملتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ’’حضرت مصباحی صاحب‘‘ کی خدمات کو قبول فرمائے،ان کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے ، ان کے اہل خانہ ، متعلقین اور محبین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ان کے مرقد پر رحمت ونور کی بارش برسائے۔آمین ثم آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم۔

(ڈاکٹر) محمد سجاد عالم رضوی مصباحی، اسسٹنٹ پروفیسر وصدر شعبۂ تاریخ، پریسیڈینسی یونیورسٹی، کولکاتا، مغربی بنگال

سلسلۂ رشیدیہ اور رئیس التحریر: تعلقات وتاثرات

۷رمئی ۲۰۲۳ءکو رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی -علیہ الرحمہ- کے وصال سے جہانِ علم وادب میں صف ماتم بچھ گئی اور فکر وفن کی ایک عظیم شخصیت سے ہم محروم ہو گئے۔آپ شہرۂ آفاق دینی درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے پروردہ اور حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری-قدس سرہ- کے تلمیذ وصحبت یافتہ تھے۔علم وفن میں کامل، مثبت فکر وذہن کے حامل، سادہ مزاج وطبیعت کے مالک اور بلندی اخلاق سے متصف تھے۔آپ نے دین ومذہب کی تبلیغ اور علم وادب کے فروغ میں اہم خدمات انجام دیں۔دہلی میں اپنی علمی وفکری بساط بچھا کر آپ ہمیشہ علمی وادبی منظر نامے پر چھائے رہے۔دہلی میں آپ کی ذات عموماً فارغین مدارس اور خصوصاً فضلائے اشرفیہ کے لئے ایک مرجع تھی۔دار القلم میں اکثر دینی ومذہبی معاملات اور ملی وسماجی امور پر مجلسیں منعقد کرتے اور ان میں اساتذۂ مدارس اور ائمہ مساجد کے ساتھ یونیورسٹی میں زیر تعلیم فارغین مدارس کو بطور خاص طلب فرماتے اور پیش آمدہ مسائل اور حالات پر سنجیدہ تبصرہ اور بصیرت افروز گفتگو فرماتے۔

راقم الحروف نے آپ کو پہلی بار ۲۰۰۵ء میں عرس امجدی کے موقعے پر گھوسی (ضلع مئو، یوپی) میں دیکھا تھا، دوسری مرتبہ غالباً ۲۰۰۶ء میں مادرِ علمی جامعہ اشرفیہ میں ’’جشن مفتی اعظم ہند‘‘ کے موقعے پر، جس میں آپ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے مدعو تھے اور انقلاب ۱۸۵۷ء اور علمائے جنگ آزادی کی قربانیوں کے موضوع پر بڑا معلوماتی خطاب فرمایا تھا۔جامعہ اشرفیہ کے فقہی سیمیناروں کے مواقع پر بھی آپ کی زیارت ہوتی رہتی لیکن بالمشافہ ملاقات یا بات چیت کا موقع نہیں ملتا تھا۔جب راقم سطور جامعہ اشرفیہ سے فراغت (۱۰/مارچ ۲۰۱۰ء) کے بعد اکتوبر ۲۰۱۰ء میں دہلی آیا تو سوچا کہ آپ کی صحبت میں رہ کر پہلے تصنیف وتالیف کی تربیت حاصل کر لی جائے، اس کے بعد ہی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ کیا جائے۔ چناں چہ ۴/اکتوبر ۲۰۱۰ءکو حضرت رئیس التحریر کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس طرح پہلی بار آپ سے دوبدو ملاقات اور بات چیت کا موقع ملا۔اشرفیہ سے فراغت کی بات سن کر آپ کافی خوش ہوئے اور فرمایا کہ اچھا ابھی تازہ ہی فارغ ہوئے ہیں۔میں نے عرض کی: جی حضور۔اس کے بعد اپنا مقصد ظاہر کیا کہ حضرت! دار القلم میں رہ کر تصنیف وتالیف کی تربیتی کورس کرنا چاہتا ہوں۔آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، لیکن یہ بتائیے کہ اس سے پہلے آپ نے کچھ لکھنے کا کام کیا ہے کہ نہیں؟ میں نے عرض کی: شرفیہ کے جداریوں میں وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ لکھتا رہتا تھا ’’ضیائے فردوس‘‘ کے نام سے باقاعدہ ایک جداریے کی ادارت بھی میرے ذمے تھی۔ آپ نے فرمایا کہ ’’پہلے آپ کسی عنوان پر، جو آپ کو سمجھ میں آئے، چار پانچ صفحے کا ایک مضمون لکھ کر لے آیئے! اسے دیکھنے کے بعد ہی میں کچھ بتاؤں گا۔‘‘

میں دوسرے دن یعنی ۵/اکتوبر کو ’جامعہ اشرفیہ دنیائے سنیت کا ایک عظیم قلعہ‘‘ کے عنوان سے پانچ صفحے کا مضمون لکھ کر حضرت رئیس التحریر کی خدمت میں لے گیا۔آپ نے فرمایا کہ کل آیئے۔اسے پڑھنے کے بعد ہی کچھ بتاؤں گا۔حکم کے مطابق میں حاضر ہو گیا۔آپ نے فرمایا کہ ’’ویسے ہمارے یہاں تصنیفی کورس تو دو سال کا ہے، لیکن آپ کے مضمون کو پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ چھ ہی مہینے میں اس کو مکمل کر لیجیے گا لیکن یہ بتایئے کہ آپ کی گارنٹی کون لے گا کہ ’’کہیں ایسا نہ ہو کہ کچھ دن رہ کر آپ یہاں سے چلے جائیں‘‘ جب یہ بات سنی تو میں شش وپنج میں پڑ گیا۔عرض کی: ایسا نہیں ہوگا۔کورس مکمل کرنے کے بعد ہی کہیں جاؤں گا۔آپ نے فرمایا کہ مولانا! جو بھی آتا ہے، وہ یہی کہتا ہے اور پھر بعد میں چلتا بنتا ہے۔میں نے عرض کی: حضرت! آپ خانقاہ رشیدیہ جون پور کے سجادہ نشیں حضرت مفتی عبید الرحمٰن رشیدی صاحب قبلہ کو جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں بالکل۔اچھی طرح

سے۔کیا بات ہے بتائیے ،آپ ان کے کون ہیں؟ میں نے اپنی نسبت ارادت ظاہر کی اور کہا کہ وہ میرے پیرومرشد ہیں۔ یہ سن کرآپ خصوصی طور پر متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے کہ ماشاء اللہ۔ بڑے خوش نصیب ہیں۔صحیح شیخ کامل کا دامن تھاما ہے۔اس دور کے مشائخ وسجادگان میں ان کی شخصیت بڑی غنیمت ہے۔اشرفیہ میں ہم لوگ ایک ہی دور میں تھے،البتہ وہ ہم سے سینئر تھے اور اچھے تعلقات تھے۔حضرت کیسے ہیں اور اِن دنوں ان کا قیام کہاں ہے؟ عرض کی کہ ابھی بنارس کی خانقاہ میں ہیں۔آپ نے فرمایا کہ بات ہو تو میرا اسلام کہیے گا۔میں نے عرض کی جی۔اس کے بعد کہا کہ حضرت سے بھی میں نے تذکرہ کیا تھا کہ کچھ دنوں آپ کے پاس رہ کر تصنیف وتالیف کا تربیتی کورس کروں گا تو حضرت نے فرمایا تھا کہ ٹھیک ہے۔ یہ سن کر حضرت رئیس التحریر نے فرمایا کہ دیکھئے! ابھی ہمارے یہاں دارالقلم میں سردست ایسا کوئی شعبہ نہیں چل رہا ہے۔ یہ منصوبے میں شامل ضرور ہے لیکن ابھی باقاعدہ شروع نہیں ہوا ہے۔میں نے آپ کا مضمون دیکھا، اچھا لکھا ہے۔بس اسی طرح از خود لکھتے رہیے اور اپنی تحریروں کو رسالوں میں چھپواتے بھی رہیے۔اس سے آپ کے اندر خود اعتمادی پیدا ہوگی اور لکھنے کا شوق بڑھے گا اور پھر اچھا لکھیے گا۔ہم یا مصباحی صاحب وغیرہ نے تو اس طرح کا کوئی کورس نہیں کیا ہے لیکن دیکھیے کہ لکھ رہے ہیں۔

حضرت رئیس التحریر کی اس ملاقات،متاثر کن باتوں،حوصلہ بخش جملوں اور نیک مشوروں سے بے حد متاثر ہوا پھر اپنی قیام گاہ واپس آ گیا۔شام کو اپنے پیرومرشد حضرت مفتی شاہ عبید الرحمٰن رشیدی دام ظلہ کو اس کی اطلاع دی تو حضرت نے فرمایا کہ ”کوئی بات نہیں ۔یہ چیز تو مشق وممارست سے ہی آتی ہے۔اس کے لئے الگ سے کوئی کورس کرنے کی ضرورت نہیں۔بس لکھتے رہیے اور اچھی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہیے۔خود ہی دن بدن فکر وقلم میں نکھار آتا جائے گا۔دراصل انسان کا ذوق ہی اس کا اصل رہ نما ہوتا ہے۔حضرت آسی نے فرمایا ہے:

عشق کامل ہو تو مرشد نہیں ایسا کوئی
خود وہی قبلہ وہی قبلہ نما ہوتا ہے

حالات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔اللہ نے چاہا تو سب بہتر ہوگا۔بس اپنی محنت ولگن اور شوق کو جاری رکھیے۔

حضرت رئیس التحریر نے اُس وقت مجھ سے جو مضمون لکھوایا تھا،خوبی قسمت سے تلاش کے بعد وہ بعد مل گیا اور دن ،تاریخ اور سنہ (یعنی ۱۰، اکتوبر ۲۰۰۵ء) کے درج کے ساتھ راقم کے پاس محفوظ ہے۔آپ بڑے مزاج فہم اور موقع شناس تھے۔سامع کے مزاج اور ذوق کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔چوں کہ راقم کے بارے میں آپ کو علم تھا کہ میرا تعلق خانقاہ رشیدیہ،حضرت صاحب سجادہ مفتی شاہ محمد عبید الرحمٰن رشیدی دام ظلہ اور آسی فاؤنڈیشن سے ہے،تو آپ سلسلۂ رشیدیہ،بانی سلسلۂ رشیدیہ (قطب الاقطاب حضرت شیخ محمد رشید عثمانی جون پوری)،حضرت آسی غازی پوری،حضرت صاحب سجادہ اور آسی فاؤنڈیشن کے بارے میں ہی زیادہ تر گفتگو فرماتے۔خانقاہ رشیدیہ جون پور سے آپ کو بڑی عقیدت تھی۔اس کی علمی وتاریخی اہمیت پر برابر تبصرہ فرماتے تھے۔بانی خانقاہ رشیدیہ کی علمی وروحانی شخصیت سے بہت متاثر تھے اور ان کی تصنیفی وتحقیقی خدمات سے بھی۔ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ بانی سلسلۂ رشیدیہ کی حیات اور کارناموں پر باضابطہ کوئی ضخیم اور مبسوط کتاب نہیں،آپ کو اس پر بھی دھیان دینا چاہیے۔میں نے عرض کی: میں نے اپنے طور پر ایک خاکہ بنایا ہے جو ۲۲؍صفحات پر مشتمل ہے۔مواد بھی اکٹھا کرلیا گیا ہے۔بس اب کام شروع کرنا رہ گیا ہے۔دعا فرمادیں کہ جلد ہو جائے۔یہ سن کر فرمایا کہ اچھی بات ہے۔جب خاکہ تیار ہو گیا ہے تو اس میں رنگ بھرنے کا بھی کام ان شاء اللہ ہو ہی جائے گا۔

آپ کو قطب العرفا والعشاق حضرت مولانا شاہ محمد عبد العلیم آسی سکندر پوری ثم غازی پوری۔قدس سرہ۔(آٹھویں سجادہ نشیں خانقاہ رشیدیہ جون پور) سے کافی عقیدت ومحبت تھی۔ان کے علم وفضل اور عارفانہ شاعری سے کافی متاثر تھے اور ان پر فکر انگیز تبصرہ بھی فرماتے تھے،ساتھ ہی اکابر علما مثلاً بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی،قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری جمشید پوری اور پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی الٰہ آبادی۔علیہم الرحمہ۔وغیرہ کے کلام آسی پر تاثرات اور اس سے ان پر طاری ہونے والی کیفیات کا برابر ذکر فرماتے ۔

حضرت رئیس التحریر کے حضرت صاحب سجادہ مفتی شاہ محمد عبید الرحمٰن رشیدی دام ظلہ سے گہرے مراسم اور مخلصانہ تعلقات تھے جن کا علم مجھے دہلی آنے کے بعد ہوا۔آپ برابر ناچیز سے حضرت کی خبر وخیریت دریافت فرماتے اور سلام ودعا پیش کرنے کے لئے کہتے۔جب میرا گھر یا خانقاہ جانا ہوتا اور آپ کو اطلاع ہوتی تو میری معرفت اپنی کتابیں حضرت کی خدمت میں بھجواتے۔جب حضرت دہلی تشریف لاتے تو ملاقات کے لئے آتے اور

اپنی کوئی نئی کتاب پیش کرتے۔ جب حضرت صاحب سجادہ ۲۰۱۳ء میں دہلی تشریف لائے اور ان کا قیام بستی نظام الدین میں امام گیسٹ ہاؤس میں تھا تو آپ ملنے کے لئے وہاں پہنچے اور ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' خدمت میں پیش کی جس کا آپ نے ترجمہ کیا تھا۔ حضرت نے آپ کے اس کاوش کی کافی پذیرائی اور تعریف وتحسین کی تھی۔ آپ کے ہمراہ مولانا منظر محسن نعیمی پورنوی بھی تھے۔

جب دہلی میں فروری ۲۰۱۳ء میں حضرت صاحب سجادہ دام ظلہ کے حکم سے شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن کا قیام عمل میں آیا اور علمی وتحقیقی کاموں کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت رئیس التحریر کافی خوش ہوئے اور فرمایا کہ سلسلہ اور مشائخ سلسلہ کا اصل تعارف علمی اور اشاعتی کاموں سے ہی ہوتا ہے۔ خانقاہ رشیدیہ میں قلمی نوادرات بہت ہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنی حیات میں اس سلسلے کو جاری فرما کر بڑا اہم اور زبردست تاریخی کام کیا ہے۔ کیا کیجیے گا وہ خانقاہ میں چلے گئے اور وہاں کی ذمے داری قبول کر لی۔ ورنہ وہ درس گاہی دنیا میں ہوتے تو آج درس گاہ کی رونق کچھ اور ہی ہوتی۔ ان کی سجادگی سے علمی و درس گاہی دنیا کو بڑا نقصان پہنچا ہے۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ حضرت جیسی ذی علم اور صاحب استعداد شخصیت کی سرپرستی حاصل ہے۔ تیزی کے ساتھ کام کرتے جائیے۔ حضرت کی سرپرستی اور موجودگی میں جو کام ہوگا، آنے والے وقت میں اس کی ایک اہمیت ہوگی۔

حضرت رئیس التحریر کئی بار آسی فاؤنڈیشن کے آفس میں بھی تشریف لائے ہیں۔ جب حضرت صاحب سجادہ ۲۰۱۵ء میں آسی فاؤنڈیشن کے آفس غفور نگر جامعہ نگر میں (جو کرایے کے مکان میں تھا) تشریف لائے تو اس موقع پر آپ ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ ناچیز ہی آپ کو لانے کے لئے دار القلم گیا تھا۔ جب اکتوبر ۲۰۱۷ء میں آسی فاؤنڈیشن کے اپنے آفس (جوگا بائی ایکسٹینشن جامعہ نگر) میں حضرت تشریف لائے تو آپ ملنے کے لئے تشریف لائے اور گھنٹوں دونوں کے درمیان باتیں ہوئیں۔ ناچیز بھی مجلس میں موجود تھا۔ فاؤنڈیشن کے اپنے آفس کو دیکھ کر آپ نے کافی خوشی ظاہر کی اور فرمایا کہ یہ فاؤنڈیشن کی ایک بڑی حصول یابی ہے۔ جب مارچ ۲۰۱۹ء میں حضرت صاحب سجادہ دوبارہ فاؤنڈیشن تشریف لائے تو اس موقع پر بھی آپ تشریف لائے اور کافی دیر تک آپ دونوں حضرات کے درمیان اشرفیہ کے گذشتہ وموجودہ حالات، مذہبی وملی مسائل اور جماعتی صورت حال وغیرہ پر گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔

حضرت رئیس التحریر کو حضرت صاحب سجادہ کے بارے میں خاصی معلومات تھیں۔ ان کے دورِ طالب علمی کے واقعات بھی ان کو مستحضر تھے۔ ایک مرتبہ راقم سے فرمایا کہ ایک بات میں آپ کو بتا رہا ہوں، شاید معلوم نہیں ہوگی، وہ یہ کہ مفتی صاحب دورِ طالب علمی میں اپنی ذہانت اور صلاحیت میں طلبہ میں ممتاز تھے۔ حافظ ملت اور حضرت حافظ جی یعنی مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی کے بڑے چہیتے تھے۔ انھوں نے علم نحو کے ایک مسئلے پر امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی سے سوال کیا تھا جس کا جواب انھوں نے مکتوب لکھ کر دیا تھا۔ اِس واقعہ کا اُس وقت بڑا چرچا تھا۔ آپ حضرت پر بھی کام کرنے کا ذہن بنائیے اور ان کی حیات ہی میں تھوڑا تھوڑا لکھ کر جمع کرتے رہیے اور موقع بموقع حضرت کو دِکھاتے بھی رہیے۔ ان پر ان کی نظر پڑ جائے گی تو بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کی: اگر حضرت کو معلوم ہو جائے کہ میں ان پر کام کر رہا ہوں تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔ اسی لئے میں حضرت کو بتائے بغیر ہی خاموشی کے ساتھ کچھ کرتا جا رہا ہوں۔ دعا فرمائیں کہ بحسن وخوبی اختتام کو پہنچ جائے۔ فرمایا: ان شاء اللہ ہوگا اور کبھی کبھی دورانِ گفتگو جو باتیں میں بیان کرتا ہوں، ان کو بھی لکھ لیا کریں، اس لئے کہ یہ سب باتیں حضرت آپ کو خود سے بتائیں گے نہیں۔ میں ان کا مزاج جانتا ہوں۔ بس دیگر کاموں کے ساتھ ساتھ اس کام کو بھی کرتے رہیے، اس لئے کہ مجھے نہیں لگتا کہ حضرت پر آپ کے علاوہ ڈھنگ سے کوئی کام کر پائے گا۔ میں نے عرض کی کہ دعا فرمائیں کہ کچھ ہو جائے۔ فرمایا: ان شاء اللہ ہوگا۔

حضرت صاحب سجادہ بھی آپ سے بڑی محبت فرماتے۔ ناچیز سے برابر آپ کی صحت وطبیعت کے بارے میں پوچھتے، خیر وخیریت معلوم کرتے، علمی وقلمی مصروفیات کو سن کر کافی خوش ہوتے اور تحسین فرماتے اور سلام بھجواتے۔ جب آپ کا انتقال ہوا، حضرت کو اس کی اطلاع دی تو کافی افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا کہ بڑے کام کے آدمی تھے۔ سنجیدہ ذہن اور معتدل فکر رکھتے تھے۔ تاریخی حقائق و واقعات پر ان کی خاص نظر تھی۔ علمی وفکری اعتبار سے انھوں نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ میرے زمانے میں اشرفیہ میں وہ بھی تھے۔ وہ تھے تو مجھ سے جونیئر، لیکن کافی بے تکلف تھے۔ ان سے جب بھی ملاقات ہوتی، مصباحی اور ایک ہی ادارہ میں تعلیم پانے کی وجہ سے دونوں میں بے تکلفانہ باتیں ہوتی تھیں۔ آدمی مخلص تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی

مغفرت فرمائے۔ان کے بچوں کو میری طرف سے تعزیت پیش کر دیجیے گا۔اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

راقم سطور کو حضرت رئیس التحریر کے ساتھ ایک سفر کا موقع ملا ہے جو بڑا دلچسپ تھا۔ ۲۰۱۳ء میں خانقاہ قادریہ بدایوں شریف میں دوسو سالہ جشن شمس مارہرہ کا انعقاد ہوا تھا جس میں حضرت شہید بغداد علامہ اسید الحق قادری بدایونی علیہ الرحمہ کی دعوت اور حضرت صاحب سجادہ کی اجازت پر راقم بھی حاضرا ہوا تھا۔ دہلی سے حضرت رئیس التحریر، حضرت مفتی مطیع الرحمٰن رضوی، محترم مولانا غلام حسن مصباحی اور راقم بذریعۂ کار بدایوں شریف پہنچے۔ مفتی مطیع الرحمٰن صاحب سے سرسری ملاقتیں تو بار ہا رہتی تھیں لیکن یہ پہلی باضابطہ ملاقات تھی اور ایک ساتھ سفر کا موقع ملا تھا۔حضرت رئیس التحریر نے ان سے میرا تعارف کراتے ہوئے اخیر میں فرمایا کہ یہ حضرت مفتی عبید الرحمٰن رشیدی صاحب کے مرید ہیں۔ یہ سن کر مفتی صاحب نے فرمایا کہ اچھا! ماشاء اللہ۔ اچھی بات ہے بھئی اور پھر وہ حضرت سے اپنے تعلقات اور ملاقات وغیرہ کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔اتنے میں مولانا غلام حسن صاحب نے کہا کہ حضرت! آگے ایک اچھا ریسٹورینٹ آنے والا ہے۔اگر کہیں تو وہاں اُتر کر کچھ ناشتہ کر لیا جائے اور چائے پی لی جائے؟ حضرت رئیس التحریر نے فرمایا ہے کہ ٹھیک ہے۔ ریسٹورینٹ میں مفتی صاحب میری طرف مخاطب ہوئے اور کہنے لگے ’’مولانا! آپ کے پیر صاحب سے دین کو بڑا نقصان پہنچا ہے‘‘ یہ سن کر میں حیرت وتعجب میں پڑ گیا اور سوالیہ انداز میں کبھی ان کی طرف اور کبھی حضرت رئیس التحریر کی طرف دیکھنے لگا۔حضرت رئیس التحریر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے میں نے کہا کہ حضرت بھی ایک مرتبہ اپنی مجلس میں یہی فرما رہے تھے۔ یہ سن کر حضرت رئیس التحریر مسکرانے لگے۔اس کے بعد مفتی صاحب کہنے لگے کہ انھوں نے سجادگی اختیار کر کے فقہ وافتا اور درس وتدریس کی دنیا میں ایک بڑا خلا پیدا کر دیا ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔فقہ وفتاویٰ میں ان کی مہارت وبصیرت اور دقیق النظری کا کوئی جواب نہیں، درسیات کے بڑے ماہر اور نہایت قابل استاذ لیکن ان ساری چیزوں کو چھوڑ کر انھوں نے خانقاہی ذمے داری قبول کر لی۔اس سے فقہ وفتاویٰ اور تعلیم وتدریس کے شعبے کو کافی نقصان پہنچا ہے۔اگر وہ اس میں رہتے تو آج اس کی رونق کچھ اور ہی ہوتی۔

ہم لوگ پہلے مارہرہ شریف پہنچے لیکن یہاں نہ کسی سے ملاقات کا موقع ملا اور نہ ہی کہیں ٹھہرنے کا۔ آستانہ سے باہر ہی گاڑی کھڑی کر دی گئی اور ہم لوگ سیدھے مزار شریف پر پہنچے اور فاتحہ خوانی کر کے فوراً بدایوں شریف کے لئے روانہ ہو گئے۔ دورانِ سفر حضرت رئیس التحریر سے لطائف وظرائف کی بہت سی باتیں بھی سنیں اور اندازہ ہوا کہ آپ عظیم عالم ومفکر ہونے کے ساتھ زندہ دل اور خوش مزج انسان بھی تھے اور ظرافت بھی خوب تھی۔

آسی فاؤنڈیشن دہلی سے بھی آپ کا خاص تعلق تھا۔ میں جب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، آسی فاؤنڈیشن کی سرگرمیوں کے بارے میں پوچھتے، اس کی کارکردگیوں کو سراہتے اور مفید مشوروں سے نوازتے تھے اور میں بھی فاؤنڈیشن کی ہر نئی کتاب آپ کی خدمت میں پیش کرتا۔ جب بھی فاؤنڈیشن کی کوئی نئی کتاب چھپتی تو حضرت صاحب سجادہ کی طرف سے خاص تاکید ہوتی کہ انھیں نسخہ ضرور پیش کر دیجیے گا، ان کی رائے بھی لیجیے گا، اس لئے کہ وہ اسی میدان کے آدمی ہیں اور انھیں اس کا خاصا تجربہ ہے اور کافی مہارت بھی۔

حضرت رئیس التحریر خانقاہ رشیدیہ کے کتب خانے اور مشائخ رشیدیہ کے علمی وقلمی نوادرات سے بھی واقف تھے۔گاہے بگاہے ان کی اہمیت پر گفتگو فرماتے۔ایک بار فرمایا کہ حضرت کی موجودگی میں جتنا زیادہ ہو سکے، ان پر کام کر لیجیے، اس لئے کہ خود مختلف علوم وفنون پر ان کی گہری نظر ہے اور وہ بڑا علمی وتحقیقی ذوق رکھتے ہیں، انھیں اِن کاموں کی جتنی قدر ہے، شاید ہی کسی اور کو اتنی ہو اور ان کے بعد ان کے جیسا صاحب علم وفن خانقاہ میں آئے، اس لئے ان کی حیات اور ذات کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنی فکر وتوجہ کو کاموں کی طرف ہی مرکوز رکھیے۔

آپ بڑے شفیق اور اصاغر نواز تھے۔کام کرنے والوں کی قدر کرتے تھے۔آپ کی غایت شفقت نے راقم کو شوخ اور بے تکلف بنا دیا تھا۔راقم نے ایک دن شام کو فون کیا کہ حضرت! بوستانِ آسی کی دوسری جلد منظر عام پر آ رہی ہے، اس کے لئے آپ کا تاثر مطلوب ہے۔آپ نے فرمایا کہ فرصت نہیں۔اس کے بعد میں صبح کو دار القلم پہنچ گیا۔آپ مطالعے میں مصروف تھے۔فرمایا کہ کیا بات ہے؟ عرض کی: حضرت بوستان آسی میں تاثرات وپیغامات کا بھی ایک باب ہے۔آپ سے تو حضرت آسی پر باضابطہ مضمون کی خواہش تھی، سوچا کہ آپ کی مصروفیت کافی ہے تو کم از کم آپ کا کوئی تاثر یا پیغام ہی مل جائے۔فرمایا کہ میں نے تو کہا تھا آپ سے کہ فرصت نہیں۔میں نے مسکراتے ہوئے عرض کی کہ حضرت! یہ تو میرا

حق ہے۔آپ مجھے کیسے محروم کر سکتے ہیں ۔ یہ سن کر آپ مسکرانے لگے اور فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ میں کل بمبئی کے لئے نکلوں گا۔آپ کل صبح دار القلم آجایئے۔میں وقت پر حاضر ہوا تو آپ نے تاثر عنایت فرمایا جو ''بوستان آسی: مشائخ رشیدیہ پر منصوبہ بند کام کا نقش اولیں'' کے عنوان سے بوستان آسی جلد دوم میں شامل ہے جو ۲۰۱۵ء میں آسی فاؤنڈیشن دہلی سے شائع ہو چکی ہے۔

ایک دن ریختہ کی لائبریری میں ایک کتاب میں حضرت آسی غازی پوری پر آپ کا مضمون نظر سے گزرا۔شام کو آپ کی خدمت میں پہنچا۔میں نے پوچھا: حضرت! آپ نے حضرت آسی پر کبھی کوئی مقالہ لکھا ہے یا نہیں؟ فرمایا نہیں۔ایسا کوئی موقع نہیں ملا ہے۔میں نے عرض کی: لیکن آپ کی ایک تحریر حضرت آسی کے حوالے سے میری نظر سے گزری۔آپ نے فرمایا: مجھے تو یاد نہیں آتا کہ میں نے حضرت آسی غازی پوری پر کچھ لکھا ہے۔میں نے کہا کہ ''سرزمین ہند کے دو عشاقِ رسول: حضرت آسیؔ غازی پوری و حضرت رضاؔ بریلوی'' کے نام سے ایک رسالہ ہے جس میں ''حضرت آسی کا آئینۂ معرفت'' کے عنوان سے آپ کی تحریر بطور مقدمہ شامل ہے۔یہ سن کر آپ تعجب خیز انداز میں کہنے لگے کہ آپ کے پاس ہے؟ میں نے عرض کیا: جی۔آپ نے فرمایا: لے کر آیئے گا۔میں دیکھوں گا کہ کیا لکھا ہے۔میں دوسرے دن مقالے کی پرنٹ لے کر حاضر ہوا۔دیکھ کر فرمایا کہ مجھے تو اس کا دھیان ہی نہیں تھا۔اب مجھے یاد آرہا ہے کہ ایک مرتبہ ایک مولانا نے مجھ سے اچانک تقاضا کر لیا کہ حضرت آسی پر کچھ لکھ کر عنایت فرمائیں۔میں نے کہا کہ حضرت آسی پر جلد بازی میں کچھ نہیں لکھا جا سکتا۔ان کے دیوان کا بغور مطالعہ کیے بغیر لکھنا بہت مشکل کام ہے اور ان پر لکھنے کے لئے وقت درکار ہے جو ابھی میسر نہیں لیکن وہ بہت مصر ہو گئے کہ تاثراتی انداز ہی کی کوئی تحریر عنایت فرما دیں تو اُس وقت میرے ذہن میں جو آیا تھا، لکھ کر ان کے حوالے کر دیا تھا۔میں نے کہا: حضرت! اگر اجازت ہو تو اس مضمون کو بوستان آسی جلد سوم میں شامل کر دیا جائے؟ فرمایا کہ ایک بار اسے دیکھ لیتا ہوں۔کہیں کوئی ترمیم و تبدیل کی ضرورت محسوس ہوگی تو کر دوں گا، اس کے بعد ہی شامل کیجیے بہتر ہوگا۔میں نے کہا: جی بہتر ہے۔چناں چہ آپ کے ملاحظے کے بعد راقم نے اس مضمون کو بوستان آسی جلد سوم میں عرفان و تصوف کے باب میں شامل کر دیا جو ۲۰۲۲ء میں شائع ہو چکی ہے۔

اسی طرح راقم سطور جن دنوں قدیم فارسی مخطوطہ ''وسیلۃ النجاۃ'' کے ترجمہ و تحقیق کا کام کر رہا تھا، انھی ایام میں ایک دن آپ کی خدمت میں جانا ہوا۔آپ نے فرمایا کہ آج کل آپ کی مصروفیت کیا ہے؟ عرض کی کہ وسیلۃ النجاۃ کے ترجمے وغیرہ کا کام چل رہا ہے۔فرمایا کہ یہ کن کی تالیف ہے؟ عرض کی کہ شیخ احسن اللہ علوی جون پوری اس کے مرتب ہیں جو خانقاہ رشیدیہ کے تیسرے سجادہ نشیں حضرت قمر الحق شیخ غلام رشید عثمانی جون پوری کے مرید و فیض یافتہ تھے اور یہ کتاب مشائخ طریقت کے احوال و افکار پر ہے۔فرمایا کہ اہم کام ہے۔آپ نے اچھا شغل اختیار کیا ہے اور یہی آپ کو زندہ رکھے گا۔کئی دن بعد جب دوبارہ خدمت میں حاضر ہوا تو وسیلۃ النجاۃ کا قلمی نسخہ بھی ساتھ لیتا گیا۔فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کی کہ حضرت اسی کا ترجمہ چل رہا ہے۔آپ نے اسے ہاتھ میں لے کر ورق گردانی شروع کر دی اور فرمایا کہ آپ کو مخطوطہ پڑھنے کی بھی صلاحیت آ گئی ہے؟ میں نے عرض کی: مخطوطہ پڑھنے کی صلاحیت کیا ہوتی ہے، مجھے نہیں معلوم۔بس پیر و مرشد کا حکم ہوا کہ یہ کام کرنا ہے تو میں نے شروع کر دیا ہے۔میں نے یہ نہیں دیکھا کہ اس کام کی اہلیت میرے اندر ہے یا نہیں، بس ارشادِ شیخ کی تعمیل کرتے ہوئے آغاز کر دیا ہے اور علمیت اور صلاحیت کیا ہوتی ہے مجھے نہیں معلوم۔یہ سن کر آپ تبسم ریز ہوئے۔

آپ ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے۔اگر کبھی حاضر خدمت ہوتا اور اس وقت اپنے تحقیقی کاموں یا مطالعے میں مصروف ہوتے تو انھیں موقوف کر دیتے اور متوجہ ہو کر خبر و خیریت دریافت فرماتے اور آنے کی وجہ پوچھتے۔اگر کوئی کام ہوتا تو عرض کر دیتا اور مشورہ لے لیتا، ورنہ کہتا کہ بس ملاقات کے لئے حاضر ہوا ہوں تو آپ نصیحت آموز باتیں بیان کرنا شروع کر دیتے اور اپنے تجربات و مشاہدات سے روشناس کراتے جو علمی و فکری اعتبار سے نہایت اہم ہوتے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت رئیس التحریر سے ۲۰۱۰ء میں ملاقات کا جو سلسلہ شروع ہوا، وہ آپ کی حیات تک جاری رہا۔اس طویل مدت میں ناچیز کی آپ سے کافی ملاقاتیں رہیں اور استفادے کا خوب موقع ملا۔آپ کے وصال کے بعد اب صرف آپ کی یادیں اور نصیحت آموز باتیں ہی ہمت و حوصلہ کو قوت و توانائی فراہم کرنے کا کام کریں گی۔اللہ تعالیٰ آپ کے درجات و مراتب کو بڑھائے۔آمین۔

ابرار رضا مصباحی، ڈائریکٹر: شاہ عبد العلیم آسی فاؤنڈیشن، نئی دہلی۔ ۳۱/مئی ۲۰۲۳ء بروز بدھ

علامہ یٰسین اختر مصباحی ہر مکتب فکر کے لئے ایک آئیڈیل تھے

جامعہ اشرفیہ کے جن فرزندان کا شمار نہ صرف چوٹی کے علما و مفکرین میں ہوتا ہے بلکہ عالمی سطح پر وہ اپنی ایک نمایاں شناخت رکھتے ہیں اُن نابغۂ روزگار افراد میں سے ایک تھے حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی۔ آپ کی تحریریں ملکی، ملی، سیاسی، تاریخی اور مذہبی ہر سطح پر پذیرائی کی نگاہ سے دیکھی اور پڑھی جاتی تھیں۔ آپ کی ادارتی تحاریر کا مجموعہ ''نقوش فکر'' آپ کی صحافتی خدمات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے جس میں متنوع موضوعات پر تحریریں موجود ہیں اور آپ کی علمی و تحقیقی اور دینی و دنیوی حسن افکار کا عطر بیز گلدستہ ہے۔

جہاں تک ہم نے آپ کے اوراق حیات کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا اُس سے پتا چلتا ہے کہ آپ زمانۂ طالب علمی سے ہی ایک متحرک و فعال شخصیت کے مالک تھے اور تحریر میں کافی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ آپ کی زندگی سے متعلق چند باتیں ہم سب کے لئے انتہائی اہم اور نصیحت آمیز ہیں اور جنھیں ہم سب کو اپنی اپنی زندگی میں رچانے بسانے کی ضرورت ہے، مثلاً:

۱- آپ کی شخصیت ہمیشہ ایک مست قلندر اور بے ضرر انسان کی رہی۔ حالاں کہ آپ کے احباب واصدقا میں پروفیسر اختر الواسع، پروفیسر سید محمد امین میاں صاحب، سعید نوری صاحب وغیرہ جیسی اہم اور مرکزی شخصیات رہیں مگر آپ نے کبھی بھی اپنی خودداری اور بے لوثی کا سودا نہیں کیا بلکہ جو کچھ کیا وہ بالکل بے نفسی کے ساتھ کیا اور دین وسنیت کی سربلندی اور ملک وملت کی خیر خواہی کے لئے کیا۔

۲- مصباحی صاحب سے نظریاتی اختلاف تو ممکن ہے لیکن اُن کی ذات کبھی متنازعہ نہیں رہی بلکہ وہ اپنے پرائے سب کے لئے یکساں مفید۔ دہلی میں ہم تقریباً ۱۵-۱۶ برسوں تک رہے اور مختلف سرکردہ علما و فضلا اور دیگر سربراہان سے ملاقاتیں ہوئیں لیکن کبھی کسی سے ہم نے نہیں سنا کہ مصباحی صاحب کی ذات سے اُنھیں کوئی تکلیف پہنچی ہو بلکہ ہم نے اکثر یہی محسوس کیا کہ وہ ہمہ دم دوسروں کو فائدہ نفع پہنچانے کے لئے کوشاں رہتے۔ گویا وہ خیر الناس من ینفع الناس کی راہ پر ہمیشہ گامزن رہے۔

۳- مصباحی صاحب جب تک دہلی میں تھے ہر مکتب فکر کے لئے شمع انجمن بنے رہے۔ دہلی میں عصری درسگاہوں سے منسلک بہت سے افراد باوجود کہ آپ سے مختلف معاملات میں اختلاف رائے رکھتے لیکن علمی و تحقیقی اور ملی وملکی مفاد میں کچھ کرنے سے پہلے آپ سے مشورہ بھی لیتے تھے، اور آپ تھے کہ اِس لگن اور خوش طبعی سے مشورہ دیتے کہ مانو وہ، سامنے والا کا کام نہیں بلکہ آپ کا اپنا کام ہو۔ جہاں تک ہمارا تجربہ کہتا ہے تو وہ یہ کہ آپ کا علمی دروازہ ہر فرد بشر کے لئے کھلا رہتا۔ یہاں تک کہ مسلک و مذہب کی بھی کوئی حد بندی نہیں تھی۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اپنے عقائد ونظریات میں متذبذب تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ عقیدتاً اور مسلکاً انتہائی متصلب تھے اور چوں کہ آپ وارث انبیا بھی تھے اس لئے متخلق بالناس بھی تھے۔

۴- مصباحی صاحب، علامہ محمد احمد مصباحی، علامہ عبدالمبین نعمانی اور مولانا افتخار احمد صاحبان کے باہمی تعلقات بھی مابعد کی نسلوں کے لئے ایک عمدہ مثال ہے۔ مذکورہ چاروں شخصیات نے ایک منظم منصوبے کے تحت ''المجمع الاسلامی'' کا قیام کیا اور کمال اتحاد واتفاق کے ساتھ اُس کی تعمیر وترقی میں قدم سے قدم ملا کر چلتے رہے لیکن مجال ہے کہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر کسی بھی طرح کا کوئی تصادم نظر آیا ہو۔ ایک دوسرے کے ساتھ جس رواداری اور حسن معاملات کا مظاہرہ کیا وہ بمشکل کہیں اور دیکھنے کو ملتی ہے۔ پھر ایک موقع ایسا بھی آیا کہ مصباحی صاحب اور مولانا افتخار احمد صاحب اپنی اپنی مصروفیات کے سبب بظاہر جدا ہو گئے۔ یعنی مصباحی صاحب نے دہلی کو زیب سکونت بخشا اور مولانا افتخار احمد صاحب مدینہ منورہ کے ہو گئے لیکن اِس کے باوجود بہر نوع تعلقات جوں کے توں رہے اور ''المجمع الاسلامی'' آج بھی اپنے مقاصد کی اولین بنیادوں پر قائم ودائم ہے۔

۵- جس دہلی میں مصباحی صاحب وارد ہوئے وہ دہلی آپ جیسے مکتب فکر علما و فضلا کے لئے انتہائی سنگلاخ تھا۔ بلکہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کی طرح بے آب وگیاہ میدان میں قدم رکھنا تھا۔ لیکن چوں کہ آپ ہمت اسمٰعیل اور صبر ہاجرہ کے ساتھ توکل باللہ کے نور سے معمور تھے اس لئے ایسے ماحول میں بھی آپ نے ہمت نہیں ہاری اور جبل ہمالہ کی طرح اپنے مشن کے ساتھ جمے رہے۔ اِدھر اُدھر نظر کرنے کی بجائے آپ نے اپنا

تمام تر فوکس اپنے مقاصد پر مرکوز رکھا پھر ایک دن اُپنے مقاصد کی برآری کے لئے ''حجاز جدید'' کی شکل میں انقلاب آفریں صور پھونک ڈالا۔ کچھ دنوں بعد ''دارالقلم'' کی بنیاد ڈالی اور پھر ماہنامہ ''کنزالایمان'' کا آغاز کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اُفق دہلی پر اپنا انمٹ نقوش چھوڑ گئے۔

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ ''تعارف اہل سنت'' اور ''عرفان مذہب ومسلک'' کے پردے میں جس مجددانہ شان سے مصباحی صاحب نے اپنے افکار ونظریات کا اظہار کیا، اور جس نہج پر اُنھیں اعتدال وتوازن کے ساتھ پیش کیا، ان سے پہلے ہمارے مشاہدات میں نہیں آتے۔

القصہ! مصباحی صاحب ماہ نامہ ''حجاز جدید'' اور ماہنامہ ''کنزالایمان'' کے بعد علمائے ہندوستان کے لئے بالعموم اور علمائے اہل سنت کے لئے بالخصوص ایک منفرد المثال شخصیت اور ایک آئیڈیل کی حیثیت اختیار کر گئے

اور بلاشبہ آپ اس قابل تھے۔ نیز یہ کہ آپ کی جملہ خدمات وکارنامے ناقابل فراموش ہیں جن پر آپ کو ہدیہ تبریک پیش کیے بغیر ہم نہیں رہ سکتے اور اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ آپ کی علمی ودینی خدمات ہم سب کے لئے قیمتی اثاثہ ہیں۔

اللہ سبحانہ، آپ کی مغفرت فرمائے، آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور آپ کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

ڈاکٹر جہاں گیر حسن مصباحی، (ایبک القادری) مدیر ماہ نامہ خضر راہ، الہ آباد

''بربریت'' اور ''تاناشاہی'' کا لفظ استعمال کرنے سے منع کر دیا

صحافی ہونے کی حیثیت سے میں نے کسی مذہبی شخصیت پر بہت کم ہی لکھا ہے، اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ شخصی مضامین قلم کار کی شخصیت کو منقسم کر دیتے ہیں اور قارئین کا طبقہ کم از کم دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، اگر یہ علمی اختلاف ہو تو کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملتا ہے، مگر اس طرح کے اختلافات کا اثر زیادہ تر مضمون نگار کی ذات سے وابستہ ہو کر بازاری زبان میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جو مجھے ذاتی طور پر بالکل بھی پسند نہیں مگر برادِ گرامی وقار جناب محمد ظفرالدین برکاتی مدیر ماہ نامہ کنزالایمان کی درخواست میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے اور وہ بھی حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب کی غیر متنازع پر مضمون تحریر کرنا ہمارے لئے باعث برکت وافتخار ہے۔ اس لئے برکاتی صاحب سے اپنی مصروفیت کے باوجود وقت مقررہ پر اپنا مضمون ارسال کرنے کا وعدہ کر لیا۔

علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب کا پہلا دیدار:

بخوبی یاد ہے کہ پہلی مرتبہ علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب کا دیدار مادر علمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی میں ہوا۔ اُن دنوں میں لکھنو سے حفظ وقرأت کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے الجامعۃ الاشرفیہ میں زیر تعلیم تھا، گرمی کا موسم تھا، استاد گرامی وقار حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب کی گھنٹی نماز ظہر کے فوراً بعد ہوا کرتی تھی، قارئین میں سے جن کا بھی محمد احمد مصباحی صاحب سے تعلیم وتعلم کا واسطہ رہا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ علامہ محمد احمد مصباحی صاحب اپنے وقت کے بہت پابند ہیں مگر جب میں اپنے دیگر ہم سبق ساتھیوں کے ساتھ ان کے کمرے میں پہنچا تو دیکھا کہ کوئی بغور ریڈیو پر خبروں کی سماعت میں مصروف ہے، مجھے لگا کہ شاید استاد گرامی ہی ہوں، مگر جب باہر کی طرف دیکھا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہمارے استاد تو باہر سے حسب عادت مسکراتے ہوئے ہم لوگوں کی جانب ہی آرہے ہیں۔ میں نے دوبارہ کمرے کے اندر کا جائزہ لینے کے لئے اپنی نگاہ دوڑائی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بالکل ہمارے استاد محمد احمد مصباحی صاحب کی ہی طرح شکل وصورت، وضع قطع، سادگی ومتانت کے ساتھ ایک دوسری شخصیت کمرے میں تشریف فرما ہے۔ دریافت کرنے پر کسی ساتھی سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب ہیں جو دہلی کی سرزمین پر علمی اور عملی کاموں میں مصروف ہیں۔

پہلی بار دست بوسی کا شرف:

کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد جب میں نے بھی تعلیم وتعلم کے تعلق سے دہلی کا رخ کیا تو یہاں جدید وقدیم کے سنگم کے طور پر دونوں اقسام کے احباب سے نظریں چار ہوئیں، جن میں سے ایک مولانا عبدالسمیع صاحب بھی تھے۔ عبدالسمیع صاحب کا تعلق ضلع علی گڑھ کے قصبہ اترولی سے ہے۔

وہ اُن دنوں علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب کے عالمی شہرت یافتہ ادارہ دارالقلم، دہلی کے تحت چلنے والے مدرسے میں ناظرہ کے استاد تھے۔ انہی کے توسط سے پہلی مرتبہ علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب کی دست بوسی کا موقع میسر ہوا۔ ملاقات سے قبل ان کی جلالت علمی اور عالمی شہرت کی وجہ سے اپنے آپ میں ہمت محسوس نہیں کر پا رہا تھا، مگر محب گرامی مولانا عبدالسمیع صاحب سے حوصلہ پا کر اُنہی کے پیچھے پیچھے حضرت کے کمرے میں داخل ہو گیا، کمرے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی تو ہر چہار جانب نئی کم پُرانی کتابیں زیادہ اور مختلف اردو اخبارات ورسائل کی کاپیاں بے ترتیب کمرے میں بکھری نظر آئیں، جب کہ خود مصباحی صاحب منہ میں پان لیے اپنی نگاہیں کسی کتاب کی سطور کے درمیان گاڑے نظر آئے۔ کچھ دیر انتظار کے بعد حضرت نے اپنی نگاہیں کتاب سے ہٹا کر مجھ پر ڈالی اور مختصر گفتگو کے بعد حکم دیا کہ آتے رہا کیجئے۔

حضرت سے اکتساب علم:

مجھے جب بھی کبھی موقع ملتا یا دارالقلم میں کبھی کوئی میٹنگ، پروگرام وغیرہ کا انعقاد کیا جاتا تو میری کوشش ہوتی کہ میں ضرور حاضر ہوتا رہوں۔ وجہ صرف یہ تھی کہ حضرت مصباحی صاحب سے نہ صرف ملاقات ہوتی بلکہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ، کسی نہ کسی طرح سے احقر کے علم میں اضافہ ہوا کرتا تھا۔ یہ قبول کرنے میں مجھے کوئی جھجھک نہیں کہ دیگر ساتھیوں کی طرح میں نے بھی پہلی مرتبہ علامہ فضل حق خیر آبادی کا نام اور ملک کی آزادی میں ان کے کارنامے مصباحی صاحب کی تحریر وتقریر سے ہی جانا۔ مصباحی صاحب نے علامہ فضل حق خیر آبادی پر نہ صرف خود کتابیں اور مضامین تحریر کیے، بلکہ اس کیلئے دہلی کی یونیورسٹیوں کے طلبہ واساتذہ، ذرائع ابلاغ سے منسلک تمام احباب کو یکجا کیا اور علامہ فضل حق خیر آبادی کے کارنامے کو لوگوں تک پہنچانے کی نہ صرف ہدایات دی بلکہ لوگوں سے مشورے لے کر اس پر عمل بھی کیا۔ دوران میٹنگ کسی ساتھی نے حقائق سے پرَے جذبات میں کوئی بات کہہ دی تو فوراً سب کے سامنے روک کر اُس کے ساتھ تمام حاضرین وسامعین کی بھی اصلاح فرما دیا کرتے تھے۔

مثال کے طور پر کسی کے ظلم کو بیان کرنے کے لئے ایک لفظ اکثر کہا جاتا ہے کہ ''ظلم وبربریت'' حضرت مصباحی صاحب نے روکتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''بربر ساؤتھ افریقہ میں ایک مظلوم مسلم قبیلہ تھا، جن پر ظالموں نے ہر طرح سے ظلم وستم بھی کیا اور عوام الناس میں ظلم وبربریت کو مشہور کر کے اُنہی مظلوموں کو قیامت تک کے لئے ظالم بھی بنا دیا، اس لئے آپ لوگ اس جملے کا استعمال نہ کیا کریں اور ممکن ہو تو دوسروں کو بھی مطلع کریں۔''

اسی طرح ایک دوسرا لفظ 'تاناشاہی'' کا استعمال بھی منفی انداز میں کیا جاتا ہے، جس کے بارے میں حضرت نے فرمایا تھا کہ ''تاناشاہ کا پورا نام ابوالحسن تاناشاہ تھا، دکن میں اس کا دورِ حکومت ۱۶۷۲ء۔۱۶۸۶ء کے درمیان تھا، یہ قطب شاہی دور کا آخری شیعہ بادشاہ تھا۔ جب اورنگ زیب نے اپنی حکومت کو دکن میں توسیع دینے کے مقصد سے دکن کا رُخ کیا تو اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت قطب شاہی دور کے آخری چشم وچراغ ابوالحسن میں نہیں تھی اس لئے اس نے اپنے قلعہ میں رہ کر عظیم مغل شہنشاہ کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ادھر اورنگ زیب نے بھی فیصلہ کُن جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہوئے ابوالحسن کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ جنگ کے دوران نماز کا وقت آیا تو مغلیہ فوج نے قلعہ کے سامنے ہی صف بندی کر کے نماز شروع کر دی، دوران نماز قطب شاہی سپاہیوں نے امام کو ہدف بنا کر قتل کر دیا، فوراً ہی دوسرے امام نے مصلیٰ سنبھالا، اس کے ساتھ بھی یہی واقع پیش آیا۔ اب جس تیسرے شخص نے مصلے پر جا کر باقی نمازوں کی امامت کے فرائض انجام دینا شروع کیا تو قلعہ کی فصیل سے حیران وپریشان ہو کر ابوالحسن تاناشاہ نے خود ہی آواز لگائی کہ ''تاناشاہی نہیں چلے گی۔'' لوگوں نے مصلے کی طرف نگاہ ڈالی تو زمانے نے دیکھا کہ وہ تیسرا شخص خود عظیم مغلیہ سلطنت کا شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر تھا۔ مصباحی صاحب سے ہی پہلی مرتبہ مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ مشہور صحابی رسول مقبول ﷺ حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ کا مزار مقدس ہندوستان کی ریاست کیرالہ کے ایک شہر کاسرکوڈ میں موجود ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ آپ اپنے نام کے ساتھ ''مصباحی'' کیوں نہیں لگاتے؟ میں ادباً خاموش رہا اور دل میں سوچتا رہا کہ میرے والدین نے پہلے ہی اتنا لمبا نام رکھ دیا ہے کہ اب نام کے آگے اور پیچھے کچھ بھی لگانے کی گنجائش نہیں ہے، اسی اثنا حکم ہوا کہ اپنے نام کے ساتھ ''مصباحی'' ضرور لگایا کریں۔ اب سوچتا ہوں کہ حضرت کے حکم کی تعمیل کرنی چاہئے۔

حضرت کی شہرت ومقبولیت: میں اپنی آفس، دہلی سے ورکشاپ وسیمینار اور دیگر کاموں کے سلسلے میں ملک کے سرحدی ضلع پونچھ (یہی وہ شہر

ہے جس کو ہندو پاک کی تقسیم کا درد سب سے زیادہ جھیلنا پڑا ہے، اس شہر کے دو ٹکڑے کر دیے گئے تھے، ایک ٹکڑا پاکستان کا حصہ ہے تو دوسرا ہندوستان کا، ایک بھائی ادھر ہے تو دوسرا بھائی اُدھر، بیٹا یہاں ہے تو باپ وہاں) کی تحصیل مینڈھر میں تھا، کہ اچانک شام کے وقت پورے شہر میں ہنگامہ برپا ہو گیا کہ دہلی کے ایک بڑے مولانا صاحب کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ یہ وہ علاقہ ہے جو جموں شہر سے تقریباً دو سو کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، یہاں کے دیہاتوں میں آج بھی بجلی، سڑک، پانی اور آمد ورفت کی پریشانیوں کے علاوہ موبائل کا نیٹ ورک بھی کام نہیں کرتا ہے، یہاں کے دیہاتوں میں لوگوں نے جہاں نیٹ ورک آتا ہے وہاں پتھر رکھ کر نشان بنا رکھا ہے تا کہ جس کسی کو بھی فون کرنا ہو، وہ اسی پتھر پر چڑھ کر اپنا فون استعمال کرے۔ بہر کیف! اتنی پریشانیوں کے باوجود یہ خبر جنگل میں لگی آگ کی طرح پھیل گئی، جب میں نے اپنے ذرائع کا استعمال کیا تو معلوم ہوا کہ مصباحی صاحب کو خفیہ ایجنسی کے لوگ لے گئے ہیں، جس کی وجہ سے پورے ملک میں بالعموم اور دہلی شہر میں بالخصوص تناؤ کی حالت بنی ہوئی ہے، اس میں بغیر مذہب وملت، فرقہ وجماعت تمام لوگوں میں خفیہ ایجنسی کے خلاف غم وغصہ ہے۔

تقریباً ایک ہفتہ کے بعد جب میں اپنے کام سے فارغ ہو کر دہلی واپس آیا تو مصباحی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کے حال احوال جاننا چاہا۔ حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ''جب لوگوں کا دباؤ زیادہ بڑھ گیا اور جانچ میں ان کے ہاتھ کچھ بھی نہ لگا تو خفیہ ایجنسی کے لوگ مجھ سے کہنے لگے کہ آپ انتخاب کیوں نہیں لڑ لیتے، اتنے مشہور اور عوام میں مقبول ہیں تو آسانی سے الیکشن جیت کر منسٹر بھی بن جائیں گے۔''

علامہ کی عاجزی وانکساری:

مجھے جب بھی کبھی اپنی آفس سے موقع ملتا، میں دارالقلم کی قادری مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کرنے حاضر ہوتا۔ اکثر دیکھا کرتا تھا کہ حضرت اپنے حجرہ کے دروازے کے قریب ہی عام لوگوں کے درمیان نمازِ جمعہ ادا کرتے، عام سے سادہ لباس میں ملبوس ہو کر عوام کے درمیان ایسے گھل مل جاتے کہ ہر کس وناکس کو پہچاننا مشکل ہو جاتا کہ ہمارے برابر میں دارالقلم کے بانی، کئی کتابوں کے مصنف، بہترین صحافی، جید عالم دین، ماہر استاد اور رئیس التحریر تشریف فرما ہیں۔

محمد انیس الرحمٰن خان مصباحی، سابق مدیر دیہی آواز وایڈیٹر چرخہ فیچرس، نئی دہلی

اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

اِس خبر کو پڑھ کر طبیعت غیر ہو چکی ہے۔ رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی کی رحلت جماعت اہلسنت کے لئے بہت بڑے غم واندوہ کی باعث ہے۔ اب ہماری جماعت میں کوئی دوسرا علامہ یٰسین اختر مصباحی نہیں، کوئی دوسرا رئیس التحریر نہیں، ملک وملت کے مسائل پر مفکرانہ انداز میں سوچنے والی ان جیسی شخصیت نہیں۔ آپ کی پوری زندگی، صبر، قناعت اور توکل علی اللہ سے لبریز تھی۔ راقم سطور ان خوش نصیبوں میں سے ہے جنہیں قیام دہلی کے زمانہ میں بہت قریب سے علامہ مرحوم ومغفور کو دیکھنے، سننے اور سمجھنے کا موقع ملا ہے۔ ان کی مخصوص مجلسوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ رات میں رہائش گاہ سے کھانا تناول فرما کر دارالقلم تشریف لے آتے اور پوری رات لکھنے پڑھنے میں گزر جاتی۔ یہی زندگی کا معمول بن چکا تھا۔

۲۰۱۱ء میں ایک تفصیلی مقالہ راقم سطور نے تحریر کیا تھا جس کا عنوان تھا ''دو عظیم المرتبت داعیان اسلام، علامہ عبدالعلیم صدیقی وعلامہ ارشد القادری'' بغرض اصلاح حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے بڑی عمیق نظر ڈال کر اس پورے مقالے کی اصلاح فرمائی اور ضروری حذف واضافہ فرما کر اس کو وقیع تر بنا دیا۔ بارہا وہ اس فقیر کی دعوت پر جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کے مختلف پروگراموں میں تشریف لائے۔ دعاؤں سے نوازا۔ ان کی شخصیت تنہا، انجمن اور فقید المثال تھی۔ وہ چلتی پھرتی عظیم الشان لائبریری تھے۔ جس فن کی کتاب اور جس موضوع پر چاہیے ایک بار کلک کر کے ان کے ذہن سے نکال لیجیے۔ انہیں تحریر وقلم سے ایسی دلچسپی تھی جیسے آج کل لوگوں کو موبائل سے ہو گئی ہے۔ دور اندیشی کی نادر مثال تھے آپ۔ آپ نے شروع میں ریاض، سعودی عرب کے اندر ایک عربی اخبار سے وابستہ ہو کر اپنے صحافتی سفر کا آغاز فرمایا جو بعد میں چل کر ماہنامہ ''حجاز جدید'' اور کنز الایمان پر آ کر ختم ہوا۔ اس عرصہ میں سینکڑوں اہل قلم کی تربیت فرمائی۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

جب تک عبقری شخصیات ہمارے درمیان ہوتی ہیں ہمیں ان کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں ہوتا، جب وہ ہم سے رخصت ہوجاتی ہیں تب ان کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ اب جماعت کو دوسرا رئیس التحریر پیدا کرنے کے لئے بڑی سعی کرنی پڑے گی۔ کاش ہم اپنی موجودہ شخصیات سے استفادہ کے اہل ہوجائیں۔ سفر مارہرہ کے درمیان ہم نے حضرت کی بارگاہ میں تاریخ اسلام جدید کا چار ورقی خطہ (خاکہ) پیش کیا تھا کہ اس نہج پر کام کا ارادہ ہے۔ حضرت نے بہت ہی اطمینان کا اظہار فرمایا اور کہا کہ سب کام چھوڑ کر پہلے اُسے مکمل کیجیے۔ آج اس بات کو سوچ کر بہت دکھ ہورہا ہے۔ حضرت علامہ اس دورِ زوال میں اسلاف کی علمی وراثتوں کے امین تھے۔ ملک و بیرون ملک کے سیاسی، سماجی اور مذہبی حالات پر ان کی نظر بڑی گہری تھی۔ آج ان جیسا کوئی دیدہ ور نظر نہیں آتا۔ اب جماعت کی آخری امیدوں کا مرکز استاذ گرامی، خیر الاذکیاء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ دام ظلہ العالی کی ذات ہے ہر مشکل گھڑی میں جماعت کے لوگ جن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

حاصل یہ کہ نئی دہلی کی سرزمین پر تقریباً پینتیس سے چالیس سالہ قیام سے آپ کے ذریعے ملی و مسلکی نمائندگی ہوتی رہی۔ سنیت کو آپ کی ذات سے تقویت ملی۔ ہر بڑی میٹنگ اور اجلاس میں آپ کی شرکت ضروری سمجھی جاتی تھی۔ آپ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور کے ایک وفادار سپاہی کے طور پر ہر محاذ پر ہراول دستہ بن کر ملت اور مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ دارالقلم اور قادری مسجد، آپ کے خوابوں کی حسین تعبیر ہیں، جہاں آپ نے اپنے ذوق کے مطابق مصر و بیروت اور عرب و عجم سے ہزار نادر کتب کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ تمام اہل خانہ اور متعلقین وابستگان کو شکستہ دل کے ساتھ تعزیتی کلمات پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ حضرت علامہ رحمہ اللہ کے درجات بلند فرمائے۔ سیآت کو حسنات میں بدل دے اور ہم میں ان کے امثال پیدا فرمائے۔

شریک غم: محمد رضا قادری نقشبندی مصباحی

خادم تدریس: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، سابق پرنسپل جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، ذاکر نگر نئی دہلی۔ ۷ مئی ۲۰۲۳ء، شب دوشنبہ

نازش فکر و فن وہ رئیس التحریر

ماضی قریب میں دو ایسی شخصیتیں جنہوں نے اپنی تصنیفی اور فکری کاوشوں سے اہل سنت و جماعت کی بازیابی و استحکام کی راہیں ہموار کیں، ان میں ایک قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری اور دوسرے رئیس التحریر حضرت علامہ یاسین اختر مصباحی ہیں۔ قائد اہل سنت کی ذات و شخصیت اور آپ کے خدمات سے پوری دنیائے سنیت واقف ہے اور آپ کے خدمات سے مستفید بھی ہورہی ہے۔ قائد اہل سنت کے خطوط کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب علامہ یاسین اختر مصباحی فراغت کے بعد عملی میدان میں اترے تو آپ کی سرگرمیوں کو دیکھ کر قائد اہل سنت بہت خوش ہوئے اور کلمات تحسین سے نوازا۔ خاص طور پر جب آپ کے اندر عربی ادب میں مہارت کو دیکھا تو فرماتے ہیں:

”آج کی ڈاک سے آپ کا خط ملا۔ ترجمہ پڑھ کر بے پناہ مسرت ہوئی، اس لئے نہیں کہ آپ نے ایک کام کر دیا بلکہ صرف اس لئے کہ آج زندگی میں پہلی بار اپنی جماعت میں ایک ایسے عربی ادیب کی تحریر نظر سے گزری جس میں ذرا بھی عجمیت نہیں۔ ہماری قدیم عربی کتنی ہی فصیح ہو لیکن اس میں عجمیت کی بو آتی ہے۔ اپنی خوشی کے اظہار کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ مولی آپ کو مزید کرامتوں اور نعمتوں سے نوازے۔“

آگے آپ فرماتے ہیں کہ ”اب امید ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ کا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوجائے گا جسے ہم نے سوتے ہوئے نہیں بلکہ بیداری کی حالت میں دیکھا ہے۔“ (برید مشرق ص ۱۲۷) یہ کلمات فرط وانبساط سے اس قدر لبریز تھے کہ ان میں حافظ ملت اور علامہ ارشد کا وہ خواب بھی واضح ہے جسے علامہ مصباحی نے شرمندۂ تعبیر کیا اور اس کے بعد کثیر طلبہ اس جانب متوجہ ہوئے۔ اسی کی ایک اہم کڑی دہلی کی سرزمیں پر جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی کا قیام ہے۔

ایک اور خط میں قائد اہل سنت فرماتے ہیں کہ ”آپ عربی زبان کے جدید لٹریچر کا مطالعہ جاری رکھیں۔ مجھے امید ہے کہ انگریزی زبان کی تحصیل کے بعد آپ عالمی سطح کی ایک نمایاں شخصیت بن جائیں گے۔“ (برید مشرق ص ۱۵۹) قائد اہل سنت نے علامہ کو چند سالوں کے لئے برطانیہ بلانے کا

ارادہ کیا تھے تاکہ آپ کو انگریزی زبان پر بھی قدرت ہوجائے جس کا ذکر اس خط میں کیا گیا ہے۔ ان چند خطوط کی روشنی میں یہ بات تو واضح ہے کہ علامہ یاسین اختر مصباحی (علیہ الرحمہ) اردو زبان وادب کے ساتھ عربی زبان وادب پر بھی قدرت رکھتے تھے۔ علامہ مصباحی کی فکری اور قلمی خدمات سے تو ہر کوئی ایک واقف ہے لیکن جب قائد اہل سنت کو اُس کے علاوہ آپ کی تنظیمی پیش قدمی کی خبر ملی تو فرط شوق سے کیا فرماتے ہیں ملاحظہ کریں:

''بیرون ملک کے طویل سفر سے واپسی کے بعد مئی وجون کے مشترک شمارے کا اداریہ پڑھا۔ ہر ماہ حجاز کی زمین پر اپنے خون جگر سے نئے نئے گل بوٹے آپ سجاتے ہیں، دیدۂ شوق کی آسودگی کے لئے وہی کیا کم تھے کہ اس بار آپ نے دماغ کی سب سے اونچی سطح پر ایک ایسا گل کھلایا ہے کہ جس کی خوشبو سے جذبہ واحساس ہی نہیں بلکہ کاغذ کا پیراہن تک معطر ہوگیا ہے۔ اپنے بہت سارے ذیلی شعبوں کے ساتھ ''دارالقلم'' کے قیام کا اعلان پڑھ کر میں حیران وششدر رہ گیا۔ آپ کے متعلق میرا سب سے بلند تصور یہ تھا کہ آپ بہت اچھے صاحب قلم، ایک فلک نما مفکر ڈ ایک صاحب طرز ادیب اور جذبات واحساسات کے ایک انقلابی ترجمان ہیں، لیکن تازہ ادارے کے ذریعے پہلی بار اس حیثیت سے آپ کا تعارف ہوا کہ آپ اہل سنت کے فکری اور علمی مستقبل کے بہت بڑے منصوبہ ساز بھی ہیں۔'' آپ آگے فرماتے ہیں کہ ''خدائے قدیر آپ کی انگلیوں کی حفاظت فرمائے جو، اب تک صرف قلم پر تھیں لیکن اب ایک شکستہ حال قوم کی نبض پر ہیں۔'' (برید مشرق ص ۳۶۴)

یہ چنندہ کلمات قائد اہل سنت کے خطوط کے ذریعہ علامہ مصباحی کی ہمہ جہت شخصیت اور آپ کی ذات سے علامہ کو کتنی محبت تھی اس کی عکاسی کر رہے ہیں۔ اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے اکابر کی تصانیف اور نقوش فکر وقلم سے استفادہ کریں اور اس قحط الرجال میں قوم وملت کے اندر فکر وقلم کے شہسوار پیدا کریں جن کے ذریعہ تعلیمات اسلام کی حفاظت اور اصلاح ہوتی رہے۔

ان دونوں حضرات کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ایک اور بات واضح ہوتی ہے کہ ان حضرات نے بے سروسامانی کے عالم میں قوم وملت کا اس قدر کام کیا کہ جس کا تصور اج کے دور میں اہل ثروت اور صاحبان جبہ وقبہ بھی نہیں کر سکتے، کبھی بھی اسباب کے نہ ہونے کا غم نہیں کیا۔ آج کے اس پرفتن دور میں ہمیں اسی فکر کو بیدار کرنا ہے۔ ہم آج اسی فکر سے خالی اور اُسے عملی جامہ پہنانے کی صلاحیت سے قاصر ہیں۔ دہلی کی سرزمین پر قائد اہل سنت کے خدمات اور حکمت وتدبر سے جو زمین زرخیز ہوئی اور جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کی شکل میں بنجر وویران زمین سرسبز وشاداب ہوئی تو اس چمن میں مزید نکھار علامہ یٰسین اختر مصباحی نے پیدا کیا جس کی خوشبو علامہ یاسین اختر صاحب کے ذریعہ دارالقلم کی شکل میں موجود ہے۔

محمود غازی ازہری، ڈائریکٹر: جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء

جنگ سے پہلے نقشہ جنگ تیار کرنے والا نہ رہا

آنکھیں نم ہیں، دل اداس ہے، بہت تکلیف میں ہوں، اُس شخصیت کا جانا واقعی اہل سنت والجماعت کے لئے بڑا خسارا ہے۔ ان کی باتیں ایسی دلچسپ اور تجربات کی بھٹی سے تیار ہوا کرتی تھیں کہ ہر بیٹھک میں کچھ پرانی باتیں حضرت کو میں دہرانے کے لئے کہتا تھا۔ جیسے کہ صوفی کانفرنس ۲۰۱۶ء کے زمانے میں ایک بات وہ کہا کرتے ''طوفان آنے سے پہلے اس سے الرٹ کردینا بصیرت ہے۔ طوفان آنے کے بعد تو نابینا بھی بتادیتا ہے کہ طوفان آچکا ہے'' ہر بیٹھک میں اس جملے کو میں دہرانے کے لئے کہتا تھا اور حضرت ہر بار سنا کر مسکراتے تھے۔

جب کبھی میں مصروفیت کی بنا پر کچھ دن حاضر نہ ہو پاتا تو حضرت کی کرم فرمائی ایسی کہ آپ فون کرتے۔ میں السلام علیکم حضور! کہتا، آپ نہایت ہی پرسکون ہوکر جواب عنایت فرماتے اور پوچھتے کیا مصروفیت ہے؟ میں انکار کرتا تو آپ فرماتے مغرب یا عشا کے بعد دارالقلم آجایئے۔ میں جی حضور کہہ کر حاضر ہوجاتا۔ آپ اکثر ایک بات کی نصیحت کرتے کہ جس کام میں تسلسل ہو اُس کو کوئی کاٹ نہیں سکتا اور مثال میں خود کا تجربہ بیان فرماتے کہ ''میں گاہے بگاہے کئی کتابوں اور مواد کو بار بار سوشل میڈیا کے ذریعے نشر کرتا رہتا ہوں تاکہ مخالفین باتوں کو اچھی طرح سمجھیں اور چین کی سانس نہ لے سکیں۔''

آپ کی خودداری کا عالم یہ تھا کہ کئی بار آپ نے سیاسی بازیگروں کی طرف سے دیے جارہے سیاسی تحائف ومواقع کو اپنی بصیرت سے ٹھکرایا

ہے۔آپ ہمیں ایک دلچسپ واقعہ بتانے لگے کہ''بابری مسجد کی شہادت کے بعد کانگریس کی حالت بہت خستہ ہوئی تو الیکشن سے پہلے ایک بڑے لیڈر (نام نہیں بتایا) میرے پاس آکر کہنے لگے کہ کانگریس چاہتی ہے کہ دیو بندیوں کی جمعیت العلماء کی طرح بریلویوں کی بھی اپنی جمعیت ہونی چاہیے۔آپ اس کی تیاری کریں اور جو بھی اخراجات ہوں گے ہم دیکھ لیں گے۔تو میں نے صیاد کی چال کو بھانپ کرٹالتے ہوئے کہا کہ ہاں ٹھیک ہے لیکن ابھی الیکشن کی ہما ہمی ہے الیکشن کے بعد اس بات پر غور کرتے ہیں۔''چنانچہ الیکشن ختم ہوئے سال بیت گئے لیکن اُن لیڈر کا اتا پتا نہیں لگا۔''پھر مہینوں بعد میرے پاس ایک صحافی (نام نہیں بتایا) ملنے آئے تو میں دال روٹی کھا رہا تھا۔میں نے ان کو مدعو کیا تو انہوں نے کہا کہ جب آپ بڑے بڑے پیکیج کو ایسے ہی ٹھکراتے رہیں گے تو یہی دال روٹی کھانی پڑے گی تو میں نے کہا کہ یہ دال روٹی اپنی ہے اور اس پیکیج سے حاصل شدہ مٹن بھی دوسرے کے اشارے پر کھانا پڑے گا اور یہ مجھ سے نہیں ہو پائے گا۔''

آپ اکثر و بیشتر ایک بات فرمایا کرتے کہ معاشرے میں تبدیلی لانے کے لئے کوئی چار پانچ سال نہیں لگتے بلکہ اگر تسلسل کے ساتھ کام کرتے رہیں تو چالیس پچاس سال لگ جاتے ہیں۔جب آپ نے عرفان مذہب و مسلک لکھا تو بہت اختلاف ہوا لیکن آپ فرمایا کرتے کہ میں اپنے موقف سے ایک انچ بھی نہیں ہلا کیوں کہ''میں نے جنگ سے پہلے نقشہ جنگ تیار کر لیا تھا''اور اس کا میں نے بارہا مشاہدہ کیا ہے۔درجنوں راتیں ہم نے آپ کی مجرب گفتگو سننے اور اُن سے استفادہ کے لئے قربان کی ہیں۔اس محفل میں اکثر و بیشتر (بھائی مولانا اشرف الکوثر مصباحی اور بھائی عبدالباری برکاتی ہوا کرتے) آپ ہر موضوع پر کھل کر گفتگو کیا کرتے تھے۔اگر مجھے کبھی اپنی عمر سے زیادہ اور مجرب گفتگو پر داد مل جائے تو اس کا کریڈٹ حضرت مصباحی صاحب قبلہ کو جائے گا۔

بڑے مشفق،مہربان،کریم اور بااخلاق تھے حضرت مصباحی صاحب کے جب بھی جاکر ہم بیٹھتے اپنے خادم خاص''شریف بھائی''کو بیل بجا کر بلاتے اور کہتے کہ''گن لو کتنے ہیں اور چائے لاؤ''اور یہی مہمان نوازی کا انداز،دیگر مہمانوں کے ساتھ بھی ہوتا جب ان کے جسد خاکی کو ایمبولینس کے ذریعہ دہلی سے ان کے آبائی وطن کی طرف روانہ کیا جانے لگا تھا تو دل ایسے پھٹا کہ بس زبان سے یہی نکل پایا کہ

وہی بزم ہے وہی دھوم ہے،وہی عاشقوں کا ہجوم ہے ہے کمی تو بس میرے یار کی،جو تہہ مزار چلا گیا

منظر امن مصباحی۔ٹی جی ٹی،ڈاریکٹوریٹ آف ایجوکیشن،گورنمنٹ آف دہلی

دہلی کے پانچ مصباحی چشم و چراغ

حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی کے ساتھ ملاقاتوں اور یادوں کا ایسا لامتناہی سلسلہ وابستہ ہے،سابقہ دو دہائیوں سے زیادہ کا جس کو ایک تعزیتی مضمون میں سمیٹنا مشکل ہی نہیں تقریباً،ناممکن ہے۔حضرت مولانا مصباحی صاحب علیہ الرحمہ کی رحلت پر مجھے بے ساختہ یہ شعر یاد آرہا ہے کہ

یہ اور بات کہ اُس پر کوئی چلے نہ چلے لکیر چھوڑنے والا لکیر چھوڑ گیا

حضرت مولانا مصباحی صاحب کی شخصیت میں ایک فکری اور قلمی انفرادیت یہ تھی کہ معمارِ ماضی قریب تھے اور عصر حاضر کے بڑے بڑے علمائے اہل سنت سے لگاؤ اور مراسم کے ساتھ ساتھ نوجوان علماء اور اسکالرس جو مدارس سے نکل کر یونیورسٹیز میں آتے ہیں یا میدان سیاست و تجارت میں ہیں،ان سے بھی خاص لگاؤ تھا۔حضرت مولانا سے غائبانہ تعارف تو ماہنامہ''حجاز جدید''دہلی کے حوالے سے تھا لیکن جامعہ اشرفیہ میں دوران طالب علمی ۹۲ سے ۹۶ کے درمیان جب کبھی عرس یا کسی دیگر موقع پر مولانا اشرفیہ تشریف لاتے تو مجمع الاسلامی کی تین اہم شخصیات حضرت مولانا محمد احمد مصباحی،مولانا عبدالمبین نعمانی اور مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحبان ایک ساتھ نظر آتے اور ان کو طلبائے اشرفیہ از راہ مزاق تین مورتی بھی کہا کرتے مگر یہ لفظ عام نہیں تھا جب کہ مولانا عبدالمبین نعمانی کے ساتھ ترتیب جدید و نظر ثانی کا خاصہ زیادہ عام ہے۔

۹۶۔۹۵ میں دارالعلوم وارثیہ میں بیٹھ کر مولانا مصباحی صاحب،مولانا ادریس بستوی صاحب،مولانا اقبال احمد قادری صاحبان نے ملک گیر مسلم کنونشن کی تشکیل کی اور اس پلیٹ فارم سے ملائم سنگھ یادو کی سماجوادی پارٹی کی حمایت کا اعلان بھی کیا۔اس وقت اتر پردیش میں اسمبلی انتخابات

چل رہے تھے اور میں خود بھی سیاست میں دلچسپی رکھنے کے سبب مئو کی اسمبلی سیٹ پر جہاں بی جے پی سے مختار عباس نقوی، بی ایس پی سے مختار انصاری اور سماجوادی سے وہاں کے سابق ایم ایل اے اور ہمارے قریبی سمجھے جانے والے حاجی مبین احمد صاحب میدان میں تھے۔ مجھے اشرفیہ میں ہی مولانا کی نئی پیش رفت کا علم ہوا، تو میں حاجی مبین صاحب کی کار لے کر مولانا مصباحی صاحب کے وطن عزیز خالص پورا دری حاضر ہوا، جہاں مولانا لکھنؤ سے جلد ہی وارد ہوئے تھے، دو کمروں پر مشتمل چھوٹا سا مکان ایک چھوٹے سے گاؤں میں جہاں شہری ضروریات کی کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی، وہاں ایک تخت پر حضرت مولانا تشریف فرما تھے۔ میں نے لکھنؤ میں مسلم کنونشن کے ذریعہ ان کے حالیہ فیصلے کو سراہتے ہوئے حضرت سے گزارش کی کہ ہم مئو میں حاجی مبین صاحب کی حمایت میں ایک کل مسلکی اجتماعی اجلاس کر رہے ہیں اور اس میں آپ کی شرکت ہو جائے۔ مولانا نے بنا میرا قدر ناپے یا سوچتے ہوئے کہ ایک طالب علم ہوں بنا کسی شرط کے میری درخواست مان لی اور میں طے شدہ پروگرام کے مطابق ان کو مئو کے اس اجتماعی پروگرام میں ساتھ لے کر آیا جس میں مئو کے سبھی مذاہب و مسالک کے نمائندے موجود تھے جنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس اجلاس کی صدارت بھی حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی فرمائیں گے اور ایسا ہی ہوا، وہ اپنی نوعیت کا مئو میں ایک منفرد سیاسی اجلاس تھا۔ سماجوادی کے امیدوار کی حمایت میں جس میں تمام مسالک کے علماء شریک تھے اور حضرت مصباحی صاحب نے اس کی صدارت فرمائی تھی۔

اس کے ٹھیک ۶ ماہ بعد جب ہم نے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں داخلہ لینے کی غرض سے دہلی کا رخ کیا تو میں اور میرے ایک ساتھی مولانا نسیم مصباحی دہلی آئے تو ذاکر نگر میں روڈ پر اچانک سامنے سے مصباحی صاحب نمودار ہوئے۔ ظاہر ہے کہ اجنبی شہر میں کسی شناسا کا اس طرح سے اچانک مل جانا ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا۔ ہم نے بڑھ کر سلام کلام و مصافحہ کیا۔ مولانا نے پر مسرت انداز میں جواب دیا اور حال چال دریافت کیا، سامنے ہی ایک چھوٹا سا چائے خانہ تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ آیئے یہاں بیٹھ کر بات کرتے ہیں اور چائے بھی پیتے ہیں۔

چائے نوشی کے دوران ہی ہمارا مقصد جاننے کے بعد مولانا نے مشورہ دیا کہ جامعہ ملیہ میں اسٹرائک کی وجہ سے ابھی داخلے میں تاخیر ہے لہٰذا آپ دونوں حضرات اُس وقت تک کے لئے جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء میں داخلہ لے لیں، وہاں آپ کچھ عربی اور انگریزی تعلیم بھی حاصل کر لیں گے مزید آپ کے اپنے رہنے سہنے کا ایک ٹھکانہ بھی ہو جائے گا جس کی وجہ سے وقت آنے پر جامعہ ملیہ کا سفر مزید آسان ہو جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ ہم نے مولانا کے مشورے پر عمل کیا اور کچھ ماہ جامعہ نظام الدین اولیاء میں گزارے جہاں حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت سے بھی بو آشنائی ہوئی اور دہلی کے طول و عرض میں ان کے ساتھ کافی جلسے جلوس میں شرکت بھی۔ اس وقت دہلی میں اہل سنت کی معروف شخصیات میں حضرت علامہ ارشد القادری، حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی، حضرت مولانا عبید اللہ خان اعظمی، ڈاکٹر فضل الرحمان شرؔر مصباحی اور ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی پانچوں حضرات مصباحی چشم و چراغ تھے جو اپنے اپنے حلقے میں معروف تھے۔ مصباحی صاحب بھی از راہ فخریہ پانچوں نام لیا کرتے تھے۔ اِن پانچوں حضرات میں آپسی رشتے ہمیشہ ہی بہت اچھے رہے اور وقت ضرورت ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے نظر آتے تھے۔

اس کے بعد مولانا سے گاہے بگاہے ملاقاتیں ہوتی رہتی، کبھی جمعہ کے دن اور کبھی مٹیا محل جامع مسجد میں مولانا کے ماہ نامہ کنز الایمان کے دفتر میں، کبھی رضوی کتاب گھر یا فاروقیہ بک ڈپو وغیرہ میں۔ کچھ وقت کے بعد دار القلم کی زمین پر جو آبادی کے آخر میں جمنا کے کنارے پر واقع تھی، وہاں دو عارضی چھوٹے سے کمرے اور ان کے سامنے اراضی پر قادری مسجد کا قیام عمل میں آچکا تھا وہاں لائٹ اور سپلائی کے پانی کا کوئی خاص انتظام نہ تھا مگر مولانا اُس ایک چھوٹے سے کمرے میں بھی قیام پذیر رہتے، شام کے وقت اپنے ہاتھ سے مچھر مارتے رہتے اور اپنے مشن کی طرف رواں دواں رہتے۔

جب بھی ہفتہ، پندرہ دن یا مہینے دو مہینے میں ملاقات ہوتی، وہ بہت خوش ہوتے۔ پورے حالات خاموشی سے بغور سنتے پھر کوئی مناسب مشورہ بھی دیتے، ساتھ ہی ساتھ گاہے بگاہے وہ اپنی کوئی نئی تحریر اخبار کا تراشا، مضمون یا کتابچہ پڑھنے کو دیتے جس میں حالات حاضرہ یا ہمارے علماء کے حوالے سے مولانا نے کچھ لکھے ہوتے۔

عام طور پر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ادارہ سازی کے لئے بانیٔ ادارہ کا صاحب منصب، پیر، بڑا مقرر، یا با، اثر گھرانے سے ہونا ضروری ہے

، ورنہ ادارہ بنانے کے لئے کوئی چندہ بھی نہیں دے گا، یہی نظریہ بعض حضرات کا دارالقلم اور حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب کے بارے میں بھی تھا مگر فکر وقلم کے اس قلندر کی سادگی، اخلاص وکردار کو دیکھتے ہوئے خانوادۂ مارہرہ شریف کے حضرت سید محمد امین میاں اور حضرت سید اشرف میاں کی نظر مصباحی صاحب کے مشن پر پڑی اور دارالقلم کی تعمیر کا خواب مولانا کا بنادست طالب دراز کیے مکمل ہوا، اس طرح مرکز الثقافۃ السنیہ کالی کٹ کے سربراہ شیخ ابوبکر شافعی صاحب نے اپنے احباب کے تعاون سے قادری مسجد کی تعمیر مکمل کرائی۔

دارالقلم کی تعمیر کے بعد مولانا کا مٹیا محل قیام کرنا ترک ہوگیا اور مولانا مکمل طور پر دارالقلم کے ایک چھوٹے سے کمرے جس میں کتابوں کے سوا کچھ نہیں تھا بلکہ ایک آدمی کے آرام سے سونے کی جگہ بمشکل بچتی تھی۔ فکر وقلم کے اس مجاہد نے آخری سانس تک اس کو اپنا مرکز ومسکن بنایا اور اپنا تعارف دیش اور دنیا میں اپنی فکر، اپنے قلم اور اپنے اعلیٰ کردار کے ذریعہ پیش کیا۔ ان کے کمرے کا منظر دیکھ کر جون ایلیا کا وہ شعر بے ساختہ زبان پر آجاتا ہے کہ

میرے کمرے کو سجانے کی تمنا ہے تمہیں　　میرے کمرے میں کتابوں کے سوا کچھ بھی نہیں

دارالقلم کی تعمیر سے قبل مصباحی صاحب جوذاکرنگر کے کسی ہوٹل پر ہی کھانا کھاتے یا چائے پیتے، ایک بار ہم لوگ اس ہوٹل میں پہنچ گئے۔ مولانا کے سامنے جگہ تھی، کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ مصباحی صاحب کھانے سے فارغ ہوکر خدا حافظ کہہ کر اٹھے اور کاؤنٹر پر ہم دولوگوں کا بھی پیسہ دے کر چلے گئے۔ اس دن کے بعد سے ہم لوگ پہلے دیکھ لیتے کہ اگر ہوٹل میں مصباحی صاحب موجود ہوں تو کسی اور ہوٹل میں چلے جاتے۔ ان سے ملنے جب بھی جاتے مفید مشوروں کے ساتھ کوئی تحریر ساتھ لاتے اور چائے کے وقت میں چائے اور اگر کھانے کا وقت ہے تو مصباحی صاحب کھانے کا بھی اصرار فرماتے۔ میرے ساتھ ان کے حجرے میں کئی اہم لوگ بھی ملنے گئے، بریلی شریف کے حضرت مولانا توقیر رضا خاں مصباحی صاحب سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور وہ جب بھی مصباحی صاحب سے ملاقات کرتے ان کو نذر ضرور پیش کیا کرتے۔ کہتے تھے کہ ہماری جماعت کا عظیم سرمایہ ہیں مصباحی صاحب اور اپنے والد کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے بڑے علماء اور اپنے بزرگوں کو نذر پیش کرنا ضرور سمجھتا ہوں۔

مصباحی صاحب کے ساتھ میں نے کئی سفر کیے، ہم نے لکھنؤ، جودھ پور، مرادآباد، بدایوں، ممبئی، ناندیڑ وغیرہ۔ ٹرین کا سفر مصباحی صاحب کا سب سے پسندیدہ سفر تھا، وہ سکینڈ اے سی میں سفر کرنا زیادہ پسند کرتے، فرماتے کہ AC 2 Tire نیچے سائڈ والی برتھ پھر آرام بھی رہتا ہے، سیٹ اٹھانے اور بچھانے کی دقت بھی نہیں رہتی اور خاص کر لکھنے پڑھنے کا کام سفر میں بھی منقطع نہیں ہوتا بلکہ عام دنوں کی طرح اسی طرح چلتا رہتا ہے جس طرح اپنے حجرے میں۔ اس لئے ممبئی جاتے وقت بھی وہ جہاز کے سفر پر ٹرین کے سفر کو ترجیح دیتے تاکہ ان کا کتاب اور قلم سے رشتہ حالت سفر میں بھی منقطع نہ ہو۔

ہم اہل سنت وجماعت کے اندر جلسے جلوس کے علاوہ سیمینار کی بنیاد ڈالنے والے اور رات کے جلوس پر دن کی کانفرنس کو فوقیت دینے میں بھی مصباحی صاحب کا بنیادی کارنامہ رہا ہے۔ جب علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کے وصال کو ۱۵۰ سال ۲۰۱۱ء میں پورے ہوئے تو مصباحی صاحب نے پورے ملک میں اپنے متحرک علمائے اہل سنت کو مہمیز کیا کہ علامہ کا ڈیڑھ سوسالہ جشن پورے ملک میں منایا جائے۔ اس سلسلے میں خود مصباحی صاحب نے ایک کتاب بھی لکھی اور اس موضوع پر شہید بغداد حضرت شیخ اسید الحق قادری بدایونی نے ''خیرآبادیات'' اور ہمارے دوست امریکہ میں مقیم ڈاکٹر خوشتر نورانی صاحب نے ''فضل حق خیرآبادی'' چند عنوانات لکھے، شیخ صاحب اور خوشتر صاحبان نے بھی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے انصاری آڈیٹوریم میں علامہ پر ایک کامیاب سیمینار کیا جس کی نظامت اس خاکسار نے کی اور پھر میں نے ETV اردو کے اشتراک سے لکھنؤ کے کنونشن سینٹر میں براہ راست نشر کرتے ہوئے ایک سیمینار کیا جس میں علامہ پر تینوں اہم کتابوں کے مصنف حضرت شیخ اسید الحق، حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب اور مولانا خوشتر نورانی صاحب کی خدمت میں ایوارڈ بھی پیش کیے گئے۔

دراصل شیخ صاحب اور نورانی صاحب دونوں حضرات کی ان کتابوں سے مجھے مصباحی صاحب نے ہی آشنا کرایا تھا۔ کہا کہ آپ کے ایوارڈ کے اصل مستحق یہ دونوں حضرات ہیں۔ مولانا مصباحی صاحب کے ذریعہ شروع کی گئی ۲۰۱۱ء والی علامہ فضل حق شناسی تحریک میں مولانا محمد ظفر الدین برکاتی نے بھی خوب کردار پیش کیا، ان کی کوشش کی بدولت تنظیم ابنائے اشرفیہ دہلی کی جانب سے غالب اکیڈمی بستی حضرت نظام الدین میں

شاندار کانفرنس ہوئی جس سے مصباحی صاحب بہت خوش ہوئے۔

ایک مرتبہ بذریعہ کار بدایوں کے سفر کے دوران حضرت مصباحی سے میں نے بریلی اور بدایوں کے اختلافات کی وجوہات جاننا چاہا تو مصباحی صاحب نے فرمایا کہ مجھے اس اختلاف کی نوعیت کا مکمل علم ہے، اس لئے تو میں حضرت مفتی اعظم ہند کا مرید ہونے کے باوجود بدایوں جارہا ہوں۔ مصباحی صاحب اپنے لوگوں کا دفاع بڑی مضبوطی سے کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ مولانا عبید اللہ اعظمی جو کہ ایک تقریر کی خبر اخبار میں شائع ہونے سے کچھ اخباری بیان جاری ہو گئے تو اگلے دن مصباحی صاحب اور ڈاکٹر شرر مصباحی، اعظمی صاحب کی سرکاری رہائش گاہ پر تشریف لائے اور فتاویٰ رضویہ کی روشنی میں ایک جواب تیار کرکے مولانا اعظمی صاحب کا صحیح بیان اخبار کو بھیجا۔ اسی طرح ۲۰۰۷ء میں دہلی کے ایک اردو اخبار نے میرے بارے میں ایک جھوٹی خبر شائع کر دی کہ ملت فروشوں کے وفد میں رامپور کا حفیظ الرحمٰن بھی، دراصل اس سے ایک دن قبل ہی میں ایک ماہ کے تعلیمی دورہ سے ایران سے واپس آیا تھا اور ہندوستان سے ایک وفد اُن دنوں اسرائیل گیا ہوا تھا چونکہ اس وفد میں مولانا جمیل الیاس مرحوم اور ان کے ایک قریبی مولانا حفظ الرحمٰن میرٹھی گئے ہوئے تھے اس لئے اخبار والوں نے میری شہرت کی وجہ سے حفظ الرحمٰن کو حفیظ الرحمٰن سمجھ لیا، خیر مصباحی صاحب کو صداقت کا علم تھا لیکن اخبار میں خبر دیکھتے ہی مصباحی صاحب نے پہلے مجھے فون کیا پھر اس اخبار کے ایڈیٹر کو۔ اگلے دن اس اخبار نے معذرت شائع کی۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مصباحی صاحب اپنے لوگوں کے لئے بے چین بھی ہو جایا کرتے تھے۔ مصباحی صاحب نئے دور میں پرانے زمانے کی ایک یادگار تھے جن کی قناعت پسندی، قلندری، مشن سے محبت اور بے غرض کی داستان اب صرف کتابوں میں پڑھی جا سکتی ہیں۔

آخر میں اس دعا کے ساتھ اختتام کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مصباحی صاحب کے درجات بلند فرمائے، ان کے مشن کو اُن کا نعم البدل عطا فرمائے، ان کی آل اولاد اور احباب کو ان کے مشن کا راہی بنائے۔ آمین

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

ایک ایسا عالم و مفکر جس نے کسی بھی دنیاوی مفاد پر اپنے اصولوں کو قربان نہیں کیا۔ دہلی میں فرزندان اشرفیہ کا آخری سرپرست و مربی۔

ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن، بانی و صدر صوفی پیش فاؤنڈیشن، دہلی، کنوینر، خسرو فاؤنڈیشن، نئی دہلی

علامہ یٰسین اختر مصباحی کی البرکات علی گڑھ سے وابستگی

نازش فکر و فن، آبروئے اہل سنن، رئیس التحریر علامہ یٰس اختر مصباحی نور اللہ مرقدہ (ولادت: ۱۲ فروری ۱۹۵۳ء، وفات: ۷ مئی ۲۰۲۳ء) کی ذات جہان علم و فن میں ایک منفرد مقام رکھتی تھی۔ آپ علم و دانش، فکر و تدبر، قیادت و بصیرت کے جامع تھے۔ آپ کی ذات جماعت اہل سنت کے لئے سرمایہ افتخار تھی۔ آپ کا اس دار فانی سے رخصت ہونا امت مسلمہ کا عظیم خسارہ ہے۔ آپ کے وصال سے جماعت اہل سنت کو جو رنج و غم ہوا ہے وہ ناقابلِ بیان ہے۔ عالمی اور ملکی سطح پر پھیلے ہوئے اپنے علمی، تحقیقی، تصنیفی اور سیاسی کارناموں کی وجہ سے آپ اہل علم کے درمیان بہت یاد کیے جائیں گے۔

راقم الحروف کو علامہ یٰس اختر مصباحی سے تقریباً ڈیڑھ دہائی قبل زیارت و ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ والد محترم (علامہ محمد عبد المبین نعمانی قادری) کے توسط سے فقہی سیمینار و کانفرس اور المجمع الاسلامی مبارک پور کی مختلف نشستوں میں زیارت ہوتی رہی، ان کی خدمت کو اپنی سعادت تصور کرتا رہا، ان کے علمی و فکری لعل و گوہر کو اپنے دامن میں سمیٹتا رہا لیکن آپ کے فیضان علمی سے باضابطہ استفادے کا موقع اُس کا وقت میسر آیا جب میں البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کا طالب علم رہا۔ حضرت موصوف البرکات میں تربیت حاصل کر رہے نو فارغ علماے کرام کی تحریر و قلم کے میدان میں رہنمائی اور تربیت و اصلاح کے لئے تشریف لایا کرتے اور جماعتی سطح پر اسلامی صحافت اور ملی قیادت کے فروغ و استحکام پر مبنی توسیعی خطابات کے لئے اپنی زندگی کے گراں قدر لمحات سے حصہ عطا کرتے یہ وہ ایام تھے جب ان سے براہ راست استفادے کا

موقع میسر آیا۔ان کی نصیحتیں سنیں، ان کے علمی مباحث سے خوشہ چینی کی۔انہی ایام کی جھلکیاں اور چند علمی جواہر پارے افادہ عام کے لئے پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کے تحت چل رہے دو سالہ کورس ''ایڈوانس ڈپلومہ اِن اسلامک اسٹڈیز اینڈ پرسنالٹی ڈیولپمنٹ''(Advance Diploma in Islamic Studies and Personality Development)میں ''تحریر وقلم کی تربیت'' نصاب کا اہم حصہ ہے۔اسی کے تحت جماعت اہل سنت کے نمائندہ قلم کاروں (جس میں خصوصیت کے ساتھ رئیس التحریر علامہ یٰسٓ اختر مصباحی نوراللہ مرقدہ، علامہ محمد عبدالمبین نعمانی اور ڈاکٹر افضل مصباحی وغیرہ کے اسما قابل ذکر ہیں) کے ذریعے تربیت حاصل کر رہے علما کو تحریری تربیت دی جاتی ہے تاکہ یہ حضرات ملک گیر سطح پر تحریر وقلم کے میدان میں جماعت اہل سنت کی نمائندگی کر سکیں۔اسی پروگرام کے تحت علامہ یٰسٓ اختر مصباحی علیہ الرحمۃ کا متعدد بار البرکات تشریف لانا ہوا۔ناچیز کا حضرت کو دارالقلم دہلی سے علی گڑھ بذریعہ کار لانے کا اتفاق بھی ہوا۔آپ چھوٹوں پر بہت شفقت فرماتے اور دارالقلم پہنچنے پر پُرتکلف ضیافت فرما کر اصاغر نوازی کا ثبوت دیتے۔جب گفتگو فرماتے تو تعلیمی اور تحریری سرگرمیوں کے بارے میں پوچھتے اور مزید بہتری کے لئے مفید اور مخلصانہ مشوروں سے نوازتے۔

ایک بار مجھ سے فرمایا کہ ''مقالات لکھنے سے زیادہ کسی موضوع پر مستقل کام کرنے کی طرف توجہ دینی چاہیے۔جب کام کتابی شکل میں آتا ہے تو زیادہ محفوظ ہوجاتا ہے اور یہ کسی کو پیش بھی کیا جاسکتا ہے۔'' یہ مشورہ کتنی دور بینی اور تجربات پر مشتمل تھا کہ مقالات کی شکل میں تحریری کام منتشر رہتا ہے اور عدم دستیابی کی صورت میں اس کی اہمیت کم ہوجاتی ہے۔جب یہ کام کتابی شکل میں منظر عام پر آتا ہے تو اس کام تک اہل علم وتحقیق کی رسائی آسان ہوجاتی ہے۔اس لئے ایسا کام کرنا چاہیے جس کے اثرات اور افادیت دیر پا ہو۔

۱۹، ۲۰ نومبر ۲۰۲۱ء کو آپ البرکات علی گڑھ تشریف لائے اور ۲۰ رنومبر کو سالانہ فاتحہ حضرت احسن العلماء علیہ الرحمہ تھا۔اسی مناسبت سے البرکات میں ایک محفل منعقد ہوئی جس میں رئیس التحریر علامہ یٰسٓ اختر مصباحی صاحب نے ''خصوصیات خاندان برکات'' کے عنوان پر تجربات کی روشنی میں نصیحت آمیز بیان فرمایا۔اکابرین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت احسن العلماء سے لے کر اوپر تک سبھی حضرات عالم تھے،مزید آگے فرماتے ہیں کہ درس وتدریس کے میدان میں ''امجدی دبستانِ علم'' کی ایک مخصوص حیثیت ہے۔بالخصوص شہزادگان خاندان برکات حضور سید العلماء اور حضور احسن العلماء علیہما الرحمہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں حضرات ''امجدی دبستانِ فکر'' کی پیداوار ہیں۔حضور احسن العلماء کی خصوصی تعلیم کے لئے حضرت مولانا غلام جیلانی اعظمی علیہ الرحمہ شاگرد صدر الشریعہ، اتالیق کی حیثیت سے مارہرہ شریف میں تشریف لائے اور یہاں رہ کر خصوصی طور پر ان کو تعلیم دی،تو براہ راست یا بالواسطہ یہ بھی امجدی ہوئے۔

حضور سید العلماء کو حضرت تاج العلماء نے اجمیر شریف بھیجا، اس زمانے میں جب کہ حضرت صدر الشریعہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ کے صدر المدرسین تھے، براہ راست انھوں نے صدر الشریعہ سے پڑھا، ان کے درمیان کوئی واسطہ بھی نہیں،تو یہ بھی ''امجدی دبستان علم'' سے وابستہ رہے اور آج کے بڑے اداروں میں مثلاً اشرفیہ ہے یا امجدیہ، یہ بھی اسی سلسلہ علم سے وابستہ ہیں، اس کو ''امجدی دبستانِ علم'' کہا جاسکتا ہے،اور کہا جانا چاہیے،اور بھی دوسرے ادارے ہیں۔(یعنی وہ بھی اس دبستانِ علم سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہیں)

پھر حضور احسن العلماء کی اولاد امجاد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ سارے بھائیوں کے نمائندے کی حیثیت سے میں حضرت امین ملت کا ذکر کر کے ایک بات بتلاتا ہوں، اس سے بھی ہم کو سبق سیکھنا چاہیے اور پوری زندگی کے لئے سیکھنا چاہیے۔ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا (صرف امین ملت تھے اور میں تھا، باتیں ہورہی تھیں) انھوں نے فرمایا کہ والد صاحب نے ہم لوگوں کو نصیحت کی ہے کہ

''بیٹا! اپنا ظاہری ذریعہ معاش رکھنا''، کیا مطلب ہے اس کا؟ یعنی ظاہری ذریعہ معاش رہے گا، چاہے وہ سروس کی شکل میں یا بزنس کی شکل میں، چاہے جیسے بھی ہو،تو کوئی یہ نہیں سوچے گا کہ یہ مریدوں کے نذرانے پر گزر کرتے ہیں، پھر جب آدمی یہ سوچے گا تو اور طرح طرح کی باتیں سوچے گا۔ دوسری بات انھوں فرمائی کہ بیٹا! جب کہیں بھی جانا تو اپنے پاس واپسی کا انتظام بھی رکھنا جیب میں، پتانہیں کب کہاں کیا حالات پیش آئیں،

توکسی کی محتاجی نہ رہے، کہ نذرانہ ملے گا تب جائیں گے۔
تیسری بات انھوں نے یہ فرمائی کہ (جو حضرات پیرزادے ہوتے ہیں، نذرانہ توان کو ملتا ہے) مگر ''ہم اپنی اولاد کو اپنی تنخواہ اور اپنی آمدنی کے پیسے سے پالتے ہیں، نذرانے کا اس میں کوئی عمل دخل اور گزر نہیں ہوتا''، یہ سب کتنے اعلیٰ درجے کی باتیں ہیں۔
ایک صفت ایسی بھی ہے جو مجھ کو کہیں اور نظر نہیں آئی ''یہ پورا گھرانا داد و دہش والا ہے، عطا اور سخا والا، کرم نوازی والا، ہاتھ اپنا او پر رکھنے والا، نیچے نہیں رکھنے والا، اور حدیث مبارک ہے: اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی (اخرجہ البخاری: ۵۵ ۵۳/ومسلم: ۱۰۴۲) او پر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے یعنی دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے، توان حضرات کا ہاتھ ہمیشہ اوپر رہتا ہے۔
یہ چار اہم اور قابل عمل باتیں تھیں، ان پر عمل کیا جائے۔ اوپر کی گفتگو میں ''امجدی دبستانِ علم'' کی ایک خوبصورت اصطلاح آپ نے ایجاد کی، یہ خالص آپ کی فکری گہرائی کا پتہ دیتی ہے۔ ایک بار البرکات میں حضرت کی قیام گاہ پر احباب کے ساتھ حاضر خدمت تھا کہ اسی دوران ''اہل علم کے معقولی اور منقولی سلسلے کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی، تو ہندوستان میں یہ سلاسل کن کن بزرگ تک جا کر ملتے ہیں، تفصیل سے بتایا۔ چوں کہ آپ کو حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے شرف تلمذ حاصل ہے، اس لئے حضور حافظ سے شروع فرمایا۔
معقولی سلسلے کے بارے میں فرمایا کہ حضور حافظ ملت کے استاذ حضرت صدر الشریعہ، حضرت صدر الشریعہ کے استاذ علامہ ہدایت اللہ جونپوری، علامہ ہدایت اللہ جونپوری کے استاذ علامہ فضل حق خیرآبادی، پھران کے استاذان کے والد علامہ فضل امام خیرآبادی علیہم الرحمۃ والرضوان سے ہوتے ہوئے یہ سلسلہ علماے فرنگی محل تک پہنچتا ہے۔
منقولی سلسلے کے بارے میں فرمایا کہ حضور حافظ ملت کے استاذ حضرت صدر الشریعہ، حضرت صدر الشریعہ کے استاذ اعلیٰ حضرت، اعلیٰ حضرت کے استاذ اور پیر و مرشد خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی، ان کے استاذ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، ان کے استاذان کے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہم الرحمۃ والرضوان تک پہنچتا ہے۔
یعنی ہمارا معقولی سلسلہ بواسطہ خیرآبادی فرنگی محل سے جا کر ملتا ہے اور منقولی سلسلہ بواسطہ بریلی و مارہرہ دہلی پہنچ کر شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے ملتا ہے۔ آپ نے حاضرین سے پوچھا کہ ''آپ اپنے معاصرین میں بتا دیجیے کہ یہ معقولی اور منقولی سلسلہ کس کو معلوم ہے یا کبھی سنا ہو تو بتا دیجیے؟ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی اپنے باپ دادا کو بھول جائے، یہ کوئی معمولی غفلت اور کمزوری نہیں جس کو سیاسی زبان میں بلنڈر کہا جاتا ہے وہ بلنڈر ہے یہ۔'' یہ کوئی باریک بات نہیں ہے کہ اس کے لئے غور وفکر کی ضرورت ہے۔ یہ بے حسی اور غفلت کی بات ہے۔ ذرا سی توجہ سے یہ باتیں سیکھی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح علما فراغت کے بعد حدیث وفقہ اور تفسیر کی سندیں تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن ان سلاسل کے بزرگوں کے بارے میں علم نہیں ہوتا۔ یہاں تک بہت مشکل سے بتایا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں حدیث یا فقہ میں آپ کا سلسلہ کہاں ملتا ہے۔ یہ وہ بنیادی باتیں ہیں جن کے سیکھنے میں ہوشمندی اور بیداری کی ضرورت ہے۔
آپ کی مجالس سے ایسی ہی بیدار مغزی اور ہوشمندی کی مثالیں خوشہ چینوں کو میسر آتی ہیں۔ جب بھی آپ طلبہ سے خطاب کرتے جماعتی سطح پر درپیش مسائل سے آگاہ فرماتے، ان سے متعلق گفتگو کرتے اور تجربات کی روشنی میں حل بیان فرماتے۔ آپ مرنجا مرنج شخصیت کے مالک تھے، طبیعت میں مزاح بھی شامل تھا، اس لئے آپ کی گفتگو پُرلطف ہوتی، گھنٹوں سننے کے بعد بھی اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ آپ کا اندازِ گفتگو بالکل منفرد تھا، ایک بات کہہ کر وقفہ کرتے، پھر اگلی بات کہتے، آپ کی ہر ہر بات دوسری سے ممتاز ہوتی اور سامع کو سمجھ میں بھی آجاتی۔ جیسی آپ کی گفتگو ہوتی، ویسی ہی آپ تقریر کرتے، بڑی بڑی کانفرنسوں میں اعزاز کے ساتھ مدعو کیے جاتے اور جماعت اہل سنت کی نمائندگی کرتے۔ نثر نگاری میں بھی آپ کی اس خوبی کا جلوہ نظر آتا۔ جو دوسرے نثر نگاروں سے آپ کو ممتاز کرتا ہے۔
گفتگو البرکات میں شعبہ اسلامی سے وابستگی کے حوالے سے ہو رہی تھی۔ یوں تو خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے آپ کے گہرے تعلقات کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ اور جامعہ البرکات کے افتتاحی سمپوزیم میں بھی آپ نے شرکت فرمائی تھی اور مفید مشوروں سے نوازا تھا۔ یہ جامعہ البرکات علی گڑھ

سے آپ کی قدیم وابستگی کی ایک مثال ہے۔ جب ۲۰۱۳ء میں اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کا آغاز ہوا تو آپ نے ادارہ کے ارباب حل وعقد کو مفید مشوروں سے نوازا۔ پھر ادارے میں بہ نفس نفیس تشریف لاکر نو فارغ علمائے کرام کی تحریر وقلم کے حوالے سے تربیت فرمائی اور دینی وملی قیادت کے رہنما اصولوں سے آگاہ کیا۔ تبلیغ دین کی راہ میں پیش آنے والے مسائل سے نبٹنے کے لئے تیار کیا۔ بیش قیمت تجربات بیان کرکے ان کی فکروں کو بالیدگی عطا کی اور ان کے اندر عالمی اور ملکی سطح پر خدمت دین کا شعور بخشا۔ ایک مختصر سی درخواست پر البرکات کے لئے اپنی زندگی کے مصروف ترین اوقات میں سے وقت نکال کر تشریف لانا اور طلبہ کی تربیت کرنا اور ذمہ داران ادارہ کو مفید مشوروں سے نوازنا، یہ آپ کی وہ اہم خدمات اور قربانیاں ہیں جو بھولائی نہیں جاسکتیں۔

رب کریم ان کے فیضان علمی کو عام فرمائے اور اس سے ہمیں حصہ وافر عطا فرمائے اور ان کے درجات کو بلندی سے نوازے، آمین ثم آمین

محمد عارف رضا نعمانی مصباحی، ایڈیٹر: پیام برکات، علی گڑھ، رابطہ:7860561136

رئیس التحریر کا آخری خطبہ

جب ۷ مئی کا سورج طلوع ہوا تو کسے خبر تھی کہ جب یہ غروب ہوگا تو اس کے ساتھ ساتھ لوح وقلم اور تحریر وصحافت کا نیر تاباں بھی غروب ہونے کو ہے۔ شب کے قریب ۱۰ بجے یہ جانکاہ خبر ملی کہ رئیس التحریر حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی اور اس طرح تقریباً نصف صدی تک مثبت اور صالح فکر ونظر اور متانت وسنجیدگی سے آراستہ تحریر وصحافت کی تابانیوں سے امت مسلمہ کی مذہبی وفکری رہنمائی کرنے والا نیر تاباں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ ملت اپنے ایک مخلص و بے لوث قائد ومحسن سے محروم ہوگئی، جامعہ قادریہ دار القلم اور قادری مسجد اپنے بانی وصدر سے، لوح وقلم اپنے پاسبان وامین سے، اہل سنت وجماعت کے 'ارباب عزیمت' اپنے ایک دیرینہ رفیق سے اور ارباب علم ودانش اپنے مشیر وکرم فرما سے۔

ہمارے رنج وغم کی ایک اور وجہ رہی کہ دہلی میں مقیم ہم جیسے مدارس کے تربیت یافتہ افراد، بالخصوص مصباحی برادران، اپنے سرپرست اعلیٰ سے محروم ہوگئے۔ ۲۰۰۵ء میں دہلی میں اپنے قیام کی ابتدا سے حضرت رئیس التحریر کے وصال تک میں نے دہلی، بالخصوص جامعہ نگر میں اہل سنت وجماعت کی شاید ہی کوئی ایسی مذہبی وملی تقریب یا سرگرمی دیکھی جو حضرت کے نقطۂ نظر سے ملی مفاد میں ہو اور آپ نے اس کی سرپرستی نہ فرمائی ہو۔ ہم ہر چھوٹے بڑے ذاتی وملی مسئلے پر مشورہ کے لئے حضرت کی خدمت میں انفرادی اور اجتماعی طور پر حاضر ہوتے اور حضرت خندہ پیشانی کے ساتھ اپنی علمی بصیرت ودوراندیشی سے ہماری رہنمائی فرماتے۔ وسیع تر ملی مفاد، مثبت طرز فکر وعمل، اصل سے وابستگی، مسلمات پر استقامت ان کے ہر مشورے اور نظریے کی بنیاد اور حاصل ہوا کرتے۔

کچھ تو اپنے ذاتی مزاج اور اس سے بڑھ کر دفتری ونجی مصروفیات کے سبب حضرت کی خدمت میں میری حاضری گاہے بگاہے بلکہ عموماً کسی خاص موقع سے ہی ہو پاتی تھی۔ ہماری آخری ملاقاتیں دسمبر کے مہینے میں حافظ ملت کنونشن کے پس منظر میں ہوئی تھیں۔ یہ وہ موقع تھا جب دہلی میں تعلیم وتحقیق اور عملی زندگی سے وابستہ فارغین مدارس ایک عرصہ بعد ''رحمت عالم ویلفیئر سوسائٹی'' کے زیر اہتمام نئی نسل کے لئے ترجیحات واقدامات کے موضوع پر تبادلۂ خیال کے لئے یکجا ہوئے۔ ۱۸ دسمبر ۲۰۲۲ء کو جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، ذاکر نگر میں منعقد اس کنونشن کی حضرت نے نہ صرف صدارت اور سرپرستی فرمائی، بلکہ اس کا لائحۂ عمل اور خطوط بھی حضرت کی رہنمائی میں ہی ترتیب پائے۔ اس کنونشن سے فکری انحراف سے تحفظ اور مذہب اہل سنت پر استقامت سے متعلق تجاویز وہدایات پر مشتمل اعلامیہ شرکائے کنونشن کے تائیدی دستخط کے ساتھ حضرت کے حکم سے ہی جاری ہوا۔ اس کے مشمولات حضرت کے ہی مرتب کردہ تھے۔ حافظ ملت کنونشن میں حضرت رئیس التحریر نے خطبۂ صدارت پیش کیا۔ شرکائے کنونشن میں اکثریت مصباحیوں کی تھی۔ اس مناسبت سے انہوں نے اپنے مدعا کا آغاز درج ذیل شعر سے کیا:

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

یہ شعر شاعر مشرق علامہ اقبال کی ایک نظم سے ماخوذ ہے۔ پوری نظم اس طرح ہے۔

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم کہ ہو نام افغانیوں کا بلند
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند
مغل سے کسی طرح کمتر نہیں قہستاں کا یہ بچۂ ارجمند
کہوں تجھ سے اے ہم نشیں دل کی بات وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند
اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ مغل شہ سواروں کی گرد سمند

علامہ اقبال کی اس نظم کا عنوان ''خوشحال خاں کی وصیت'' ہے۔ خوشحال خاں خٹک پشتو زبان کا مشہور و معروف وطن پرست شاعر تھا جس نے افغانستان کو مغلوں سے آزاد کرانے کے لئے سرحد کے افغانی قبائل کی ایک جمعیت قائم کی تھی۔ اس نظم میں شاعر مشرق نے افغانیوں سے خوشحال خاں کی وصیت قلم بند کی ہے۔ رئیس التحریر نے اس کے ایک شعر سے مصاحبوں کے نام اپنی وصیت رقم کی۔ اس کنونشن کے کچھ دنوں بعد آپ علیل ہوئے اور پھر شفایاب نہ ہو سکے۔ اس طرح اس کنونشن کا خطبۂ صدارت آپ کا خطبۂ وداع ثابت ہوا۔

حضرت رئیس التحریر نے مذکورہ شعر پڑھنے کے بعد حافظ ملت کنونشن کے انعقاد کو اس شعر کا ایک چھوٹا سا مظاہرہ بتایا اور فرمایا

''مجھے امید ہے کہ آگے بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا اور آئندہ بھی آپ حضرات اس طرح کے پروگرام منعقد کرتے رہیں گے جو آپ کے حق میں بھی بہتر ہوگا اور آنے والوں کو بھی اس سے روشنی ملے گی اور راستہ ملے گا۔ آپ بانی جامعہ اشرفیہ حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری ثم علیہ الرحمہ کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔ ان کی پوری سیرت آپ کی نگاہوں میں تھی، لیکن اس موقع پر اپنے محسن کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے آپ نے ایک خاص پہلو پر زور دیا کہ:

''حافظ ملت کنونشن ایک ایسی ذات کی طرف منسوب ہے جس نے اپنے عہد میں ایک عظیم الشان تعلیمی انقلاب برپا کیا اور آج سے پچاس سال پہلے ایک ایسے ادارے کی بنیاد ڈالی جس کے منصوبے اور نصاب میں یہ بات شامل تھی کہ زمانہ حال کا لحاظ کرتے ہوئے انگریزی زبان کی بھی تعلیم دی جائے اور عربی زبان و ادب کی بھی تعلیم دی جائے، تاکہ یہاں کے فارغ التحصیل انگریزی اور اردو کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں بھی تحریراً وتقریراً اظہار کر سکیں، اپنے افکار و نظریات دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ حافظ ملت کی یہ دور اندیشی تھی کہ انہوں نے انگریزی زبان کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اُس وقت اس کی تعلیم کا انتظام فرمایا جب کہ مدارس میں میرے علم کے مطابق کہیں بھی انگریزی زبان داخل نصاب نہ تھی۔ آج ماشاء اللہ بہت سے مدارس میں داخل نصاب ہے۔''

اس خطبۂ وداع میں حاضرین سے کی گئی آپ کی آخری نصیحتیں آپ کے ہی لفظوں میں کچھ اس طرح تھیں:

''آپ سبھی حضرات اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور سب سے زیادہ اہم اور ضروری بات ہے تصلب فی الدین اور استقامت علی الحق۔ وہ آپ کی بنیاد ہے، اس سے آپ کو ذرا بھی منحرف نہیں ہونا ہے ورنہ آپ کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ اپنی اصل سے وابستگی، اپنے اسلاف کرام کی پیروی، اپنا تشخص، اپنی شناخت قائم رکھنا اہم ترین فریضہ ہے۔ حالات کے دھارے میں بہنا نہیں چاہیے بلکہ ہمت مردانہ کے ساتھ حالات کے دھارے کو بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس کا رخ موڑنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جب نیت صالح ہو، عزم محکم ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرماتا ہے، غیب سے تائید ہوتی ہے اور بندہ جو چاہتا ہے، رب تعالیٰ اس کی مراد پوری کر دیتا ہے۔ مجھے امید ہے اِن باتوں کا آپ خیال رکھیں گے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے استاذ سے علم بھی سیکھا ہے اور عمل بھی سیکھا ہے۔ یہ بہت ہی بڑا نسخہ ہے۔ ہم سے، آپ سے جو کچھ ہو سکے اور جتنا ہو سکے، اپنے اساتذہ اور اکابر کا جو علم ہے، جو عمل ہے، اس کا مظہر بننا چاہیے۔''

آپ کا یہ خطبہ تحریر شدہ نہیں تھا، اس لئے ہر تکلف سے پرے تھا۔ کسے خبر تھی کہ یہ آپ کا خطبہ وداع ثابت ہوگا لیکن اس کی ایک ایک بات ایسی تھی جس کی ایک سرپرست اپنے ماتحتوں سے اور ایک مذہبی رہنما اپنے پیروکاروں سے دم رخصت وصیت کرتا ہے۔ اللہ عزوجل ہمیں ان باتوں پر عمل کی توفیق بخشے!

اس کنونشن کے سلسلے میں حضرت کے ساتھ کئی نشستیں رہیں جو آج بھی ذہن کے دریچوں میں قید ہیں۔ اس کنونشن کے کامیاب انعقاد سے حضرت اس قدر خوش تھے کہ اس کے اہتمام میں سرگرم رہے چنندہ افراد کو حضرت نے مبارک باد دینے کی غرض سے چائے پر مدعو فرمایا، اپنی خوشی کا اظہار کیا اور دعاؤں سے نوازا۔ میری خوش بختی ہے کہ میں بھی مدعووین میں شامل تھا۔

حضرت کا سراپا آج بھی نگاہوں میں گردش کر رہا ہے۔ دارالقلم کی عمارت کے صدر دروازے سے متصل زینے کے ٹھیک سامنے پہلی منزل کا کمرہ عرصۂ دراز تک حضرت کی نشست گاہ رہا۔ رنگ و روغن سے عاری تقریباً ۱۰۰ مربع فٹ کے اس معمولی حجرے کے پچاس فیصد یا اس سے بھی زائد حصے پر کتابوں کا قبضہ ہوتا، باقی کے حصے میں ایک طرف ملاقاتیوں کے لئے تین چار کرسیاں، آمد و رفت کا راستہ اور بیچ میں 4x6 کے تخت پر متانت و سنجیدگی سے آراستہ، فکر و نظر میں مستغرق، خدمت لوح و قلم اور کتب بینی میں منہمک حضرت کا وجود۔ فکر و شعور کی بالیدگی، سنجیدہ لب و لہجہ، نپی تلی زبان، مثبت طرز فکر و عمل، ملی و سیاسی حالات پر پینی نظر، سادگی، سلاست اور دلائل سے آراستہ قلم حضرت کی شخصیت کے اہم عناصر تھے۔ آپ کی سادہ طرز زندگی، فکری استقلال، تصنیفی، تالیفی اور صحافتی سرگرمیوں کے تسلسل اور دنیا و متاع دنیا سے بے نیازی کی مثال شاذ و نادر ہی مل سکتی ہے۔ ہماری نئی نسل کے لئے آپ کی زندگی ایک کتاب ہے جو گاہے گاہے پڑھنے اور کردار کا حصہ بنانے سے تعلق رکھتی ہے۔

مضمون نگار نیاز احمد مصباحی (محمد نیاز احمد) سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، وزارت آیوش، حکومت ہند میں ریسرچ آفیسر (پبلی کیشن) اور شعبۂ مطبوعات کے صدر ہیں۔ ساتھ ہی ''ہیومو کریٹک جرنل آف یونانی میڈیسن''، ''جہان طب'' اور ''سی سی آر یو ایم نیوز لیٹر'' کے مدیر بھی ہیں۔

ادری نامہ

رئیس التحریر کی رحلت ملت کا عظیم نقصان

۷ مئی ۲۰۲۳ء کو شب میں ۹ بج کر ۵۵ منٹ پر طویل علالت کے بعد دہلی کے ایمس میں حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی کے وصال کی خبر مولانا انصار احمد مصباحی سے فون پر دی۔ سن کر بڑا رنج و غم لاحق ہوا۔ آپ کی رحلت سے قوم و ملت کا بڑا نقصان اور سنیت کا عظیم خسارہ ہوا ہے۔ علم و تحقیق اور تصنیف کی دنیا میں عظیم خلا پیدا ہو گیا ہے۔ شاید ایک طویل مدت تک پورا نہ ہو سکے۔ مولیٰ عزوجل نعم البدل عطا فرمائے۔

آپ کا آبائی وطن خالص پور ادری سے متصل ہونے کی وجہ سے بیشتر ملاقات اور آمد و رفت ہوتی رہتی۔ گھر پر قیام کے دوران مدرسہ ضیاء العلوم تشریف لاتے۔ لمبی نشست فرماتے، مختلف موضوعات اور حالات حاضرہ پر گفتگو ہوتی۔ گفتگو سنجیدہ اور مثبت ہوتی، اکابر علماء و مشائخ کے تنظیمی اور علمی کارناموں پر حاصل سیر گفتگو فرماتے۔ تکلفات سے پرہیز کرتے۔ آپ کو کھانے پینے اور پہننے کے لئے آرائش و زیبائش سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

ایک نشست میں اپنی کتاب ''عرفان مذہب و مسلک'' کے منظر عام پر آنے کے بعد اُس کے بصیرت افروز حقائق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''اِس پورے قضیہ سے اگر کوئی سبق ملتا ہے تو یہ ہے کہ 'علما کو اپنے ذمہ دارانہ منصب کا ہر حال میں خیال رکھنا ضروری ہے۔ عوام کی طرح کسی بھی رو میں نہ جانا، یہ شان علم کے خلاف اور علمائے دین کے منصب عالی کے قطعاً منافی اور اس سے متصادم ہے۔ بالخصوص ایسی شکل میں جب بات شریعت اور مسائل شریعت سے متعلق ہو۔ ایک اور سبق یہ بھی ملتا ہے کہ عوامی جذبات کو ایک حد تک اور ایک مختصر مدت تک ہی مشتعل رکھا جا سکتا ہے اور جب بھی ان کے سامنے حقائق واشگاف ہوں گے، وہ اُن علماء کے سخت خلاف ہو جائیں گے جنہوں نے انہیں جذبات کا شکار بنا کر اُن کا استعمال کیا اور انہیں غلط رخ پر لگا یا۔ دعا ہے کہ رب قدیر آپ کی دینی و ملی خدمات قبول فرما کر درجات بلند فرمائے۔

(مولانا) عرش محمد برکاتی، صدر المدرسین مدرسہ عربیہ رضویہ ضیاء العلوم، ادری مئو

رئیس التحریر کی شان استغنا

رئیس التحریر حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کی ذات والاصفات بہت سی خوبیوں کی جامع تھی۔ کم خفتن، کم گفتن، کم خوردن پر مکمل عمل پیرا

تھے۔آپ کی سیاسی ودینی بصیرت اہل علم میں معروف ومشہور تھی۔بعض اہم عناوین پر آپ کی جامع تحریر آپ کی وسعت معلومات کی بین دلیل ہے کہ آپ سے پہلے کسی نے اس عنوان پر قلم نہ اٹھایا۔نجی مجلسوں میں فرماتے اولاً میں بہت سوچ سمجھ کر لکھتا ہوں۔ثانیاً اپنی ہر اہم تحریر مصباحی صاحب اور مفتی صاحب (صدر العلماء حضرت مولانا محمد احمد مصباحی، سراج الفقہاء حضرت مفتی محمد نظام الدین دام ظلہما) کو دِکھا لیتا ہوں۔شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی اور رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہما الرحمۃ والرضوان کی دینی حمیت، مذہبی خدمت اور مسلکی درد کا بار بار ذکر فرماتے۔ایک بار فرمایا کہ رئیس القلم کی بارگاہ میں جب بھی میں حاضر ہوا، ہمیشہ مسلکی درد، جماعتی فلاح و بہبود، سنیت کے فروغ پر بات کرتے اور اس کے لئے سرگرداں رہتے کبھی ذاتی مسائل کو انہوں نے موضوع سخن نہ بنایا۔آج میں بڑے وثوق کے ساتھ قلم بند کر رہا ہوں کہ رئیس التحریر جب اپنے آبائی وطن خالص پور ادری ضلع مئو اتر پردیش تشریف لاتے تو شام میں آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوتا۔یہ ملاقات گھنٹہ دو گھنٹہ کبھی دیر رات گئے تک رہتی۔ملک وملت کے مسائل ، جماعتی زبوں حالی پر حضرت پورے شرح وبسط کے ساتھ گفتگو فرماتے۔میں آپ کی وسعت معلومات، حاضرہ حاضرہ پر گہری اور دور بین نظر سے خوب محظوظ ہوتا اور اپنی معلومات میں اضافہ کرتا مگر آپ نے کبھی ذاتی اور خاندانی مسائل اور مقامی حالات کو موضوع سخن نہیں بنایا۔کئی سال پہلے کی بات ہے ،آپ کی ایک آنکھ کی روشنی موتیابند کی وجہ سے متاثر ہوگئی، آپریشن ہوا مگر آپریشن ناکام رہا یہاں تک کہ اس آنکھ کی روشنی بالکل غائب ہوگئی۔آپریشن کے بعد جب میری پہلی ملاقات ہوئی تو میں نے آنکھ کی بینائی سے متعلق کچھ گفتگو شروع کی، فرمایا چھوڑیئے۔یہ سب ہوتا رہتا ہے۔

وہ جماعت، مسلک، مدارس، مساجد، اوقاف، ملک اور قوم وملت کے لئے حد درجہ حساس تھے مگر اپنی جسمانی صحت سے متعلق اتنے ہی بے پروا تھے۔اواخر رمضان شریف ۱۴۴۴ھ مئو سٹی ہاسپٹل میں زیر علاج تھے، کچھ کچھ گفتگو کر لیتے تھے، میں نے دوران گفتگو عرض کی حضرت! میں نے آپ میں اور مصباحی صاحب (صدر العلماء محمد احمد مصباحی) میں استغنا حد درجہ پائی۔فرمایا مجھ میں اور مصباحی صاحب میں بہت سی چیزیں قدر مشترک ہیں۔ناظرین اس کو مبالغہ پر محمول نہ کریں بلکہ یہ مبنی برحقیقت ہے۔رئیس التحریر یکم جنوری ۱۹۷۴ تا اپریل ۱۹۸۲ء جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی تدریس سے وابستہ رہے۔۱۹۸۲ء تا ۱۹۸۴ء ریاض سعودی عربیہ میں کمپیوٹر سروس سے منسلک رہے۔۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۰ء جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں استاذ اسلامیات کی حیثیت سے لکچرار رہے۔۱۹۸۴ء تا ۲۰۲۳ء ۳۹ سال کا طویل زمانہ آپ نے حجاز جدید، کنز الایمان دہلی کی ادارت، دار القلم دہلی اور قادری مسجد ذاکر نگر کے تعمیری نقشے کو زمین پر اتارنے مختلف تنظیموں، اداروں کی علمی وفکری رہنمائی کرنے میں اور اہل سنت وجماعت کی زلف برہم کو سنوارنے میں گزارا ہے۔ایک بار فرمایا کہ پیسہ نہ کبھی میرے پاس تھا نہ ہوگا۔دار القلم دہلی کے ارباب حل وعقد نے آپ کے سامنے تنخواہ کی تجویز رکھی ،آپ نے نفی میں جواب دیا۔لوگوں نے عرض کی پھر کیسے آپ کا کام چلے گا فرمایا جیسے بیس سال سے چل رہا ہے ویسے ہی آئندہ بھی چلے گا۔

ترے کردار کا اعمال کا ہر ایک قدم — سربلندوں کے خیالات سے بھی اونچا ہے
سرنگوں ہو کے رہا بدر یزیدی پرچم — ایسی تدبیر سے مذہب کو بچایا تو نے

محمد جعفر صادق غفرلہ، استاذ جامعہ ضیاء العلوم ادری

علامہ یٰسین اختر مصباحی کی مجلسی گفتگو کی چند یادگار باتیں

حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کی علمی زندگی کا اکثر وبیشتر حصہ باہر ہی گذرا ہے عموماً عید کے موقع پر اور بہت ہی قریبی رشتہ داروں کے یہاں شادی بیاہ یا کسی کے انتقال کے موقع پر ہی گھر آنا ہوتا۔اس کے علاوہ عرس حافظ ملت یا مجلس شرعی مبارک پور کے سیمینار میں اگر آنا ہوتا تو ضمناً خالص پور تشریف لاتے۔آپ کی جب آمد ہوتی اور خبر ملتی تو ملاقات کی غرض سے حضرت کی خدمت میں پہنچنے کا شرف حاصل کرتا۔سلام ومصافحہ اور خبر وخیریت کے بعد انتہائی مشفقانہ انداز میں گفتگو فرماتے۔مدرسہ اسلامیہ بیت العلوم خالص پور میں ناچیز کی بحالی کے بعد جب پہلی مرتبہ (واقعہ ۲۰۱۶ء کا ہے) حضرت سے ملاقات ہوئی اور اپنا تعارف کراتے ہوئے میں نے کہا کہ میرا نام عبد السلام ہے، رمضان کے بعد آیا ہوں تو مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہاں معلوم ہے کہ آپ آئے ہیں۔اس کے بعد پھر بے تکلف ہو کر بات کرنے لگے اور آپ نے نصیحت آموز باتیں کیں۔

خالص پور میں قیام کے دوران عمومی طور پر محفل میلاد میں اگر کوئی دعوت دیتا تو ہر حال میں وہاں پہنچتے اور اگر اُس دوران کسی کی تقریر ہوتی تو غور سے سنتے۔ اگر کوئی غلطی ہوتی تو بعد میں اصلاح فرماتے۔ راقم الحروف کا ایک بار کا نہیں بلکہ متعدد بار کا تجربہ رہا کہ میلاد شریف میں ٹوٹے پھوٹے انداز میں تقریر کرتا اور آپ بغور سماعت کرتے۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ کی موجودگی میں نہایت ہی محتاط ہوکر مطالعہ شدہ باتیں ہی عرض کرتا سنی سنائی باتیں بالکل نہیں بیان کرتا۔ جمعہ کی نماز کے لئے آپ تشریف لاتے تو صف اول یا صف ثانی میں امام سے قریب ہی تشریف فرما ہوتے اور تقریر وخطبہ بغور سماعت فرماتے ایک بار کا واقعہ ہے کہ میری جگہ بلا اجازت جمعہ میں ایک حافظ صاحب نے غیر مہذب انداز میں بے محل ردوہابیت پر تقریر کی جسے اکثر لوگوں نے ناپسند کیا۔ اتفاق سے حضرت اس دن مسجد کے برآمدے میں پیچھے کی طرف بیٹھے تھے وہیں سے تقریر سماعت کرتے رہے انداز بیاں سے حضرت کو ناگواری بھی ہوئی مگر بروقت کچھ نہیں کہا البتہ دوسرے روز جب ملاقات کے لئے دولت کدے پہنچا تو یہ گمان کرکے کہ گذشتہ جمعہ کو جو تقریر ہوئی ہے وہ مولانا عبدالسلام ہی کی تقریر تھی کیوں کہ وہی عام طور پر امامت کی ذمہ داری نبھاتے ہیں حضرت نے برجستہ کہا کہ مولانا! جمعہ کی تقریر کا موضوع اور انداز، عام میلاد سے الگ ہوتا ہے کل جو تقریر ہوئی وہ انداز صحیح نہیں تھا۔ مسجد میں دوران تقریر اچھل کود بے محل چیخنا اور گالی گلوج یہ سب احترام مسجد کے خلاف ہے۔ معاشرہ میں جس چیز کی بروقت ضرورت محسوس ہو اُسی موضوع پر تقریر ہونا چاہئے۔ میں نے اپنی برأت میں اظہار حقیقت کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت گذشتہ جمعہ میں جو تقریر کررہا تھے درحقیقت وہ میں نہیں تھا اور نہ تقریر کرنے والے نے مجھ سے اجازت لی تھی بلکہ فلاں حافظ تھے۔

حضرت نے فرمایا کہ آپ امامت کرتے ہیں تو بغیر اجازت دوسرا کیوں تقریر کرے گا پھر تقریر کے تعلق سے بہت سے اصول وضوابط بتاتے ہوئے بار بار کہتے رہے کہ میلاد وغیرہ میں وقت کا لحاظ ضرور کیجیے گا۔ گاؤں میں میلاد کا وقت بعد نماز مغرب رکھیے عشا کے بعد ہرگز نہیں۔ حتی کہ ایک محفل پاک میں آپ نے بلند آواز سے ارشاد فرمایا کہ مولانا! عشا کے بعد اگر کوئی تقریر کے لئے دعوت دیتا ہے تو اس کی منظوری نہ دیجیے۔ اس طرح کی اور بہت سی باتیں جلسہ اور میلاد کے تعلق سے فرماتے رہتے۔ جس میں اصلاح مقصود ہوتی اور اصاغر نوازی کا بھی اثر پایا جاتا تھا۔

ناچیز راقم الحروف نے عام فہم انداز میں ایک کتاب بنام ''دینی وتاریخی معلومات'' ترتیب دی کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی اور حضرت رئیس التحریر صاحب بھی دہلی سے گھر تشریف لائے تھے تو ایک نسخہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ کتاب کے چند اوراق کو دیکھنے کے بعد حوصلہ افزائی کے طور پر ارشاد فرمایا ''اچھی کاوش ہے'' لکھتے رہیے کتاب میں غلطی کا احساس تو چھپنے کے بعد ہی ہوتا ہے جب چھپ جاتی ہے تو حذف واضافہ کہ بہت ساری باتیں ذہن میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ دوران گفتگو ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ آپ نے تو تدریس کا کام بہت پہلے چھوڑ دیا ہے لیکن باوجود اس کے آپ کے تلامذہ میں جید علمائے کرام کی ایک طویل فہرست ہے ان میں سے آپ کی نظر میں سب سے محبوب شاگرد کون ہے؟ کچھ دیر تک توقف کرنے کے بعد کسی کی تعیین کیے بغیر ارشاد فرمایا کہ اس سلسلے میں میرا جواب وہی ہے جو حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ کا ہوا کرتا تھا یعنی وہی شاگرد میری نظر میں زیادہ محبوب ہے جو استاذ ہونے کی حیثیت سے مجھ سے خوب عقیدت رکھے جس کا حاصل یہ ہے کہ میرے نزدیک وہی شاگرد اچھا ہے جو مجھ کو اچھا استاذ مانے۔

میں نے ایک مرتبہ پوچھا کہ حضرت آپ کی آنکھ میں کیا بیماری ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا کہ میری آنکھوں میں وہی بیماری ہے جو بڑوں کی آنکھوں میں تھی پھر ارشاد فرمایا کہ جو بیماری میری آنکھوں میں ہے وہی بیماری حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ اور حضرت ازہری میاں علیہ الرحمہ کو بھی تھی اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ یہ بیماری بڑوں کی ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ مجلسی گفتگو میں فتوی کفر اور صلح کلیت کی گرم بازاری کی بات نکل آئی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا! بلاوجہ کافروں کی تعداد بڑھانے اور مسلمانوں کو کم کرنے سے کیا فائدہ؟ بات بات پر کفر وشرک کا فتوی ایک عام مولوی دے دیتا ہے جسے صحیح معنی میں کفر وشرک کا اصل معنی بھی معلوم نہیں ہوتا اور مسلمان کو دائرۂ اسلام سے خارج کردیتا ہے، یہ کہاں کی دانش مندی ہے میں نے تو علمائے محققین کی خدمت میں تحقیق طلب کی ہے کہ دیابنہ اربعہ کی تکفیر جس طرح نام بنام کی گئی ہے اس طرح کسی دوسرے دیوبندی کی تکفیر اگر نام کے ساتھ اکابر اہل سنت نے کی ہے تو بتایا جائے مگر ابھی تک کسی نے اس کا جواب نہیں دیا ہے۔ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ کسی سے اگر صراحۃً کفر سرزد نہیں ہوا ہے تو نام بنام اس کی تکفیر درست نہیں بلکہ بعض موقعوں پر اپنے اوپر کفر کو لوٹانے کا مرادف ہوجاتا ہے۔ اس

موضوع پر حضرت نے ایک نہایت عمدہ کتاب ''فانوس ہدایت اور تازیانہ عبرت'' تحریر فرمائی ہے جو لائق مطالعہ ہے۔

حضرت رئیس التحریر علیہ الرحمہ کی حیات پاک کی یہ چند یادگار باتیں ہیں جو بروقت مستحضر تھیں تحریر کر دیا۔ انتقال کے بعد کی ایک حیرت انگیز بات یہ دیکھی گئی کہ دہلی ایمس ہاسپٹل میں رات ۹ بج کر ۵۰ منٹ پر آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور ایک دو گھنٹہ کے بعد وہاں جسم کو فریزر میں پیک کیا گیا پھر دوسرے روز شام تقریباً ساڑھے چھ بجے آپ کے جسد مبارک خالص پور، ادری، مئو لایا گیا جب غسل دینے کے لئے جسم کو کھولا گیا تو غسل دینے والے لوگوں کا بیان ہے کہ جسم بالکل نرم اور ملائم تھا حالاں کہ فریزر میں اگر کوئی چیز رکھی جاتی ہے تو بالکل سخت ہو جاتی ہے غسل دینے والوں میں ہمارے اسٹاف کے ایک ذمہ دار عالم دین مولانا مظفر الاسلام صاحب ادروی کا بیان ہے کہ بوقت غسل میں نے جسم کے متعدد اعضا کو ادھر سے ادھر ہلایا تو بالکل زندہ آدمی کی طرح نرم اور ملائم پایا۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ کسی میت کا جسم ہے۔ ڈاکٹروں نے جسم کے مختلف حصوں میں سوراخ کر کے جو پائپ اندر ڈالا تھا ان سوراخوں سے بالکل تازہ خون نکل رہا تھا جب کہ وصال کو ۲۰ گھنٹے گذر گئے تھے اور اتنی دیر میں خون منجمد ہو جانا چاہیے تھا۔

آپ سے ملاقات و مشاہدات کی یہ چند باتیں بطور خراج عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر کے دعا گو ہوں کہ حضرت رئیس التحریر کو رب رؤف رحیم غریق رحمت فرمائے، درجات کو بلند فرمائے اور تصنیف و تالیف کے میدان میں حضرت کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

(مولانا) محمد عبد السلام مصباحی راج محلی، استاذ مدرسہ اسلامیہ بیت العلوم خالص پور، ادری، مئو (یوپی)

آہ! صد افسوس مفکر اہل سنت نہ رہے

رئیس التحریر مفکر اہل سنت حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کا فانی دنیا سے بقا کی دنیا کی طرف کوچ کر جانا جماعت اہل سنت کے لئے ایک عظیم خسارہ ہے۔ رئیس التحریر صاحب قبلہ جہاں علم و فن کے ماہر تھے، وہیں قلم و قرطاس کے بادشاہ تھے۔ قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے بعد آپ نے قلم و قرطاس کی فصل کو سینچنے کا بھرپور کام انجام دیا۔ موصوف علیہ الرحمہ نے برصغیر ہندو پاک میں تحریر کے میدان میں جو خدمات انجام دیں، وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ رئیس التحریر گوناں گوں خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ کا سب سے بڑا وصف بے نیازی اور سادہ زندگی تھی۔ حضرت مصباحی صاحب قبلہ جب بھی اپنے وطن عزیز ضلع مئو موضع خالص پور تشریف لاتے تو پورے گاؤں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی۔ مصباحی صاحب علیہ الرحمہ کے ہم عصر دوست احباب حضرت سے ملاقات کرنے ان کے گھر تشریف لاتے۔ حضرت بڑی فراخ دلی سے مہمان نوازی کرتے۔ اس کے بعد ملک کی مذہبی سماجی، سیاسی گفتگو کے بعد حضرت اپنے بچپن کے واقعات بڑے خوش مزاجی سے بیان کرتے، اس طرح گھنٹوں خوشگوار محفل ہوا کرتی تھی۔ حضرت کا دنیا سے رخصت ہو جانا جماعت اہل سنت کے خسارہ کے ساتھ ساتھ خالص پور کے لئے بہت بڑا صدمہ ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ پورے گاؤں کا چراغ بجھ گیا، گاؤں کا بچہ بچہ حضرت کے وصال سے صدمہ میں ہے۔ ناچیز نے حضرت مصباحی صاحب علیہ الرحمہ کو بہت قریب سے دیکھا اور پڑھا ہے۔ حضرت نہایت ہی منکسر المزاج اور سادہ زندگی کے حامل تھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے اپنے نانا حضرت رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کی گھر سے ایمس ہاسپٹل تک خوب خدمت کی۔ حضرت کا دنیا سے رخصت ہو جانا میرے لئے بہت ہی زیادہ دکھ اور صدمہ کی گھڑی ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ پاک پروردگار حضرت کی بے حساب مغفرت فرمائے اور انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب عطا فرمائے اور ان کے روحانی فیض کو میرے اوپر جاری فرمائے۔ آمین

شریک غم: انصار احمد مصباحی، خالص پور ادری مئو

علامہ یاسین اختر مصباحی ادروی کے قصبہ ادری پر ایک نظر

رئیس التحریر علامہ یاسین اختر مصباحی ادروی رحمہ اللہ خالص پور قصبہ ادری کے رہنے والے تھے۔ قصبہ ادری کا سابقہ ضلع اعظم گڑھ، شیراز ہند جون پور کے قرب کے اثر سے دینی و اسلامی علوم و فنون اور اصحاب علم و کمال کا مرکز رہا ہے۔ کثیر تعداد میں یہاں علما و فقہا، حفاظ و قرا، مفسرین و

محدثین، مصنفین ومحققین اور صوفیا پیدا ہوئے۔ اگر اِس خطے کو اعظم گڑھ کی بجائے ''علما گڑھ'' کہا جائے تو یقینا مبالغہ آرائی نہ ہوگی۔ قیام ضلع مئو کے بعد ضلع اعظم گڑھ کے بہت سے علمی قصبات ضلع مئو کے حصے میں آ گئے، ان میں گھوسی، چریا کوٹ، مئوناتھ بھنجن، ولید پور بھیرہ، محمد آباد، خیر آباد، پورہ معروف، کوپا گنج کے ساتھ ساتھ قصبہ ادری بھی شامل تھا۔

قصبہ ادری کے علما کا دور، بیسویں صدی سے شروع ہوتا ہے۔ ادری کے زیادہ تر علمائے اہل سنت جامعہ منظر اسلام بریلی شریف، جامعہ مظہر اسلام بریلی شریف، جامعہ نعیمیہ مرادآباد اور دارالعلوم اشرفیہ اہل سنت مصباح العلوم مبارک پور/ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے فارغ ہیں، یہاں کے علما نے قرب وجوار کے علاوہ ملک کی کئی مشہور ومعروف درس گاہوں مثلاً دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف، جامعہ مظہر اسلام بریلی شریف، دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور/ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، جامعہ مرکز الثقافة السنیة کالی کٹ (کیرالا)، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، جامعہ فاروقیہ بنارس، جامعہ علیمیہ جمدا شاہی بستی، دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد (گجرات)، مدرسہ رضاء العلوم کنہواں سیتامڑہی (بہار)، جامعہ عربیہ اظہار العلوم جہاں گیر گنج ضلع امبیڈکر نگر، دارالعلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ، جامعہ حنفیہ اہل سنت بحر العلوم مئوناتھ بھنجن، مدرسہ فیض العلوم محمد آباد، مدرسہ ضیاء العلوم خیرآباد وغیرہ میں تدریسی خدمات انجام دیں ہیں یا دے رہے ہیں۔ جب کہ جامعہ ضیاء العلوم ادری (مع نسواں)، مدرسہ اسلامیہ بیت العلوم خالص پور قصبہ ادری (مع نسواں)، مدرسہ مدینۃ العلوم وکلیۃ الصالحات ادری، مدرسہ فیض القرآن ادری، دارالعلوم چشتیہ غریب نواز للبنات خالص پور قصبہ ادری میں اہل سنت وجماعت کے تعلیمی ادارے ہیں۔

ادری کے جن اکابر سنی علمائے کرام اور حفاظ کے حالات دستیاب ہو سکے ہیں، ان کو اختصار کے ساتھ یہاں پیش کر رہا ہوں:

مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی ادروی علیہ الرحمہ: آپ کی ولادت سنہ ۱۳۳۵ھ/ ۱۳۳۶ھ کے آس پاس قصبہ ادری میں ہوئی۔ مدرسہ فیض الغربا ادری، مدرسہ حنفیہ امروہہ، دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور اور مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ اور دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ کی فہرست میں صدر الشریعہ حضرت مفتی امجد علی اعظمی، محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قادری چشتی گورداس پوری، حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مبارک پوری، شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی ازہری، مولانا عبدالعزیز محدث بجنوری، مولانا شمس الحق گجھڑوی، علامہ سید سلیمان بھاگل پوری، مولانا غلام جیلانی اعظمی اور مولانا خلیل احمد کاظمی محدث امروہوی علیہم الرحمہ جیسے اکابر اہل سنت موجود ہیں۔ مظہر اسلام سے فراغت کے بعد آپ نے درس وتدریس کے میدان میں قدم رکھا، درجن کے قریب مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں اور چار مدارس اسلامیہ بھی قائم کیے جن کے نام یہ ہیں:

جامعہ عربیہ رضویہ ضیاء العلوم ادری، مدرسہ امجدیہ ادری، دارالعلوم صدر العلوم گورکھ پور، دارالعلوم غوثیہ سلیم پور۔

شیخ الحدیث علامہ اعجاز احمد خاں مصباحی ادروی، شیخ الحدیث مفتی محمد ظہیر حسن قادری ادروی، شیخ الحدیث مولانا محمد سلطان ادروی اور شیخ الحدیث مولانا مرغوب حسن قادری ادروی علیہم الرحمہ وغیرہ آپ کے ممتاز تلامذہ ہیں۔ آپ نے فتاویٰ رضویہ کی جلد سوم، چہارم، پنجم مکمل نیز مولانا سبحان اللہ امجدی علیہ الرحمہ کے ساتھ جلد ہفتم وہشتم کا مبیضہ تیار کیا۔ ۱۹ ذی قعدہ سنہ ۱۴۳۰ھ/ ۸ نومبر سنہ ۲۰۰۹ء کو خلیفۂ مفتی اعظم ہند مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی علیہ الرحمہ کا وصال ہوا۔ تدفین آبائی وطن ادری میں ذاتی زمین میں ہوئی۔

(حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی کے احوال وافکار/ص: ۲۶-۹۳، تذکرہ علمائے اہل سنت مئو/ص: ۷۴-۷۸)

مولانا عبدالاحد خاں اعظمی ادروی علیہ الرحمہ: آپ کی ولادت قصبہ ادری کے ایک زمیں دار گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام عبدالرشید خاں مرحوم تھا جو، ادری کے ایک زمین دار تھے۔ مولانا اعظمی نے دارالعلوم انجمن اہل سنت مرادآباد (جدید نام: جامعہ نعیمیہ مرادآباد) میں تعلیم حاصل کی، وہیں سے سنہ ۱۹۳۳ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد آپ اپنے پیر ومرشد محدث اعظم ہند علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے حکم پر ادری سے ہجرت کر کے مع اہل وعیال بہرائچ شریف تشریف لے گئے اور اُنہی کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ اشرفیہ چھوٹی تکیہ ضلع بہرائچ میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ مولانا اعظمی جب تک حیات رہے مدرسہ اشرفیہ بہرائچ میں صدر مدرس وناظم

تعلیمات کے عہدے پر فائز رہے۔ ۲۸ اگست سنہ ۱۹۶۲ء کو شہر بہرائچ کے محلہ چھاؤنی میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی تدفین خانقاہ چھوٹی تکیہ کے قبرستان میں ہوئی۔ (بہرائچ ایک تاریخی شہر/ص: ۱۳۱، مناظرہ ادری/ص: ۲۱-۲۲، تذکرہ علمائے اہل سنت مئو/ص: ۷۳-۷۴)

شیخ الحدیث مولانا اعجاز احمد خاں مصباحی ادروی علیہ الرحمہ: جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۴۵ھ/ ۱۲ نومبر سنہ ۱۹۲۶ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ نے مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں داخلہ لے کر قدوری تک تعلیم حاصل کی، سنہ ۱۹۴۵ء میں دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے اور ۵ سال تک حافظ ملت محدث مبارک پوری کے زیر سایہ علوم وفنون کی تحصیل کی، ۱۰ شعبان سنہ ۱۳۶۹ھ/ سنہ ۱۹۵۰ء میں دار العلوم اشرفیہ سے دستارِ فضیلت وسند فراغت حاصل کی۔ آپ مفتی اعظم ہند سے بیعت تھے، جب کہ خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا ضیاء الدین مہاجر مدنی علیہ الرحمہ سے آپ کو اجازت وخلافت حاصل تھی۔

سنہ ۱۹۵۰ء میں حافظ ملت نے آپ کو ضلع بستی کے موضع بسڈیلہ کے ایک چھوٹے سے مکتب ''مدرسہ تدریس الاسلام'' میں بھیج دیا، مولانا اعجاز نے اس مکتب کو حیرت انگیز ترقی بخشی اور اُسے مکتب سے دار العلوم میں تبدیل کر دیا جو ''دار العلوم تدریس الاسلام'' بسڈیلہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مولانا اعجاز سنہ ۱۹۵۸ء میں ادری سے ہجرت کر کے مع اہل وعیال بسڈیلہ میں قیام پزیر ہو گئے۔ تدریس الاسلام میں آپ سنہ ۱۹۹۲ء میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور تا حیات اسی تدریس الاسلام کے شیخ الحدیث رہے۔ ۳۰ دسمبر سنہ ۲۰۱۹ء کو حضرت کا وصال ہوا، آپ کی تدفین بسڈیلہ ضلع سنت کبیر نگر میں ہوئی۔ (علامہ اعجاز احمد خان ادروی۔ حیات و خدمات/ص: ۴۶-۶۵، مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی کے احوال و افکار/ص: ۳۱، تذکرہ علمائے اہل سنت مئو/ص: ۸۱-۸۳)

شیخ الحدیث مفتی مرغوب حسن قادری ادروی رحمہ اللہ: آپ یکم فروری سنہ ۱۹۴۹ء کو قصبہ ادری میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ ضیاء العلوم ادری، مدرسہ امجدیہ ادری، دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اور دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف میں تعلیم حاصل کی۔ فراغت کے بعد دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف سمیت ملک کے درجن بھر مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ متعدد تنظیموں اور تعلیمی اداروں کے بانی وسرپرست تھے۔ چالیس حدیثیں، اسلام اور مقصد ابن آدم، تذکرۃ النورانی، تذکرہ شاہ وجیہہ الدین امانی علیہ الرحمہ، علامہ شاہ وجیہہ الدین علوی گجراتی، جلوۂ حق، حکایات دیوبند، اسلام کا نظام حیات، عشرہ مبشرہ، تذکرہ علمائے ادری، حضرت شاہ باجن برہان پوری قدس سرہ، نعتیہ کلام، حج وزیارت اور آل سعود کے مظالم، مضامین قادری آپ کی تصنیفات وتالیفات ہیں۔ ۱۵ جولائی سنہ ۲۰۲۲ء کو آپ کا وصال ہوا۔ ادری ہی میں آپ کی تدفین ہوئی۔

(اسلام کا نظام حیات/ص: ۵۱۵-۵۱۹)

مولانا قاری رحمت اللہ خاں ادروی علیہ الرحمہ: آپ ادری کے بہت ہی عمدہ قاری اور حافظ قرآن تھے۔ شکل وصورت کے اعتبار سے نہایت حسین وجمیل تھے۔ آپ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کے فاضل تھے اور چند سالوں تک اشرفیہ کے شعبہ حفظ میں تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔ اس سے قبل آپ مدرسہ انوار العلوم تلسی پور (گونڈہ) میں مدرس رہے۔ اس زمانے میں بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی اور قاضیٔ شرع مولانا محمد شفیع اعظمی علیہما الرحمہ بھی انوار العلوم میں درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ بحر العلوم سے آپ کے بڑے دیرینہ تعلقات تھے۔ آپ حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری رحمہ اللہ کے منظور نظر تھے۔ جب حافظ ملت نے آپ کو ٹاٹا نگر (جمشید پور) میں منصب امامت پر فائز کرنا چاہا تو عرض کی کہ حضور! امامت بڑی ذمہ داری کی چیز ہے، اس لئے تدریس کے لئے کہیں جگہ منتخب کی جائے۔ حافظ ملت نے ارشاد فرمایا ''امامت بھی کوئی کام ہے؟ نماز تو پڑھنی ہی ہے۔ کیا دو قدم آگے، کیا دو قدم پیچھے۔'' حافظ ملت کے حکم پر ٹاٹا نگر تشریف لے گئے اور ایک طویل عرصے تک منصب امامت وخطابت پر فائز رہے۔ ربیع الآخر کی صبح صادق کے وقت سنہ ۱۹۹۴ء میں آپ کا وصال ہوا۔ نماز جنازہ مولانا اعجاز احمد خاں اعظمی ادروی رحمہ اللہ (سابق شیخ الحدیث دار العلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ) نے پڑھائی۔ تدفین آبائی قبرستان میں ہوئی۔

(راوی: مولانا محمد جعفر صادق اعظمی ادروی استاذ جامعہ ضیاء العلوم ادری، مئو)

قاری نذیر احمد ادروی علیہ الرحمہ: آپ راقم الحروف کے دادا کے بھائی اور مؤرخ اسلام علامہ ڈاکٹر عاصم اعظمی مدظلہ العالی کے ماموں تھے۔

آپ کی ولادت سنہ ۱۹۴۰ء کے آس پاس ہوئی۔ بچپن ہی میں آپ نابینا ہو گئے تھے۔ مدرسہ ضیاء العلوم ادری میں حفظ کیا۔ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کے شعبۂ قراءت میں داخلہ لے کر استاذ القراء قاری یحییٰ مبارک پوری علیہ الرحمہ سے دورۂ قراءت کی تکمیل کی۔ جامعہ عربیہ اظہار العلوم جہاں گیر گنج اور مدرسہ برکت العلوم نیواری (امبیڈکر نگر) میں ایک طویل عرصے تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور حفاظ کی ایک بڑی جماعت تیار کی۔ آپ مفتی اعظم ہند کے مرید تھے۔ یکم ذی قعدہ سنہ ۱۴۲۷ھ/ ۲۳ نومبر سنہ ۲۰۰۶ء بروز جمعرات بوقت ۱۰ بجے دن میں آپ کا وصال ہوا، آپ کی تدفین قصبہ ادری میں آبائی قبرستان میں ہوئی۔

مولانا محمد احسان خان مصباحی اعظمی ادروی علیہ الرحمہ: ادری میں آپ کی ولادت ہوئی۔ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور سے آپ نے دستارِ فضیلت حاصل کی، اشرفیہ میں شیخ الاسلام علامہ سید مدنی میاں کچھوچھوی حفظہ اللہ آپ کے ہم درس تھے۔ فراغت کے بعد آپ نے میدان تدریس میں قدم رکھا اور کئی ایک مدارس اسلامیہ میں تدریسی خدمات انجام دیں، مدرسہ انوار العلوم جین پور اور مدرسہ تنویر العلوم نوشہرہ میں درس دینے کے بعد کچھ سال شیموگہ (کرناٹک) اور ممبئی (مہاراشٹر) میں بھی رہے، پھر راجستھان کے ڈونگر گڑھ میں چودہ سال رہے اور مدرسہ قائم کیا، وہاں سے جائل ضلع ناگور گئے، اس کے بعد ناگور شریف تشریف لائے اور شان دار ملتانی مسجد کی از سر نو تعمیر کرائی اور دار العلوم صوفیہ حمیدیہ قائم کیا، نیز جامعہ اشرفیہ کے نصاب تعلیم کے مطابق دار العلوم صوفیہ حمیدیہ میں متوسطات تک تعلیم کا انتظام کیا۔ ۲۴ شوال سنہ ۱۴۳۷ھ/ ۳۰ جولائی سنہ ۲۰۱۶ء میں آپ کا وصال ہوا۔ قصبہ ادری ہی میں عیدگاہ کے مشرقی جانب موجود قبرستان میں آپ کی تدفین ہوئی۔

(از مولانا محمد شعیب اعظمی قریشی ادروی استاذ مدرسہ انوار العلوم جین پور، اعظم گڑھ)

شیخ الحدیث مولانا محمد سلطان ادروی علیہ الرحمہ: آپ اپنے استاذ مولانا مفتی ظہیر حسن قادری ادروی علیہ الرحمہ (ولادت: ۱۹۳۷ء۔ وصال: ۲۰۲۰ء) سے کچھ سال چھوٹے تھے۔ آپ نے مدرسہ ضیاء العلوم ادری، دار العلوم اشرفیہ مبارک پور اور دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں تعلیم حاصل کی۔ حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری، شیخ الحدیث علامہ عبد الرؤف بلیاوی، شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی اعظمی، مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی علیہم الرحمہ جیسے اکابر اہل سنت آپ کے استاذ تھے۔ مدرسہ ضیاء العلوم ادری، مدرسہ فیض العلوم محمد آباد، مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیر آباد، مدرسہ منظر حق ٹانڈہ، جامعہ عربیہ اظہار العلوم جہاں گیر گنج، مدرسہ عربیہ سلطان پور وغیرہ میں آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ علامہ یٰسین اختر مصباحی رحمہ اللہ اور علامہ محمد احمد مصباحی حفظہ اللہ وغیرہ آپ کے قابل ذکر شاگرد ہیں۔ ۱۱ صفر سنہ ۱۴۳۹ھ/ یکم نومبر سنہ ۲۰۱۷ء کو خلیفۂ مفتی اعظم ہند مولانا محمد سلطان رضوی ادروی علیہ الرحمہ کا وصال ہوا۔ ادری ہی میں سپرد خاک ہوئے۔

شیخ الحدیث مفتی ظہیر حسن قادری ادروی علیہ الرحمہ: آپ سنہ ۱۹۳۷ء میں قصبہ ادری میں پیدا ہوئے، زمانۂ طالب علمی ہی میں آپ حضرت مفتی اعظم ہند کے دست اقدس پر سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں بیعت ہو گئے تھے۔ آپ مدرسہ ضیاء العلوم کے اولین فارغین میں سے تھے۔ مدرسہ ضیاء العلوم کے بعد آپ نے دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا۔ شرح جامی تا دورۂ حدیث اور فن تجوید و قراءت کی تحصیل و تکمیل کے بعد شعبان المعظم سنہ ۱۳۷۸ھ/ سنہ ۱۹۵۹ء میں آپ نے دار العلوم اشرفیہ سے دستار فضیلت و سند فراغت حاصل کی۔ آپ نے اپنی زندگی کا تقریباً ۵۸ سال کا عرصہ (سنہ ۱۹۶۰ء۔ سنہ ۲۰۱۸ء) درس و تدریس میں گزارا۔

آپ نے جن درس گاہوں کی مسند تدریس کو رونق بخشی اُن مدارس اسلامیہ کے نام یہ ہیں: دار العلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ، مدرسہ علیمیہ انوار العلوم دامودر پور (مظفر پور)، مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ (مئو)، دار العلوم شاہ عالم احمد آباد (گجرات)، مدرسہ رضاء العلوم کنہواں سیتامڑھی (بہار)، دار العلوم منظر حق ٹانڈہ، دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی، جامعہ فاروقیہ بنارس، جامعہ حنفیہ غوثیہ بنارس، دار العلوم ضیاء العلوم خیر آباد (مئو)، مدرسہ عربیہ ضیاء العلوم نسواں ادری (مئو)

مفتی اعظم نیپال مفتی جیش محمد برکاتی مصباحی، مفتی مرغوب حسن قادری ادروی علیہما الرحمہ، مفتی اعظم ہالینڈ مولانا شفیق الرحمن بستوی، مولانا محمد جعفر صادق اعظمی، مولانا قاری اسماعیل خاں مصباحی خالص پوری حفظہم اللہ وغیرہ آپ کے شاگرد ہیں۔ ۲۲ ذی الحجہ سنہ ۱۴۴۱ھ/ ۱۳ اگست سنہ

۲۰۲۰ء کی شب میں مفتی ظہیر حسن کا وصال ہوا، آپ کی نماز جنازہ شہزادۂ صدر الشریعہ محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مصباحی حفظہ اللہ بانی جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی ضلع مئو نے پڑھائی۔ (تذکرہ علمائے اہل سنت مئو/ص: ۸۳-۸۵، مفتی ظہیر حسن ادروی/ص: ۲-۱۳)

محمد سلیم انصاری ادروی

مجلس نامہ

مولانا موصوف مجھ سے بڑی محبت فرماتے، اللہ مغفرت فرمائے

مولانا محمد ظفر الدین برکاتی صاحب! آپ کے ذریعے یہ خبر ملی کہ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کے ایک عقیدت مند نامور عالم دین، حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب نہیں رہے۔ إنا للہ وإنا الیہ رٰجعون۔ بڑی اندوہناک خبر ہے کیونکہ مولانا موصوف اپنے آپ میں ایک منفرد مصنف تھے اور سلطان الہند سے عقیدت ومحبت تو ہر خوش عقیدہ رکھتا ہے، یہ کہنے کی بات نہیں لیکن مولانا موصوف مجھ سے بھی بڑی محبت فرماتے تھے۔ جب وہ اجمیر شریف درگاہ کمیٹی کے رکن تھے تو برابر تشریف لایا کرتے اور عقیدت سے بات ملاقات کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک عرصے تک اُن کے ادارہ دار القلم سے ایک مولانا عبد السمیع صاحب رمضان المبارک میں چندہ کرنے آیا کرتے جو عام طور پر بیت النور میں ہی قیام کرتے تھے۔ مولانا موصوف نے ''خواجہ اجمیر اور بارگاہ خواجہ میں امام احمد رضا کی حاضری'' کے نام سے دو کتابیں بھی لکھی ہیں جس سے سرکار غریب نواز سے اور بھارت کی روحانی راجدھانی اجمیر شریف سے مولانا موصوف کی عقیدت وارادت واضح ہوتی ہے۔

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ عطائے رسول سرکار غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کے صدقے مولانا موصوف کی مغفرت کرے اور کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے اور سبھی پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

ابو الحسنین فقیر سید محمد مہدی میاں چشتی معینی۔ وکیل اشرفی، بیت النور، درگاہ اجمیر شریف

رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی کے امتیازات

علامہ یٰسین مصباحی بلا ریب ایک عظیم عالم، مسلک امام اہل سنت کے ناصر اور تعلیمات اسلامی کے ناشر ہونے کے شرف سے مشرف تھے۔

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درس نظامی کے نصاب میں داخل کرنے والے پہلے ادیب ہیں جو ایک بڑا امتیاز ہے اور ان کے محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا بین ثبوت ہے اور جس کی برکت سے یقیناً آپ زندۂ جاوید ہو گئے ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

رضویات پر امام احمد رضا قدس سرہٗ کے عالمی تعارف کے لئے آپ کی کتاب ''امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں'' ایک نہایت اہم ومفید اور مؤثر کتاب ہے۔ اہل توہب کا الزام تھا کہ یہ اہل بدعت میں ہیں۔ علامہ یٰسین اختر مصباحی نے ''امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات'' تالیف کر کے عالم کو باور کرا دیا کہ بدیلوی حضرات ہی اہل سنت ہیں اور دیگر فرقے اہل بدعت ہیں۔ مکہ مکرمہ کے جلیل القدر عالم اور محقق فضیلۃ الشیخ علامہ محمد بن علوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''مَفَاهِيمُ يَجِبُ أَنْ تُصَحَّحَ'' کا ترجمہ ''اصلاح فکر واعتقاد'' کے عنوان سے علامہ یٰسین اختر مصباحی نے بڑا خوبصورت، معنیٰ خیز اور اردو ادب کا شاہکار ترجمہ کر کے عالم کو صحیح افکار سے روشنا کرایا۔ علامہ یٰسین کی رضویات پر تو مذکورہ دو کتابوں کے علاوہ درجنوں نگارشات ہیں جو اہل سنت کی صحیح نمائندگی کرتی ہیں۔

۱۹۸۴ء میں سعودیہ سے واپسی کے بعد دہلی میں قیام کو علامہ یٰسین نے ترجیح دی اور اہل سنت کا کھویا ہوا وقار ایک حد تک اس شہر کو عطا کیا، جہاں اب ان کی جہد ومساعی سے اہل سنت کے تشخصات اور امتیازات کا جلوہ بہت نمایاں ہے۔

علامہ یٰسین اختر میرے مخلص دوست اور میدان تدریس میں بڑے عمدہ رفیق سفر رہے۔ آٹھ نو سال تک مادرِ علمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے شعبۂ ادب عربی میں تدریس کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ طلبہ میں ذوق ادب عربی پیدا کرنے میں بہت نمایاں کردار ادا کیا۔

۱۹۸۴ء سے قبل عربی زبان سے تعلق درس تک محدود تھا، طلبہ کو عربی زبان پر قدرت اس حد تک کہ بولنے اور لکھنے پر بھی ملکہ ہو اُس کا فقدان تھا۔ جلالۃ العلم حافظ ملت مؤسس الجامعۃ الاشرفیہ قدس سرہٗ نے اپنی دور بین نگاہ کے باعث چند طلبہ کو بیرون شہر عربی ادب میں کمال پیدا کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ ان میں راقم سطور بھی شامل تھا۔ ان فضلاء نے ۱۹۷۳ء سے اس میدان میں کام شروع کیا اور آٹھ نو سال کی کارکردگی کے نتائج بہت اچھے برآمد ہوئے اور بہت سے فاضلین اشرفیہ نے عربی زبان وادب میں کمال وبراعت پیدا کیا۔ اب بحمدہٖ تعالیٰ اہل سنت اس سلسلہ میں خود کفیل ہوگئے ہیں۔ ادباء کی ایسی ٹیم تیار کرنے میں خیر الاذکیاء صدیق حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، سابق صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ کا کردار بھی زبردست رہا ہے۔ انہوں نے نہ صرف یہ مبارک سلسلہ جاری رکھا بلکہ اس کو استحکام بخشا۔ علامہ یٰسین ان تاریخی نتائج سے منبسط تھے اور راقم بھی مسرور ومطمئن تھا۔ اب باذن اللہ تعالیٰ عصر حاضر میں دہلی سے اس مبارک سلسلہ کو آگے بڑھانے کا منصوبہ مکمل کرلیا گیا ہے۔

علامہ یٰسین کی صلاحیتیں انہی مذکورہ پہلوؤں تک محدود نہ تھیں بلکہ ان سے بھی بہت آگے آپ کا مقام تھا۔ الجامعۃ الاشرفیہ میں امام احمد رضا کی شخصیت پر ڈاکٹریٹ کے مقالے ''فقیہ اسلام'' ہیں، بھی علامہ یٰسین کا ایک معقول حصہ ہے اور اس سے بڑھ کر یہ انکشاف ہے کہ امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی میں لکھا جانے والا تھیسس کی تکمیل میں بھی علامہ یٰسین اختر کا ایک عمدہ کردار رہا ہے۔ اس مقالہ میں امام احمد رضا اور مذہب اہل سنت کے بارے میں ڈاکٹر محمد مسعود احمد ماہر رضویات اور علامہ یٰسین اختر کے افادات سے ایسے حقائق قلم بند کیے گئے ہیں جو قابل مطالعہ ہیں۔ مقالہ نگار ڈاکٹر اوشا سانیال نے ''اظہار تشکر'' کے عنوان کے تحت علامہ یٰسین کا شکریہ وامتنان ان الفاظ میں رقم کیا ہے:

میں خصوصی طور پر مولانا یٰسین اختر مصباحی (دار القلم دہلی) کی ممنون کرم ہوں جن سے میں محترم پروفیسر مسعود صاحب کے توسط سے متعارف ہوئی (یہ دونوں حضرات ایک دوسرے سے ملے نہیں لیکن اپنی شہرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے لئے معروف ہیں) مولانا مصباحی چار ماہ تک میرے استاذ رہے چنانچہ انہوں نے مولانا احمد رضا کے فتاویٰ کے مطالعے اور اُن کے مشکل الفاظ واصلاحات اور طریق استدلال کو سمجھنے میں ہماری مدد کی۔ دہلی میں مصباحی صاحب کے ساتھ کام کے تجربے کا ہی فیض تھا کہ میں نیویارک واپس لوٹنے کے بعد دوسرے متون کو خود سے پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کی۔''

اِن الفاظ میں اوشا سانیال نے علامہ یٰسین اختر کی شاگردہ ہونے کا اظہار واعتراف کیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ مقالہ کی تکمیل میں علامہ یٰسین کا بھرپور فیضان رہا ہے۔ (برطانوی ہندوستانی میں عقیدت پر مبنی اسلام اور سیاست، ص۱۱)

اتنے اہم اور مفید اور نہایت نفع بخش کام کرتے ہوئے علامہ یٰسین اختر مصباحی اپنے خالق سے جاملے، اس دارفانی کو الوداع کہنا ہر متنفس کا حصہ ہے۔

کل ابن انثیٰ وطالت سلامته - یوماً علی آلة حدباء محمول (بانت سعاد)

ہر انسان چاہے اس کی عمر طویل ہوجائے یک نہ یک دن تابوت پر اٹھایا جائے گا۔

رب تعالیٰ علامہ یٰسین مصباحی کو اپنے جوار رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے اور ان کو اپنی رأفت اور کرم سے ڈھک لے۔

اللهم اغفرله مغفرة واسعة وحوّل قبره الی روضة منی ریاض الجنة وانزله فی نزل رحمته. انه لطیف و کریم وبالعباد رحیم۔ آمین۔

افتخار احمد قادری، خادم دار العلوم قادریہ غریب نواز، لیڈی اسمتھ، ساؤتھ افریقہ، ۴ ذوقعدہ ۱۴۴۴ھ / ۲۶ مئی ۲۰۲۳

ملت وجماعت کا خیر خواہ، جماعتی درد کا امین نہ رہا

رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسٓ اختر مصباحی رکن شوریٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، بانی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور، بانی دار القلم دہلی، اب اِس دنیا میں نہ رہے۔ مؤرخہ ۷ مئی ۲۰۲۳ء، شب دوشنبہ، ۱۷ شوال المکرم ۱۴۴۴ھ ۹ بج کر ۵۰ منٹ پر دہلی میں اپنی جان، جاں آفریں کے سپرد

کر گئے، پھر میت خالص پور، ادری مئو آبائی وطن لائی گئی اور وہیں دوسرے دن بعد مغرب سپر دلحد کیے گئے۔

مولانا یٰس اختر مصباحی علیہ الرحمہ نے کچھ عرصہ دارالعلوم غریب نواز الٰہ آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں تقریباً سات سال تک شیخ الادب رہے، پھر سعودی عرب میں چند سال گزار کر ہندوستان آئے اور دہلی کی سرزمین کو اپنا مستقر بنایا، ذاکر نگر اوکھلا نئی دہلی میں دارالقلم قائم کیا، جس سے متصل قادری جامع مسجد بھی ہے۔

وہاں دارالقلم کی عمارت میں ایک شاندار لائبریری بھی قائم کی اور ایک عرصے تک اپنی قلمی خدمات سے قوم وملت کو نوازتے رہے، ''حجاز جدید'' کے نام سے ایک ماہنامہ بھی جاری کیا جو چند سالوں کے بعد بند ہو گیا، پھر ماہنامہ ''کنزالایمان'' سے وابستہ رہے، اس کے مدیر اعلیٰ بھی رہے، اور پھر اُسے چھوڑنے کے بعد اس کے مشیر اعلیٰ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ کئی درجن کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں یہ کتابیں زیادہ مشہور ہیں: (1) المدیح النبوی (عربی)، (2) امام احمد رضا، ارباب علم و دانش کی نظر میں، (3) امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات، (4) ترجمہ الفوز الکبیر، (5) خاک حجاز کے نگہبان، (6) کنزالایمان اور دیگر تراجم قرآن کا تقابلی جائزہ، (7) سواد اعظم، (8) تعارف اہل سنت، (9) گنبد خضرا کے انہدام کی سازش، (10) امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، (11) امام احمد رضا اور مفتی اعظم، (12) مجاہد ملت کی مجاہدانہ عزیمت، (13) نقوش فکر (اداریوں کا مجموعہ)، (14) مجاہدین جنگ آزادی، (15) پیغام عمل، (16) معارف قرآن، (17) علمائے اہل سنت کی قیادت وبصیرت، وغیرہ۔

یہ اور بہت سی کتابیں آپ کے راہوارِ علم کی یادگار ہیں۔ عربی اور اردو دونوں زبانوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ ملک کی بڑی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں اعزاز سے مدعو کیے جاتے تھے، بلکہ بیرون ملک بھی آپ کو یاد کیا جاتا تھا۔ آپ کے مقالات کی اچھی خاصی تعداد ہے جنھیں کئی جلدوں میں یکجا کیا جا سکتا ہے۔ علمائے اہل سنت میں آپ کی شخصیت قائدانہ حیثیت کی مالک تھی، آپ کی دینی، تدریسی اور قلمی خدمات کا دائرہ نصف صدی کو محیط ہے، جرأت و بے باکی میں ممتاز تھے، استاذ العلماء حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مبارک پوری علیہ الرحمہ، بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی ثم مبارک پوری، علامہ قاضی محمد شفیع اعظمی علیہ الرحمہ کے ممتاز تلامذہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ ۱۹۷۰ء میں الجامعۃ الاشرفیہ سے فارغ ہوئے، آپ کے شاگردوں کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔

علامہ یٰس اختر مصباحی کیا گئے، فکر وقلم اور علم و دانش کا قطب مینار زمین بوس ہو گیا۔ میدان طریقت میں روحانیت کے تاجدار، شہزادہ اعلیٰ حضرت، سرکار مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی قدس سرہ کے دست اقدس پر شرف بیعت سے مستفیض تھے۔ آپ کے اس دنیائے فانی سے چلے جانے سے جماعت اہل سنت کا بہت بڑا خسارہ ہو گیا، اور خاص طور سے المجمع الاسلامی کا ایک ستون گر گیا۔ دارالقلم دہلی میں تو بالکل سناٹا چھا گیا۔ الجامعۃ الاشرفیہ سوگوار ہے اور خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف غم زدہ۔ آپ کیا گئے، فقیر نعمانی کا مخلص رفیق چلا گیا۔ جماعتی درد کا امین رخصت ہو گیا۔ فکر وفن، علم و دانش کا نقیب نہ رہا۔ ان کی حیات کا سلسلہ ٹوٹ گیا تو تصنیف وتالیف کے لئے رواں دواں قلم بھی نذر جمود ہو گیا۔ احباب غم زدہ ہیں۔ تلامذہ الم کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ گھر والوں پر کیا گزری ہوگی اس کا تو اندازہ لگانا ہی مشکل ہے، میں جملہ اہل خانہ وفرزندان کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں اور تسلی کے لئے دعا گو اور خود بھی سوگوار میں شامل ہوں اور گہرے رنج وغم میں گرفتار۔

از: محمد عبدالمبین نعمانی قادری/ دارالعلوم قادریہ، چریاکوٹ، ضلع مئو (یوپی) رابطہ نمبر: 9838189592

علامہ یٰسین اختر مصباحی - کام اور فکری زاویے

عربی شاعر علی بن جہم نے بڑے پتے کی بات کہی ہے:

وَ لا خیر فی عیش امرئ و ھو خامل   و ذکر الفتیٰ بالخیر عمر مجدد
تنبہ عن النوم الحسام و لا تنم   لتبقی ، فما فی الارض شئ مخلد

ترجمہ: گمنامی کی زندگی گزارنے والے شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ بھلائی سے یاد کیا جانے والا فرد ایک نئی زندگی سے ہمکنار ہوتا رہتا ہے۔

ہلاک کرنے والی نیند سے بیدار ہو جا اور مت سوتا کہ تو باقی رہے کیوں کہ زمین میں کوئی شے ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔

حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ ’’عمر مجدد‘‘ کی منزل پر فائز ہیں کیوں انہوں نے اپنی راتوں کو اُنہی امورِ خیر میں گزارے ہیں جن سے نئی زندگی کی تازگی سے وہ ہمکنار ہیں۔ میری حضرت مخدوم سے شناسائی اس وقت ہوئی جب میں دورۂ حدیث کے لئے ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور حاضر ہوا۔ داخلہ کے بعد کتابیں حسب ذیل اساتذہ کے زیر فیض آئیں۔

(۱) بخاری شریف: بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی صاحب علیہ الرحمہ

(۲) مسلم شریف: محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب مد اللہ تعالیٰ ظلہ

(۳) ہدایہ: مفسر قرآن حضرت علامہ عبد اللہ خان عزیزی علیہ الرحمہ

(۴) بیضاوی شریف: حضرت علامہ محمد شفیع اعظمی علیہ الرحمہ ناظم تعلیمات اشرفیہ

(۵) دیوان الحماسہ: رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ

دیوان حماسہ حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کے یہاں تھی، وہاں ان سے فیضاب ہونے کا موقع ملا۔ ان کا طرز تدریس، علمی ممارست اور لغات عربی پر قدرت دیکھنے کو ملی۔ ان کا طرز تدریس بڑا انوکھا تھا۔ حماسہ جیسی کتاب کو وہ اس طرح تسہیل کے پیرائے میں پڑھاتے کہ اس کی مشکل پسندی کا اثر طلبہ پر نہیں ہوتا تھا۔ کلمات کی تشریح، مرادفات، ملحقات اور مآخذ سے بحث کرتے ہوئے شعر کی اجنبیت کو انس میں ڈھال دیتے تھے۔ علاوہ ازیں اندازِ تقریر اُن کا اس قدر جامع کہ نہ تو تطویل تھی نہ ہی ابہام پھر اشعار کی تشریح فرماتے۔ یہ بات ہر ذی علم پر واضح ہے کہ قدیم شعرائے جاہلی کی شاعری حقیقت پر مبنی ہوتی تھی اور اُن کے یہاں تصنع کا کوئی گزر نہیں تھا۔ اس شاعری کی داخلی کیفیت کو سامع یا طلبہ کے ذہن میں اتارنا کسی صاحب فن کا ہی وطیرہ ہو سکتا ہے اور حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ اس میں مہارت رکھتے تھے۔ میں نے ان کو فراغت کے بعد بھی کئی مرتبہ بعض سوالات کے جوابات میں اس جوہر کو دیکھا ہے۔

ان کی عربی کے نصوص شعری پر کافی گرفت تھی۔ کلمات عربی کے متونی تعلقات کو وہ بخوبی نبھانا جانتے تھے۔ ان کی درس گاہ کی ایک اور بھی خصوصیت تھی کہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت کے علمی وقار اور تشخص کو طلبہ کے ذہن میں علمی تناظر میں راسخ فرمادیا کرتے اور ان کی ہمہ گیر شخصیت پر بڑا جامع اور مدلل تبصرہ فرماتے جس سے طالب علم کے ذہن میں اعلیٰ حضرت کی قدآور شخصیت کا عکس اتر جایا کرتا تھا۔

ایک تفکیری زاویہ: وہ مسلک مہذب اہل سنت و جماعت کی وسعت کو جس تناظر میں دیکھ کر کام کرنا چاہتے تھے، وہ موجودہ فکری تناظر سے قدرے الگ تھا، ہمارے یہاں مسلک مہذب کو مخصص اور محدود کر دیا گیا جس سے غیروں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اس طرح انہوں نے ایک خط فاصل کھینچ کر ہمارے اسلاف کو اپنے حلقہ اثر میں شمار کر کے ہمارے لئے ان کو اجنبی بنا دیا۔ یہ ایک دسیسہ کاری کا عمل تھا جس پر ہماری جماعت میں کوئی تحریک نہیں پائی گئی۔ دوسری بات یہ کہ ملک کے سیاسی افق پر اُن لوگوں نے اپنے لوگوں کو تو چمکانے کی کوشش کی مگر ہمارے اسلاف جنہوں نے وطن مالوف کی سیاست میں کلیدی کردار ادا کیا تھا، اُن کو پس پشت ڈال کر گمنام کر دیا۔ اس طرح سے جن جن پہلوؤں پر مخالفین نے گرد کی تہیں جمائی تھیں ان کو صاف کرنا ضروری تھا تاکہ علمائے اہل سنت کا کلیدی کردار واضح ہو سکے مگر اُس پر سناٹا تھا لیکن علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ ان سب باتوں کو دیکھ رہے تھے اور شدت سے محسوس کر رہے تھے کہ اُن گرد کی دبیز تہوں کو جھاڑ کر عوام کو دِکھایا جائے کہ اب تک جو لوگ یک طرفہ کارروائی کر کے اپنے ضمیر فروش علما کو بطل حریت اور مجاہد آزادی کے الفاظ سے موسوم کر رہے ہیں، ان کی حقیقت کیا ہے؟ مگر ابھی وقت نہیں آیا تھا، تاہم فکری منصوبہ تیار ہو چکا تھا۔

اشرفیہ سے وہ سعودیہ چلے گئے جہاں چند سال رہ کر کچھ سرمایہ اکٹھا کیا اور ہندوستان واپس آ کر اپنے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنا چاہتے تھے جس کے لئے انہوں نے دہلی میں سنگلاخ زمین کو منتخب کیا۔ یہ اگرچہ بڑی عرق ریزی کی طالب تھی مگر

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں　　　نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

دہلی میں وہ ایک ایسے ادارے کا قیام چاہتے تھے جہاں سے قلمی جولانیت سے لوگوں کی فکری کیفیت کو متاثر کیا جاسکے۔اس لئے کئی برس کی مسلسل اور انتھک محنت سے آخر کار اپنا مقصد حاصل کر لیا مگر سعودی کی ساری کمائی یہاں صرف ہوگئی۔ان کی غیرت انا نے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔البتہ وہ اپنی حکمت عملی سے لوگوں کے دلوں میں جگہ بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ان کا رکھ رکھاؤ، سنجیدگی، علمی تبحر، بے نیازی اور کام کرنے کا جذبہ لوگوں کی نگاہوں میں تھا،لوگوں نے بھی سرآنکھوں پر رکھا اور دارالقلم کا عمل مکمل ہوگیا۔وہ اپنی جماعت میں لٹریچر کی قلت کو شدت سے محسوس کررہے تھے۔چنانچہ اشرفیہ کے عہد تدریس سے ہی انہوں نے خاکہ سازی شروع کردی تھی جس کا پہلا نقش ان کی معرکۃ الآرا تصنیف ''امام احمد رضا اور بدعات ومنکرات'' کی شکل میں ظاہر ہوا۔یہ کتاب ایک نئے اور معروضی اندازی میں ترتیب دی گئی ہے جس میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ پر متعصبین اور دسیسہ کاروں کے بے بنیادی اعتراضات کے جوابات انتہائی سنجیدگی، مدلل اور ثقاہت سے دیئے گئے ہیں اور قاری کو حقائق شناسی پر مجبور کرتے ہیں۔امریکہ کے اپنے ایک دورے کے موقع پر مفکر اسلام قمرالزماں اعظمی مدظلہ العالی نے ایک نشستی گفتگو میں علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''مولانا یٰسین اختر نے جدید نہج پر بہت بڑا کام کیا،ان کی تصنیف ''امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات'' نے جدید ذہن کو متاثر کیا اور لوگ اپنے غلط خیال سے باہر نکلے۔امام احمد رضا کی ذات پر جو اعتراضات کیے گئے،ان کا مولانا نے بہت مثبت انداز میں جواب دیا جس سے بہت سے ذہن صاف ہوئے۔''

اسی طرح سے تاریخی حقائق کو جس بے دردی اور چابک دستی سے توڑ مروڑ پیش کیا گیا ہے اس کا انہیں بہت دکھ تھا،وہ اس انتظار میں تھے کہ کب وقت آئے اور تاریخ کا صحیح اور روشن ورق قارئین کو پیش کیا جائے۔چنانچہ دارالقلم قائم کرنے کے بعد اُن متروکہ موضوعات کی طرف آپ نے بھرپور توجہ کی اور کئی کتابیں آپ کے قلم کی معنویت سے مرصع ہوکر منظر عام پر آئیں:

(۱) علماء وقائدین جنگ آزادی (۲) چند ممتاز علمائے انقلاب (۳) علامہ فضل حق اور انقلاب ۱۸۵۷ء (۴) ۱۸۵۷ء پس منظر وپیش منظر (۵) انگریز نوازی کی حقیقت۔یہ وہ کتابیں ہیں جو میرے میز پر فی الحال موجود ہیں اور کتنی تحریریں اس طرح کی ہیں جو میرے علم میں نہیں ہے،ان میں ہر کتاب ایک دستاویزی حیثیت کی حامل ہے اور ضرورت ہے کہ ان کتابوں کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے تاکہ جدید نسل میں جو علمائے اہل سنت سے متعلق غلط اندیشے پائے جاتے ہیں وہ دور ہوں اور عوام اس کو باور کریں کہ جن لوگوں کو آج تک مجاہد آزادی اور حریت پسند سمجھا گیا،وہ ملک وملت فروش اور غدار وطن تھے جنہوں نے انگریزوں کی غلامی کو ملک وملت پر ترجیح دی۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب میں اہل سنت کے جو نامور علما شامل ہوئے اور انگریزوں کے خلاف فتویٰ جہاد صادر فرمایا،اُن کا کہیں ذکر تک نہیں کیا جاتا۔علامہ فضل حق خیرآبادی، مفتی صدرالدین آزردہ، مولانا کفایت اللہ کافی مرادآبادی علیہم الرحمہ وغیرہ۔خود حضرت کافی کے بارے میں یہ تاریخی واقعہ مشہور ہے کہ جب آپ کو تختۂ دار پر لٹکانے کے لئے لے جایا جارہا تھا،اس وقت آپ نے عشق رسول میں ڈوب کر یہ معطر کلام پڑھا تھا:

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا — پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا
ہم صفیر! باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا — بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کافی ولیکن حشر تک — نعت حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ نے اپنی فکری توانائی کو اپنے مسلک مہذب کی توثیق وثبوت میں صرف کرکے اہل سنت وجماعت کی طرف سے فرض کفایہ کا فریضہ انجام دیا ہے۔میں امریکہ سے جب بھی وطن مالوف جاتا تو ملاقات کے لئے دارالقلم ضرور جاتا تھا۔ایک بار ایک ملاقات کے دوران مخالفین کی ان رکیک حرکتوں کا ذکر کیا جو وہ لوگ اسلاف کی کتابوں میں تحریف کرکے اپنا عقیدۂ باطل سچ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یاد رہے کہ مکتب دیوبند کے پیروکاروں نے اکابرین کی کتابوں میں من گڑھت اور بے تحاشا تحریفات کرکے ایک طرف اہل سنت کے متوارث نظریہ وعمل کو خلاف شرع ثابت کرنے کے لئے یہ ناجائز کام کیا ہے،دوسری طرف اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ جو مشہور شخصیات جیسے شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وغیرہ کو اپنے مکتب فکر کا نمائندہ ثابت کریں۔ چنانچہ دیدہ دلیری کا یہ حال کہ کتابوں کی عبارتوں میں تحریف وتبدل کے ساتھ ساتھ فرضی ناموں کی کتابیں خود لکھ کر اُن کے نام موسوم کردی گئیں۔ چنانچہ گفتگو اس موضوع پر چل پڑی تو فرمانے لگے:

''میں خانقاہ شاہ ابو الخیر کے سجادہ نشین شاہ ابو الحسن زید فاروقی دہلوی سے کئی بار مل چکا ہوں۔انہوں نے فرمایا کہ مولوی اسماعیل دہلوی کے پیروکاروں نے شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز علیہما الرحمہ کی تحریروں اور کتابوں میں تحریف کر کے ابن نجدی کے نظریات کو شامل کردیا ہے۔'' (ملاقاتی گفتگو)

اور یہ صرف انہیں بزرگوں کی کتابوں تک محدود نہیں ہے بلکہ ان خدا نا ترسوں نے تو اکابرین امت کی کتابوں میں بھی تحریف سے گریز نہیں کیا۔اس سلسلے میں جناب فضل اللہ صابری چشتی کی کتاب ''تحریفات'' ایک جیتا جاگتا ثبوت ہے جس میں فاضل مولف نے اصلی عبارتوں کی فوٹو کاپی کے ساتھ مکمل ثبوت پیش کرتے ہوئے واضح کیا کہ تحریفات کا یہ سلسلہ کتنا دراز ہے اور کتنے گھناؤنے کارڈ کھیلے گئے ہیں۔

ع چہ دلا درست دزدے کہ بکف چراغ دارد

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی بارہ کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''آج تک کم سے کم خاکسار کے علم میں ان کتابوں کا کوئی مخطوطہ نہیں ہے۔'' (۱۸۵۸ء پس منظر و پیش منظر، ص ۴۴)

پھر کئی اُن کتابوں کا ذکر کیا جو دراصل شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی تصانیف نہیں مگر خدا نا ترسوں نے اپنی طرف سے لکھ کر اُن کے نام سے طبع کرایا۔اس پر آپ فرماتے ہیں:

''مندرجہ ذیل رسائل میں اہل سنت والجماعت کے نظریات سے متضاد نظریات اور وہ متشددانہ افکار پیش کیے گئے ہیں جن کو یہ حضرات تمسك بالكتاب و السنة کا نام دیتے ہیں جو کتاب التوحید کی بازگشت ہیں۔اس طرح شاہ صاحب سے احناف کو جن کی برصغیر میں اکثریت ہے بدظن اور دور کرنے کی کوشش ہے۔'' (ایضاً ص ۴۵)

یہی وہ حقائق تھے جنہوں نے آپ کو کسی کل سکون نہیں لینے دیا اور اپنی تصانیف میں آپ نے تہہ در تہہ جمی ہوئی عناد کی گرد کو صاف کیا۔ چنانچہ اسی تناظر میں آپ کو اہل سنت و جماعت کا اصل چہرہ پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے ذیل کی کتابیں رقم فرمائیں:

(۱) سواد اہل سنت و جماعت۔عقائد و معمولات (۲) تعارف اہل سنت (۳) سواد اعظم

ان میں آپ نے ماضی کے اسلاف کبار کو نقل کرتے ہوئے معمولات اہل سنت کو مبرہن کیا ہے کہ جو معمولات عوام اہل سنت میں رائج ہیں ،وہ آج کی پیداوار نہیں بلکہ یہی سواد اعظم کا وطیرہ رہے ہیں اور صدیوں سے اسی پر برصغیر میں عوام عمل کرتے رہے ہیں۔

آپ کے سوچنے کا انداز بہت مختلف تھا،حقائق کی گہرائیوں میں اتر کر اس کا جائزہ لیتے پھر کوئی فیصلہ صادر فرماتے جس سے پھر مخاصم کا ناطقہ بند کردیتے۔ایک سفر کے دوران بیان فرمایا کہ ''ایک شخص فاضل دیوبند نے مجھے فون کر کے کچھ غلط باتیں کیں، میں نے اس کو گفتگو کے لئے دعوت دی،مگر وہ نہیں آیا۔ پہلے وہ مسلسل فون کرتا تھا مگر جب میں نے اس کو مبارزت کے لئے للکارا تو اب میرے فون کو نہیں اٹھاتا۔ میں نے مسلسل فون کیے کہ اس سے بات ہو جائے مگر ایسا خاموش ہوا کہ پھر دوبارہ اِدھر کا رخ نہیں کیا۔''

امام اہل سنت کے اُن خدوخال کو وہ واضح کرنا چاہتے تھے جو اسلام کے تقاضوں کو کلیۃً پورا کرتے ہیں اور اُن کے جلالت علمی اور رسوخ فی المذہب کا ایسا احاطہ کرنا چاہتے تھے جو بالکل انوکھے ہوں۔ چنانچہ آپ نے وہ اسلوب بیان اختیار کیا جو جدید ذہنوں کو دعوت فکر دیتے ہیں (۱) امام احمد رضا اور ردبدعات و منکرات نیز (۲) امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں جو اسلوب نگارش اختیار کیا گیا ہے وہ انتہائی جاذب اور حقیقت کو دن کے اجالے میں ظاہر کرنے کے مترادف ہے۔یہی وجہ ہے کہ امام اہل سنت کی علمی جلالت اور فنی مہارت کا اعتراف ان لوگوں نے بھی کیا جو اعلیٰ حضرت سے متفق نہیں تھے۔آپ نے رضویات کو عصری ضرورتوں کے مطابق پیش کرنے کا بیڑہ اٹھایا جس میں وہ بہت حد تک کامیاب رہے۔امام اہل سنت کے علمی وثوق کو دلائل کی روشنی میں لا کر نئی نسل کو پیش کیا جائے تو اُن کی جلالت علمی کا روشن نقش ان کے دلوں پر ضرور ثبت ہوگا۔

ان کی تحریروں میں جو سلاست ،معنویت ،ادراکیت اور معقولیت پائی جاتی ہے، وہ کسی سے چھپی ڈھکی نہیں۔یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے

'حجاز جدید' ماہنامے کا اجرا کیا تو دیکھتے دیکھتے وہ ملک میں ایک معیاری جریدہ کی حیثیت سے بہت جلد اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہو گیا پھر اس کے بند ہونے کے بعد ''کنزالایمان'' کا اجراء ہوا۔اس کی ادارت آپ کے ذمہ آئی تو اس کے اداریہ نے وہ روح پھونکی کہ لوگ عش عش کرا ٹھے۔اس کے اداریہ پر ایک بار مفکر اسلام علامہ قمرالزماں اعظمی صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا تھا:

''ماشاءاللہ اتنا خوبصورت، جامع اور برمحل اداریہ دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ کوئی آپ کو نظر نہ لگادے۔

ان کے قلمی تنوعات پر تفصیلی بحث کرنے کے لئے ایک تفصیلی مقالے کی ضرورت ہے۔تراجم میں ایسی ایسی کتابیں ہیں جن کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔زمین حجاز کے عظیم اسکالر علامہ ڈاکٹر علوی مالکی علیہ الرحمہ کی مشہور زمانہ کتاب **مفاهيم يجب ان تصحا** کا انتہائی خوبصورت سلیس ترجمہ رواں اردو میں 'اصلاح فکر واعتقاد' کے نام سے جب آپ نے فرمایا تو اس کی طلب لوگوں میں شدت سے محسوس کی گئی۔ایک عمدہ عربی ادیب اور عربی اشعار کے حفظ پر قدرت کا علمی شاہکار ''المدیح النبوی'' ہے جو آج بھی اکثر مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہے۔

مذہبی فکر و ذہن ہونے کے ساتھ ساتھ ملکی سیاست پر بھی آپ کی نظر بہت گہری تھی۔ماہنامہ حجاز جدید دہلی اور ماہنامہ کنزالایمان دہلی کے اداریے ''نقوش فکر'' کے نام سے منظر عام پر آچکے ہیں، ان اداریوں کو دیکھ کر سیاسی بصیرت کی داد دینی پڑتی ہے۔وہ اگرچہ عملی سیاست سے ہمیشہ دور رہے مگر ایک مفکر کی حیثیت سے انہوں نے اپنے اداریوں میں جو لکھا وہ آگے چل کر مشاہدہ کیا گیا۔بقول شاعر مشرق:

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ — مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ — ایام جدائی کے ستم دیکھ جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم ورجا دیکھ

دہلی سوگوار ہے، دارالقلم گریاں کناں ہے، قادری مسجد اپنی خموش سسکیوں سے اپنے بانی اور موسس کو ڈھونڈ رہی ہے۔اب وہ ہم میں نہیں مگر اُن کی تحریک زندہ ہے، ان کا کام زندہ ہے اور جو تحقیقی قلعہ انہوں نے تعمیر کیا تھا، وہ بھی زندہ ہے۔کاش دارالقلم کو کوئی ایسا خضر راہ مل جائے جو حضرت مرحوم علیہ الرحمہ کی نیابت کر سکے مگر ع ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے (غالبؔ)

رب کریم ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند بلند فرمائے، جنت میں ان کو اعلیٰ مناصب کرم کرے اور ان کے دینی کاموں کا صلہ برزخ وحشر اور جنت میں عطا فرمائے۔حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت خاص سے ان کو بہرہ ور فرمائے اور صاحبزدگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(مولانا) قمرالحسن قادری، قمر بستوی، امریکہ

دہلی کے افق پر چمکتا روشن ستارہ

حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم عالم دین تھے، محقق دوراں تھے، مصنف کتب کثیرہ تھے، رئیس التحریر تھے، آسمان علم کے نیر تاباں تھے، دہلی کے افق پر چمکنے والے روشن ستارے تھے۔وہ سادگی کا عظیم نمونہ تھے، متانت کی بہترین مثال تھے، سنجیدگی کی زبردست علامت تھے، ارد گرد رکھی ہوئی کتابوں کے منظور نظر تھے۔ساری عمر قلم کو ہاتھ میں تھامے رکھا، تحریر کے ساتھ پکی دوستی رکھی۔

انہوں نے ساری زندگی دین ومسلک کی خدمت میں گزاری، ان کی کتابوں کو پڑھ کر بہت سے تشنگان علم کی پیاسیں بجھیں۔وہ ایک عظیم انسان تھے۔کمال کی شخصیت تھے۔لکھنے پڑھنا اُن کا محبوب مشغلہ تھا۔اہل علم کے ساتھ رابطے میں رہتے اور اس پر خوش ہوتے تھے۔میں نے ان کی تحریروں سے بچپن سے ہی استفادہ کیا، انہوں نے امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات جیسی کتاب لکھ کر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا حقیقی چہرہ دنیا کے سامنے رکھا۔عرفان مذہب ومسلک لکھ کر مجدد ومجتہد کو مکفر ومتشدد ثابت کرنے والوں کا ناطقہ بند کیا۔

چند سال پہلے جب حضرت مولانا محمد ظفرالدین برکاتی مدظلہ (دہلی) کے توسط سے ان کے ساتھ رابطہ ہوا تو دل خوشی سے پھولا نہ سمایا۔انہوں

نے ہمیں ہمارے واٹس ایپ کے عالمی مصطفوی اسکالرز گروپ میں شمولیت کا اعزاز بخشا۔ وہ وہاں مسلسل محبتیں نچھاور فرماتے رہتے۔ ہفتے مہینے بعد بہت سی علمی تحریریں اور کتابیں سینڈ فرماتے رہتے۔ مصطفوی گروپ میں ان کا وجود سراپا سعادت تھا۔ انہیں گروپ میں موجود پاکر ہم چھوٹے اپنے آپ کو بڑا بڑا سا محسوس کرتے۔

اللہ تبارک وتعالی بوسیلہ مصطفی ان کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے. جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پروفیسر عون محمد سعیدی مصطفوی، جامعہ نظام مصطفی بہاولپور

ہر مجلس میں آپ کو نہایت سرگرم دیکھا

۱۷ / شوال ۱۴۴۴ھ رات ۹ / بج کر ۵۰ / منٹ پر مختلف ذرائع سے یہ خبر موصول ہوئی کہ ماہر رضویات رئیس القلم حضرت علامہ مولانا یٰسٓ اختر اعظمی مصباحی صاحب بانی دارالقلم دہلی اِس جہان فانی سے رخصت ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ رٰجعون۔

موصوف میرے اساتذۂ کرام میں تھے اور نہایت مہربان، ہمیشہ ان کو میرے دینی کاموں سے مسرت ہوتی تھی، بریلی شریف میں جب امام احمد رضا اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا تو نہایت مسرت بھرے انداز میں اس کو سراہا پھر بہت سے کاموں میں مفید مشورے بلکہ علمی طور پر شرکت فرمائی، جیسے یہاں رضویات پر کام کے سلسلہ میں متعدد نشستیں ہوئیں تو ہر مجلس میں آپ کو نہایت سرگرم دیکھا۔ اولاً ہمارے دیرینہ کرم فرما بھائی الحاج محمد سعید نوری بانی رضا اکیڈمی ممبئ نے بریلی میں امام احمد رضا اکیڈمی کی اشاعت رضویات کے تعلق سے اکابر علمائے کرام کی متعدد مجالس کا انعقاد کیا تو آپ ہر مجلس میں موجود رہے اور قیمتی تجاویز پیش فرمائیں، پھر جب امام احمد رضا اکیڈمی نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے صد سالہ عرس کے موقع پر رضویات کے ایک مکمل سیٹ پر کام کرنے کا منصوبہ بنایا تو اُس کی نشستوں میں بھی آپ نہایت سرگرم تھے، ہر میٹنگ میں شرکت فرماتے اور لائحہ عمل بناتے، اُنہی ایام میں علمائے کرام کی ایک باوقار مجلس البرکات علی گڑھ میں آپ ہی کی تحریک پر منعقد ہوئی جس میں آپ نے مجھے حکم دیا کہ فتاویٰ رضویہ کے تعلق سے تم اپنے منصوبہ کو بیان کرو۔ میں نے بیان کیا تو آپ نے ایک درجن کے قریب موجود علمائے کرام کو اس جانب متوجہ کیا پھر ہر ایک کو مختلف جلدوں کی پروف کی ذمہ داری سونپی اور یہ کام نہایت خوبیوں کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت کی سیرت وسوانح پر تفصیلی انداز میں ایک کتاب مرتب کرنے کی ذمہ داری آپ نے مجلس کی متفقہ رائے سے مجھے سونپی اور بحمدہ تعالیٰ میں نے اس کو بیس جلدوں میں ''جہان امام احمد رضا'' کے نام سے مرتب کیا جو بارہ ہزار سے زیادہ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور مطبوع ہے۔

غرض کہ آپ نے اشاعت رضویات کے ان منصوبوں میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس کامیاب سفر میں آپ کی ہدایات اور مشورے، میرے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتے تھے، پھر رضویات پر خود اُن کا اپنا قلمی کام اتنا اہم تھا، اور ہے کہ جس کی شہرت ومقبولیت پوری دنیائے سنیت میں ہے، آپ کی کتاب ''امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات'' اپنی نوعیت کی اولین کتاب ہے جس نے امام احمد رضا کے خلاف اغیار کے اس پروپیگنڈے کو خاک میں ملا دیا جو اُن کے یہاں عام تھا کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنی کتابوں میں صرف چند بدعات کو فروغ دینے کا کام کیا اور بس۔ موصوف نے اس کتاب میں مخالفین کے اُن تمام الزامات کا تحقیقی جائزہ لیا ہے اور امام احمد رضا کی تصانیف سے یہ ثابت کر دِکھایا ہے کہ آپ ایسے مصلح اور رہنما تھے جنھوں نے اصلاح عقائد کے ساتھ اصلاح اعمال کے لئے اتنا کچھ لکھ دیا ہے کہ ایک جماعت بھی مل کر نہیں لکھ سکی۔

آپ کی تصانیف میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے علوم ومعارف پر تحقیقات عالیہ شایان مطالعہ ہیں، آپ نے اپنی کتاب ''امام احمد رضا کی محدثانہ عظمت'' میں اعلیٰ حضرت کی فن حدیث میں مہارت کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

رضویات کے ضمن میں ان کا اولین زمانہ ''امام احمد رضا.... ارباب علم ودانش کی نظر میں'' کے نام سے موسوم کتاب ہے جس میں آپ نے اعلیٰ حضرت کے تعلق سے کثیر تعداد میں اصحاب علم وفضل کے انمول تاثرات تحریر کیے ہیں، ۱۹۷۶ء کے آخر میں جب راقم الحروف الجامعۃ الاشرفیہ

مبارکپور میں زیر تعلیم تھا تو اُس وقت خارجی اوقات میں عربی زبان وادب کی تحصیل کے لئے آپ کے پاس حاضری ہوتی تو درس کے علاوہ اعلیٰ حضرت کے تعلق سے بہت کچھ تفصیلات سناتے اور اپنی مصروفیات میں اہم مصروفیت اعلیٰ حضرت کے تحریری تعارف میں مشغولیت بیان فرماتے تھے۔ساتھ ہی یہ بھی بیان کرتے کہ اس وقت بہت سے اصحاب فضل وکمال اعلیٰ حضرت کے تعارف میں مشغول ہیں اور اہل سنت کے لئے یہ اس وقت کی اہم ضرورت ہے، کیونکہ اغیار نے آپ کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈہ کررکھا ہے۔

اس زمانہ میں اعلیٰ حضرت پر کچھ لکھنا اتنا آسان نہیں تھا جتنا آج کل ہے، وہ دور ایسا تھا کہ اس وقت تک اصل مآخذ بھی منظر عام پر نہیں تھے، فتاویٰ رضویہ کی چند جلدیں ہی طبع ہوئی تھیں، رسائل بھی مختصر تعداد ہی میں شائع ہوئے تھے۔ایسے دور میں اصل رضویات تک رسائی نہایت دشوار مرحلہ تھا۔اسی بے سروسامانی کے عالم میں آپ نے مذکورہ بالا کتاب تحریر فرمائی۔بعدہ آپ نے ”امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات“ لکھی جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے رضویات کا نہایت گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔اس طرح رضویات کی خدمات میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا۔

رضویات کے ضمن میں آپ کی صرف یہ دو تین کتابیں ہی نہیں بلکہ آپ نے بہت کچھ لکھا ہے جس کی تفصیل یہاں مقصود نہیں، دوسرے مضمون نگار اُس سے متعلق بہت کچھ تفصیلات بیان کریں گے، میں صرف ایک گوشہ مزید بیان کرنا چاہتا ہوں۔دہلی میں ایک ملاقات کے دوران اعلیٰ حضرت پر تحقیقات کا ذکر ہوا۔امام احمد رضا اکیڈمی بریلی کا ذکر آیا تو میں نے عرض کیا کہ ابھی حال ہی میں بریلی شریف ڈاکٹر اوشا سانیال کا آنا ہوا جنھوں نے اعلیٰ حضرت پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ہے اور ان کو کولمبیا یونیورسٹی نیویارک (امریکہ) سے ڈگری ملی ہے، وہ ہمارے یہاں اکیڈمی آئیں تو اکیڈمی کا گوشہ رضویات دیکھ کر حیران تھیں کہ اعلیٰ حضرت پر اتنا بڑا ذخیرہ یہاں جمع ہوگیا ہے، ہم جب آئے تھے تو ہمیں یہ سب کچھ نہیں مل سکا تھا۔

اس موقع پر مجھے حضرت استاذ محترم سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر اوشا سانیال نے یہاں دہلی میں آپ کے پاس چند ماہ رہ کر رضویات کے تعلق سے بہت کچھ تقریری وزبانی معلومات فراہم کیں اور اس زمانہ کی سہولت کے مطابق ان معلومات کو دو سو کیسٹوں میں محفوظ کر کے ان کی روشنی میں ایک جامع مقالہ لکھا، جس پر کولمبیا یونیورسٹی نیویارک سے ان کو ڈگری ملی، یہ مقالہ پہلے انگلش میں اور اب اردو میں بھی شائع ہوگیا ہے۔اس کے ابتدائیہ میں ڈاکٹر اوشا سانیال نے آپ کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا ہے اور آپ کو اپنا استاذ لکھا ہے اور آخر میں یہ بطورِ خاص لکھا ہے:

”دہلی میں مصباحی صاحب کے ساتھ کام کے تجربہ کا ہی فیض تھا کہ میں نیویارک لوٹنے کے بعد دوسرے متون کو خود سے پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرسکی۔“ وضاحت: اس مقالے کا عنوان ہے ”برطانوی ہندوستان میں عقیدت پر مبنی اسلام اور سیاست“ مزید تعارف میں لکھا ہے: اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور اُن کی تحریک ۱۸۷۰ء-تا-۱۹۲۱ء۔

رضویات کے تعلق سے آپ کے کارنامے صرف اتنے نہیں کہ اس مختصر مضمون میں بیان کردیے جائیں، اس کے لئے تفصیل درکار ہے جو آئندہ، ان شاء المولیٰ تعالیٰ۔مولیٰ تبارک وتعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آپ کے صاحبزادگان اور دیگر پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔آمین بجاہ النبی الکریم، علیہ التحیۃ والتسلیم۔

شریک غم: محمد حنیف خاں رضوی بریلوی، ناظم اعلیٰ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف، ۹؍ذوالقعدہ ۱۴۴۴ھ

علامہ یٰسٓ اختر مصباحی: عظیم مفکر اور بہترین مشیر

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

اب بڑی تیزی کے ساتھ ہمارے وہ علما جو، اہل سنت وجماعت کی نمائندگی کرتے تھے جو جہاں دیدہ، صائب الفکر اور صائب الرائے بھی تھے اور جن کی فکر کی پختگی اور جن کی سیاسی بالغ نظری کی بنیاد پر اہل سنت وجماعت کو کافی ناز تھا، وہ شخصیات ہمارے درمیان سے یکے بعد دیگرے رخصت ہورہی ہیں۔اُنہی شخصیات میں حضرت علامہ یٰسین اختر صاحب قبلہ مصباحی علیہ الرحمہ بھی ہیں جو، اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب قبلہ بہت دور اندیش تھے۔ ملت کی تعمیر اور قوم کی فلاح و بہبود کے سلسلے میں ہمیشہ فکر مند رہے۔ آپ نے صرف قلم سے ہی مذہب و مسلک کی خدمات انجام نہ دیں بلکہ غور و فکر کے بعد جب بھی کوئی مشورہ عطا کرتے تو وہ مشورہ قابل قبول ہی نہیں بلکہ نہایت سودمند ہوا کرتا۔ میں اپنی اِس مختصر تحریر میں اپنی زندگی کے چند واقعات آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں تاکہ آپ محسوس کر سکیں کہ علامہ یٰسین اختر صاحب نور اللہ مرقدہ کے سنی دعوت اسلامی کے ساتھ کس طرح کے معاملات رہے۔

جب تحریک سنی دعوت اسلامی کا قیام عمل میں آیا تو حضرت علامہ ارشد القادری صاحب علیہ الرحمہ اور حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ یہ دونوں شخصیات کچھی میمن جماعت خانہ میں حاضر تھیں۔ حضرت رئیس القلم نے مجھے یاد فرمایا، میں خود حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم دونوں بیٹھ کر دستور العمل ترتیب دیتے ہیں، آپ اپنی تحریک کو اُنہی خطوط پر لے کر چلنے کی کوشش کریں۔ ان دونوں حضرات نے دستور العمل تیار کیا۔ الحمدللہ اُن خطوط پر چل کر ہمیں خوب کامیابی ملی۔

مجھے جب بھی کوئی نیا ادارہ قائم کرنا ہوتا تو میں کوشش کرتا کہ اولاً علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ سے، ثانیاً علامہ یٰسین اختر مصباحی سے مشورے کرتا۔ الحمد للہ! تصنیف و تالیف وغیرہ کے سلسلے میں بھی مذکورہ دونوں شخصیات سے مشاورت کا سلسلہ رہا۔ جب سنی دعوت اسلامی سے میگزین شائع کرنے کا منصوبہ بنا تو اِس سلسلے میں بھی رئیس التحریر سے مشورہ کیا تو اُنہوں نے چند نام تجویز کیے جن میں ایک سہ ماہی ''سنی دعوت اسلامی'' بھی تھا، آپ نے فرمایا کہ اگر آپ اس نام سے میگزین شروع کریں گے تو تحریک کا نام بھی پہنچے گا اور کام بھی پہنچتا رہے گا۔ آپ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے سن ۲۰۰۵ء میں سہ ماہی ''سنی دعوت اسلامی'' کا آغاز ہوا جو بعد میں ماہنامے میں تبدیل ہوا۔ اب ہر ماہ آن لائن یہ ماہنامہ شائع ہو رہا ہے۔ اسی طرح جب میں نے تحریک کے تصنیفی و تالیفی ادارہ کے قیام کے بارے میں سوچا تو اُس کے نام کے سلسلے میں بھی آپ سے مشورہ کیا تو اُس وقت بھی آپ نے کئی نام عطا فرمائے لیکن جس نام پر اتفاق ہوا، وہ ''ادارہ معارف اسلامی'' ہے جس سے اب تک ہزاروں کی تعداد میں مختلف موضوعات پر چار زبانوں میں کتب و رسائل چھپ کر کے منظر عام پر آ چکے ہیں۔

علامہ یٰسین اختر مصباحی کا نام، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تعلیمات کو عام کرنے والوں کی فہرست میں بہت نمایاں ہے۔ فکر رضا کو عام کرنا اُن کی زندگی کا نصب العین تھا، وہ اہل سنت کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں ہمہ وقت فکر مند رہا کرتے۔ جب بھی اعلیٰ حضرت یا اُن کی تعلیمات پر اعتراضات کیے گئے تو اُس مرد قلندر نے قلمی جہاد کرتے ہوئے ان کا دندان شکن علمی جواب دیا۔ الزام لگایا گیا کہ مولانا احمد رضا بدعتی تھے، وہ بدعتوں کو رواج دیتے تھے۔ مصباحی صاحب نے اس الزام تراشی کا قلمی جواب لکھا اور ''امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات'' کے نام سے تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل کتاب تحریر فرمائی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے امام احمد رضا قدس سرہ کی داعیانہ و مصلحانہ زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ہر خاص و عام کے سامنے آ جاتی ہے۔

ایک مرتبہ مجھے خیال آیا کہ امام عشق و محبت اعلیٰ حضرت کے حوالے سے عوامی جلسے تو ہوتے ہیں جن کے اندر عوام شریک ہوتے ہیں، پڑھے لکھے اور دانش وروں کا طبقہ ایسے پروگراموں سے عموماً دور ہوتا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں بھی آپ سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک سیمینار کرایا جائے جس میں علما و دانش صاحبان سے مقالے لکھائے جائیں اور اُنہی میں سے کچھ شخصیات سے خطاب بھی کروایا جائے جو اعلیٰ حضرت کی زندگی کے مختلف اہم موضوعات پر مقالے پڑھیں اور خطاب کریں پھر حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ، سراج الفقہاء حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی صاحب قبلہ وغیرہ کے علمی و فکری تعاون سے یہ تاریخی اجلاس قیصر باغ ہال ڈونگری، ممبئی میں منعقد ہوا جس میں مفکر ملت رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر صاحب مصباحی نے ''امام احمد رضا کی سیاسی زندگی'' پر معلومات افزا اور بصیرت افروز خطاب فرمایا تھا جسے خواصِ اہل سنت نے خوب پسند کیا۔

مجھے یاد آتا ہے کہ مکرانہ راجستھان کے پروگرام میں جس میں میرا بیان ہونا تھا، اس میں رئیس التحریر بھی شریک تھے، آپ کے شاگردوں نے آپ کو بطورِ خاص مدعو کیا تھا، جب میرا بیان شروع ہوا تو میرے ایک جملے پر آپ نے اپنے مخصوص انداز میں جو داد و تحسین سے نوازا تھا، وہ آج بھی

میری نظروں میں گھوم رہا ہے، خوشی میں آپ جھوم اُٹھے اور آپ کے چہرے پر مسرت وشادمانی کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے دوران تقریر کہا تھا کہ آقائے کریم ﷺ جب اس فرش گیتی پر تشریف لائے تو آپ کی ذات گرامی سے سب سے پہلا فائدہ خواتین کو ہوا۔ آقا ﷺ کی ولادت کی خبر سن کر ابولہب نے اپنی باندی ثویبہ کو آزاد کر دیا۔ گویا دکھ کی ماری خواتین کو یہ پیغام دے دیا گیا کہ اب تمھیں فکر کی ضرورت نہیں، انسانیت کو طوق غلامی سے نجات دلانے والا عظیم نبی جلوہ گر ہو چکا ہے۔

ممبئی ہو یا دہلی جب بھی آپ سے ملاقات ہوتی تحریکی کاموں کے بارے میں استفسار فرماتے اور کاموں کی تفصیلات سن کر خوشی کا اظہار فرماتے۔ مختصر یہ کہ علامہ یٰسین اختر صاحب قبلہ مصباحی صاحب ایک عظیم اسکالر تھے۔ مذہب وسیاست پر اُن کی گہری نظر تھی، تاحیات مذہب ومسلک کے فروغ کے لئے کوشاں رہے۔ دہلی کی سرزمین یقیناً ایک ایسے شخص کی متلاشی تھی جو وہاں بیٹھ کر دین وسنیت کی خدمات انجام دے۔ آپ نے دہلی میں فروغ اہل سنت کے لئے جو کارنامے انجام دیے وہ ناقابل فراموش ہیں۔ آپ کی یہ خدمات سنہرے اوراق پر لکھی جائیں گی۔

آپ کو شاید معلوم ہو کہ جب ایک مخصوص حلقے کی طرف سے بعض قرآنی آیات پر اعتراضات کیے گئے تو اُس وقت بھی آپ نے ''آیات جہاد کا قرآنی مفہوم'' نامی کتاب تصنیف فرما کر باطل کا دنداں شکن جواب دیا۔ سنی دعوت اسلامی کے نشریاتی ادارہ ''مکتبہ طیبہ'' سے انگلش میں ترجمہ کرانے کے بعد اُسے شائع کیا گیا پھر اُس کتاب کو دور دور تک پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ مختصر اً یہ کہ جب کہیں سے بھی دینی، فکری، سیاسی حملے ہوئے تو اُنھوں نے اپنے قلم کی جولانیوں کے ساتھ اور اپنی مکمل علمی وفکری بالیدگی کے ساتھ ان حملوں کا جواب دیا۔ افسوس! وہ عظیم ہستی اب ہمارے درمیان نہ رہی لیکن ان کے قلم سے نکلی ہوئی درجنوں کتابیں اور اُن کے شاگرد آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہوں گے۔ رب کریم ان کی بخشش فرما کر جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین

مولانا محمد شاکر نوری (امیر سنی دعوت اسلامی)

رضا اکیڈمی کی ہر تحریک وعمل کے مشیر خاص

حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب نہ صرف ہمارے پیر بھائی ہیں بلکہ رضا اکیڈمی کی ہر تحریک وعمل کے مشیر خاص رہے اور ہماری دینی سماجی اور سیاسی قانونی سرگرمیوں سے خوش ہو کر بارہا فرمایا کرتے کہ رضا اکیڈمی پوری جماعت اہل سنت کی جانب سے فرض کفایہ ادا کر رہی ہے، اسی لئے آپ اکثر مواقع پر رضا اکیڈمی کے ساتھ کھڑے بھی نظر آتے اور بہت سی پیش قدمیوں کی اپنے الفاظ میں تائید وتحسین بھی لکھتے رہتے۔

رضا اکیڈمی نے جب ماہ نامہ ''حجاز جدید'' کے زمانے میں ''امام احمد رضا رد بدعات ومنکرات'' جیسی شاندار معلوماتی اور چشم کشا کتاب لکھنے پر اُنھیں ''امام احمد رضا ایوارڈ'' پیش کیا تو خود ہی آپ نے ہر پل اور مرحلے کی رپورٹ بھی لکھی۔ یہ حضرت کا بڑکپن تھا کہ بہت سے وہ کام خود ہی کر دیا کرتے جو اُن کے حصے کا نہیں ہوتا تھا۔

ہم نے بھی حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب کے مشورے اور تجاویز کے مطابق کام کرنے کو ترجیح دی ہے اور ہم اعتراف کرتے ہیں کہ حضرت مصباحی صاحب نے ہمیشہ بے غرضی اور خلوص وخودداری کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ ان کے جیسا خوددار، دین وسنیت کا خیرخواہ اور مذہب ومسلک کا مخلص کسی دوسرے کو نہیں پاتے ہیں، اس لئے ان کا وصال رضا اکیڈمی کے لئے بہت بڑا سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ رضا اکیڈمی کو حضرت مصباحی صاحب کا نعم البدل عطا فرمائے اور آپ کی دینی علمی تعلیمی خدمات کو آپ کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے اور آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

الحاج محمد سعید نوری اسیر مفتی اعظم ہند (آپ سے گفتگو کا خلاصہ)

جماعت اہل سنت کا قابل فخر مدبر اور سیاسی تجزیہ نگار عالم دین

حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی ہم سے جدا ہو گئے۔ جماعت اہل سنت کے حساس طبقہ میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ حساس طبقہ کی قید اس

لئے کہ جو حساس ہوتا ہے اُسے سود و زیاں کی فکر رہتی ہے۔ باقی وہ لوگ جو ''منم محو جمال من'' کے اسیر اور ''شدم غرق حصول زر'' کے وظیفہ خوان ہیں، انہیں ان کی رحلت سے کیا فرق پڑنے والا ہے۔ جماعت اہل سنت کا وہ طبقہ جسے جماعت کی فکر، اس کے تحفظ کا احساس اور اس کی اشاعت کا جذبہ بیکراں بے چین رکھتا ہے اُسے احساس ہے کہ ہم سے وہ عالم دین رخصت ہو گیا ہے جو مختلف محاذ کی کمانیں سنبھال رکھا تھا۔ جماعت کا وہ تنہا عالم تھا جس نے تدبر اور مضبوط حکمت عملی کے ساتھ علمائے اہل سنت کی خدمات کو زندہ کیا۔ نئی نسل کو جنگ آزادی کے قائدین سے روشناس کرایا۔ بدعقیدوں کی گڑھی ہوئی تاریخ کو بے نقاب کرتے ہوئے آج کی دنیا کو حقائق سے آشنا کیا، رضویات کے نئے نئے گوشے پر محققانہ کتابیں لکھ کر ہمیں مضبوط اور اس موضوع پر لکھنے والوں کے لئے معتبر حوالہ مہیا کر دیا۔

ہمیں افسوس ہے ان کی رحلت پر۔ وہ تھے تو جماعت میں ایک وزن تھا اور مخالفین مرعوب رہتے تھے۔ اب وہ ستون ٹوٹ گیا ہے، اس لئے ہم لوگ بھی خود کو ٹوٹا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ خدائے پاک ان کی خدمات قبول فرمائے اور جماعت اہل سنت کو اُن کا بدل عطا فرمائے۔ ان کی خدمات اور اُن کے کارنامے پر بہت لکھا جانا چاہیے اور اِن شاء اللہ ضرور لکھا جائے گا۔

امجد رضا امجد قادری، خادم مرکزی دار القضا ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ

قدیم نصاب تعلیم کا پروردہ، جدید نصاب کے وارفتگان کا قبلہ نما

ضمیر بندۂ مومن سے ہے نمو دار اس کی　　　بلند تر ہے ستاروں سے اس کا کاشانہ

یہ جان کر بے حد افسوس اور قلبی صدمہ گزرا کہ رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی رکن شوریٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ، بانی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور، بانی دار القلم دہلی مورخہ ۷ مئی ۲۰۲۳ء شب دوشنبہ ۱۷ شوال ۱۴۴۴ھ، ۹ بج کر ۵۰ منٹ پر دہلی کے ایک ہاسپٹل میں شدت علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ رٰجعون۔ اس کے بعد جسد خاکی کو اُن کے آبائی وطن ادری مئو لایا گیا اور وہیں دوسرے دن ہزاروں افراد کے ہجوم میں سپرد خاک کیے گئے۔ علامہ یٰسین اختر مصباحی رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم عالم ربانی اور علم و فضل کے جواہرات آراستہ، نابغۂ روزگار، جامع الصفات شخصیت کے حامل تھے۔ کم و بیش نصف صدی تک ان کا فکری و قلمی آبشار، اہل سنت و جماعت کی کشت ویران پر برستا رہا۔ ایک طویل عرصے تک ان کی قلمی کاوشوں کے ہمہ گیر اثرات، ان کی اصابت رائے، ان کی صالح قیادت، ان کے علمی تبحر اور ان کی دِقت طرازیوں کا فیضان جاری رہا۔ ان کے اچانک وصال سے آج علم و فن کی کائنات ان تمام تر شوکتوں میں محروم ہو گئی۔

'ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے'

خاص کر رضویات اور مسلک امام احمد رضا کے حوالے سے ان کی تصنیفی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ انہوں نے جن موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، ہماری جماعت میں اس طرز پر لکھنے والے افراد ہندو پاک میں کم نظر آتے ہیں۔ امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، کنز الایمان اور دیگر تراجم قرآن کا تقابلی جائزہ، مجاہدین جنگ آزادی، معارف قرآن اور المدیح النبوی جیسی ان کی معیاری اور علمی تصنیفات ایوان علم و ادب میں گراں قدر اضافہ کہی جا سکتی ہیں۔

ان کی شخصیت علمی و ادبی جہات سے پوری جماعت اہل سنت کے لئے فقید المثال تھی۔ نظم و نثر دونوں اصناف سخن پر انہیں کمال درجہ عبور حاصل تھا۔ ان کے علمی کارناموں اور تحریری شہ پاروں سے دانش حاضر کے بام و در بہت دیر تک روشن و تابناک رہیں گے۔ خصوصی طور پر عربی، فارسی اور اردو زبان و ادب پر انھیں بے پناہ دسترس حاصل تھی اور اس حوالے سے وہ اپنے معاصرین میں بے حد ممتاز تھے۔ ان کی قلمی و تحریری خدمات اور ایوان علم و عمل کی تشکیل میں فلسفہ حیات سے لے کر مقصودِ فن تک بہت سے عوامل کار فرما ہیں۔ ان کی تحریروں میں مضامین کا انتخاب، افکار و خیالات کی سنجیدگی، عصری مسائل پر گہری نظر، فنی محاسن کی ہمہ گیریت اور تنوع قاری کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتا۔ رب قدیر نے انھیں متاع لوح و قلم کے ساتھ ساتھ خود شعوری کے احساسات سے بھی نوازا تھا۔ علامہ یٰسین اختر مصباحی اپنے من میں ڈوب کر سراغ زندگی پا جانے والے ارباب

فقر وغیور میں تھے۔ان کی سراپا زندگی حد درجہ متحرک ،علم آشنا ،فکر انگیز اور انقلابی تحریکات سے آباد تھی ،وہ دعوت وعزیمت کے حامل ایک پرعزم انسان تھے۔انھیں جہاد زندگانی میں راز حیات کا ادراک تھا۔تضیع اوقات ان کے نزدیک کسی علمی معصیت سے کم تھی۔وہ ایک طویل عرصے تک ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کی ادارت سے وابستہ رہے۔مذہبی صحافت اور عصری مسائل پر اُن کی دِقت نظر کا عظیم شاہکار ''نقوش فکر'' کتابی شکل میں منظر عام پر آچکا ہے جو دینی ،ملی ،قولی ،سیاسی اور بین الاقوامی مسائل کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

بلا شبہ وہ قدیم نصاب تعلیم کے پروردہ تھے تاہم انہوں نے اپنی انتہا درجہ محنتوں ،شب بیداریوں اور وسعت مطالعہ کے ذریعہ عصری درسگاہوں کے طلبہ ومدرسین کے لئے اسلامی تعلیمات واقدار کی مختلف جہتوں کو بھی اپنے دامن قرطاس وقلم میں محفوظ کرلیا ہے۔علامہ یٰسین اختر مصباحی کے فن اور شخصیت کو مختلف حوالوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔مجھے یقین ہے کہ عہد حاضر کے قلم کار اور طلبہ ان کی تحریری مہارت ،ان کی تنقید نگاری اور فکری انعکاس کی حنا بندیوں کو درخور اعتناء ضرور سمجھیں گے۔ان کی پوری زندگی متاع لوح وقلم سے مربوط رہی اور وہ مسلسل لکھتے رہے۔ان کی فنی نشو ونما میں ان کی اپنی دِقت طرازی کا بے حد دخل تھا۔ان کی ذہنی تحریک ،ان کے مزاج کا تجدد ،ان کا تہذیبی وثقافتی رنگ وآہنگ اور ان کی روحانی تربیت وسیع وعریض جہتوں پر محیط تھا۔وہ درسگاہ حافظ ملت کے عظیم خوشہ چیں اور عربی وفارسی کے ممتاز فاضل تھے۔انہیں بلاشبہ یہ حق حاصل تھا کہ علم وفن کی دنیا میں سیرت نگاری ،بین الاقوامی مسائل پر تجزیہ کاری ،تنقیح مسائل ،نقد ونظر اور اسلامیات کا بڑا ماہر تسلیم کیا جائے۔

علامہ یٰسین اختر مصباحی نور اللہ مرقدہٗ ہماری جماعت کے ان قدآور شخصیات میں تھے جنہیں ہندو بیرون کی دینی کانفرنسوں میں مدعو کیا جاتا تھا۔۱۹۹۵ء میں جمعیۃ الدعوۃ الاسلامیہ ،لیبیا طرابس میں انعقاد پذیر کانفرنس میں وہ مفکر اسلام خطیب اعظم حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی مدظلہٗ العالی سکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ کی معیت میں ایک مندوب کی حیثیت سے شریک رہے۔شاہ بانو کیس میں عدالت عالیہ کے غلط فیصلے کے بعد اس کے ردعمل کے نتیجے میں ۱۹۸۳ء تا ۱۹۸۶ء مسلم پرسنل لاء کے حوالے سے پورے ملک میں ''تحفظ شریعت کانفرنس'' کی دھوم مچی تھی۔ان کانفرنسوں میں مجاہد دوراں حضرت مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی ،قائد اہل سنت شہنشاہ قلم حضرت علامہ ارشد القادری ،مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی اور مولانا عبید اللہ خاں اعظمی کے ولولے انگیز خطبات کے ساتھ ساتھ علامہ یٰسین اختر مصباحی کا قلمی جہاد اور سنجیدہ خطبات نے بھی حکومت ہند کو اپنے دیے گئے فیصلے پر نظر ثانی کے لئے مجبور کردیا پھر ایک دور ایسا بھی آیا کہ اسلامیان ہند کے ملی ،مسلکی اور قولی مسائل کے حوالے سے انعقاد پذیر ہر بڑی کانفرنس میں ان کی شرکت ہونے لگی۔ان کی آواز دلوں میں ایمان کی تڑپ ،زبان کو درس حق گویائی اور باطل قوتوں کے مدمقابل جذبۂ حریت کو جلا بخشتی تھی۔وہ احساس کمتری کو احساس برتری میں بدلنے کا ہنر جانتے تھے۔

انہوں نے ''حجاز جدید'' دہلی اور ماہ نامہ ''کنز الایمان'' دہلی میں لکھے گئے اپنے اداریوں سے مسلمانان ہند کو ذہنی ،فکری ،علمی اور سیاسی طور پر بیدار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور زندگی کے آخری لمحے تک ارباب دعوت وعزیمت کو خواب غفلت سے جگانے کا فریضہ انجام دیتے رہے۔شہنشاہ قلم رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری کے بعد اُن کا جدید اسلوب نگارس نہایت ہی مؤثر اور فکر انگیز تھا جو قاری کے ذہن ودماغ کو فہم دین کے لئے بنیادیں فراہم کرتا ہے۔

دریا متلاطم ہوں تری موج گہر سے! ‏ ‏ ‏ شرمندہ ہو فطرت ترے اعجاز ہنر سے

علامہ یٰسین اختر مصباحی ایک عالی دماغ ،باوقار ،پاکیزہ فکر وعمل اور نہایت ہی وسیع المطالعہ شخصیت کے حامل تھے۔ان کے رشحات قلم کی سحری آفرینی ،قاری کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔بیان کی شوخی ،اظہار کا بانکپن ،معاملات عشق کی جفابندی اور تخیلات کی بلند پروازوں کے باوجود زمینی قدروں سے ان کی فکری آگہی کا رشتہ نہیں ٹوٹتا تھا۔ان کے اندازِ نگارش سے ''جلوۂ یوسف گم گشتہ'' کی تپش محسوس ہوتی تھی۔یہی وجہ ہے کہ کوثر وتسنیم کے دھلے ہوئے لب ولہجے میں آپ کی تصنیف لطیف ''المدیح النبوی'' دیکھ کر عربائے عرب کا شائبہ گزرتا ہے۔کہیں سے بھی آپ کی عجمیت ظاہر نہیں ہوتی تھی۔مسلک امام احمد رضا کی ترویج واشاعت میں ان کی صحرا نوردی اور جنون خیزی کو اہل سنت وجماعت کے قدر شناس ارباب حل وعقد ہرگز فراموش نہیں کرسکتے۔ان کی تمام تر تصنیفات کی خصوصیت یہ رہی کہ وہ اپنے قاری کو قرآن وسنت اور ائمہ مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں افراد ،اشخاص،

نظریات، رجحانات کو پرکھنے کا تنقیدی شعور عطا کرتے ہیں۔انہوں نے اصول وکلیات کی تشریح وتعبیر میں کسی بھی مداہنت اور چشم پوشی کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔ان کا شماران لوگوں میں جو ناخن گرہ کشا کی منت پذیری اورظاہری مشاطگی سے بے نیاز ہر لمحہ ایک نئے آفاق کی تلاش میں رہتے ہیں۔

علامہ یٰسین اختر مصباحی عہد جدید میں ہزاروں نوجوان علما اور ارباب علم ودانش کے نقیب اعظم تھے۔انہوں نے امت مسلمہ کی اجتماعی بیداری اور مسلک اہل سنت وجماعت کی ترویج واشاعت کی راہوں میں ایک فکر انگیز اور تعمیری رنگ وآہنگ سے مرصع ایک عظیم صاحب قلم کا فریضہ انجام دیا ہے جسے ارباب وفاکش کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔علم وفن کے ایوان میں ان کی صدائے بازگشت بہت دیر تک باقی رہے گی۔ان کا دل مذہب ومسلک کے حوالے سے حد درجہ پرخلوص اور حساس تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ مسلک اہل سنت کے موجودہ انتشار کے نتیجے میں دل گیر اور کبیدہ خاطر تھے۔معقولیت پسندی، جامعیت، وضاحت اور صراحت ان کی تمام تر تحریروں کی نمایاں خصوصیت رہی ہے۔ان کی نگارشات میں پیچیدگی اور ابہام کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔ان کی ہر تصنیف اپنے پورے ربط وضبط کے ساتھ کسی زندہ مسئلے اور اہم علمی واقعے سے بحث کرتی ہے۔ان کی ہر کتاب میں رہنمائی، مآخذ ومراجع، مثبت تنقید اور باضابطہ تعمیری لوازمہ موجود ہے۔ان کے وسیع وعمیق مطالعے اور تجزیہ نگاری نے عصر حاضر کے ارباب قلم کو ایک نئی شاہراہ حیات سے آگاہی بخشی ہے۔ان کی تحریری خصوصیات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انھوں نے اپنے موقف کی بنیاد موروثی توہمات وتخیلات کی بجائے مشاہدات وتجربات پر رکھی ہے۔

علوم ومعارف کے جواہرات سے آراستہ اس طرح کی جامع الصفات شخصیات آفاق کی وسعتوں میں کبھی کبھی اور کہیں کہیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایسا عالم، عارف، شارح، محشی، عاشق رسول، علم شریعت کا بے باک ترجمان اور کاروان ملت کا حدی خوان صدیوں کے بعد پیدا ہوتا ہے۔اور شاید پھر صدیوں کے بعد پیدا ہو۔سیکڑوں صفحات پر پھیلے ہوئے ان کے قلمی مسودات، ہنوز زیور طبع سے آراستہ ہونے کے منتظر ہیں۔مجھے یقین ہے کہ ملت کے ارباب فقر وغیور اور علم دوست افراد اس جانب خصوصی توجہ فرمائیں گے۔ساتھ ہی اہم اور منفرد موضوعات پر تقریباً دو درجن سے زائد تصنیفات آپ کی یادگار ہیں جو، رہتی دنیا تک آپ کے ایوان علم وعمل کو باقی رکھنے کے لئے کافی ہیں۔علامہ یٰسین اختر مصباحی جماعت اہل سنت کے ایک سنجیدہ مزاج، حلیم الطبع اور متبحر عالم دین تصور کیے جاتے۔آپ سواد اعظم اہل سنت وجماعت میں باہمی اتفاق واتحاد کے پرجوش داعیوں میں تھے اور اس کے لئے وہ اپنی مصروف کن زندگی کے آخری لمحے تک کوشاں رہے۔وہ نہ صرف ایک پختہ عزم وارادت کے مالک صاحب قلم تھے، بلکہ مذہبی صحافت اور نثر نگاری کی ایک نئی جہت کے تعین کے موجد بھی تھے۔غالباً یہی وجہ ہے کہ علماء ومشائخ کے مابین وہ قدر ومنزلت کی نگاہوں دیکھے جاتے اور ہر طبقے میں انہیں عام مقبولیت حاصل تھی۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ سے فراغت کے بعد ۱۹۷۴ء تا ۱۹۸۲ء وہیں درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا۔اس درمیان سیکڑوں طلبہ نے آپ کی درسگاہ فیض سے استفادہ کیا۔آپ کچھ عرصہ حجاز مقدس میں بھی رہے پھر وطن عزیز ہندوستان لوٹ کر راجدھانی دہلی کو اپنی تحریکی، تنظیمی اور قلمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔دارالقلم کی بنیاد رکھی پھر یہیں پوری زندگی دعوت وارشاد، خدمت دین اور قوم وملت کی تعمیر وترقی میں گزار دی۔ ۱۹۸۴ء تا ۱۹۹۲ء کئی سال تک آپ نے دہلی سے ماہ نامہ ''حجاز جدید'' نکالا، ماہ نامہ ''حجاز لندن'' جو مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظم صاحب قبلہ مدظلہٗ العالی کی ادارت میں شائع ہوتا تھا، اس کی طباعت واشاعت کی ذمے داری بھی آپ پر تھی۔تقریباً دس سال تک ماہ نامہ ''کنز الایمان'' دہلی کی ادارت فرمائی۔ہندوستان کے علاوہ بیرون ممالک بالخصوص پاکستان، لیبیا اور ساؤتھ افریقہ کی متعدد علمی کانفرنسوں میں آپ شریک رہے۔تاہم وہ اپنی تحریکی وقلمی جدوجہد کی طویل مدت میں جن حوادثات زمانہ کے مدمقابل جس صبر وتحمل اور ناقابل تسخیر دعوت وعزیمت کے ساتھ عشق رسالت کا چراغ جلایا ہے، اس لئے وہ پورے عالم اسلام سے مبارک باد کے مستحق رہیں گے۔علامہ یٰسین اختر مصباحی نے اپنی دعوتی زندگی کے آغاز سے ہی مسلک امام احمد رضا اور اشاعت دین وسنت کی ایک عظیم الشان تحریک کو اپنی زندگی کا حقیقی مقصد بنایا تھا جس سے مسلمانان ہند میں جہالت وگمراہی کے اندھیرے، شعورِ زندگی کی روشنیوں میں قیامت کی صبح تبدیل ہوتے رہیں گے اور ان کی یہ دینی، روحانی، تحریکی اور علمی خدمات تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ جگمگاتی رہیں گی۔

افسوس! کہ ملت اسلامیہ کے اضطراب میں دھڑکنے والا دل ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا۔ درسگاہِ حضرت حافظ ملت کی آبرو ہم سے اچانک رخصت ہوگئی۔ قوم وملت کا یہ غم خوار، عالم ربانی اب عرش الٰہی کے سائے میں محوخواب ہے۔ قبول ومغفرت کے پھول اور ملکوتی فرشتوں کی ہزار ہا رحمتیں ان کے وجودِ پاک پر برسائی جارہی ہوں گی۔ دعا ہے کہ رب قدیر اُن کی مغفرت اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اوران کے اہل خانہ، تلامذہ اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازا ہے۔ آمین یارب العالمین

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی　　　تیری چنگاری چراغ انجمن افروز تھی

شریک غم: سوگوار۔ محمد فروغ القادری، ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ (برطانیہ) ۲۵ مئی ۲۰۲۳ء

رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی کچھ یادیں کچھ باتیں

رئیس التحریر، مفکر اسلام، استاذ العلماء حضرت علامہ محمد یاسین اختر مصباحی صاحب کا انتقال پر ملال نہ صرف آپ کے اہل خانہ، جامعہ اشرفیہ مبارکپور اور دار القلم دہلی کا عظیم نقصان ہے بلکہ آپ کا داغ مفارقت دینا اور دنیا سے رخصت ہونا پوری جماعت اہل سنت کے لئے کسی عظیم سانحہ سے کم نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

جلالۃ الارشاد حافظ ملت علیہ الرحمہ کے سینکڑوں قابل قدر تلامذہ میں رئیس التحریر علامہ محمد یاسین اختر مصباحی ایک نمایاں حیثیت حامل تھے ،ان کی پوری زندگی قوم وملت اور جماعت اہل سنت کے فروغ میں وقف نظر آتی ہے، درس وتدریس ،تصنیف وتالیف اور فکر وتدبیر کے میدان میں آپ اپنی نظیر آپ تھے، آپ نے اپنے پیچھے سینکڑوں تلامذہ، پچاس سے زائد گراں قدر تصانیف اور سینکڑوں وقیع مضامین چھوڑے ہیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ

یقیناً آپ کے یہ خدمات تاریخ اسلام وسنیت میں آب زر سے لکھے جانے کے مستحق ہیں۔

فنا کے بعد بھی زندہ ہے شان رہبری تیری　　　ہزاروں رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر

حضرت سے میری پہلی ملاقات: اس عظیم ہستی سے میری پہلی ملاقات والد بزرگوار خلیفہ حضور مجاہد ملت حضرت مولانا الحاج مدثر حسین حبیبی صاحب قبلہ کی معیت میں ۱۹۹۳ء میں مٹیا محل دہلی میں ہوئی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت رئیس التحریر علامہ یاسین اختر مصباحی صاحب نے والد صاحب کو چند کتابیں پیش کی تھیں۔ ان میں ''اسلامی اخلاق وآداب، تین برگزیدہ شخصیتیں، محاسن کنزالایمان'' وغیرہ بطور خاص تھیں۔ اس موقع پر فروغ دین وسنیت کی خاطر کافی دیر تک والد صاحب اور آپ کے درمیان گفتگو جاری رہی تھی۔

حضرت سے دوسری ملاقات: ۱۹۹۴ء میں جب میں دار العلوم قادریہ چریا کوٹ اعظم گڑھ میں محسن قوم وملت حضرت علامہ محمد عبد المبین نعمانی صاحب کی سرپرستی میں دینی تعلیم حاصل کررہا تھا۔ انہی ایام میں عرس حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور حاضری ہوئی ،جہاں دوروزہ عرس کے دوران ایک شام اشرفیہ کی سنٹرل بلڈنگ کے پاس آپ کی زیارت ہوئی، حضرت کو اپنا تعارف پیش کیا، تو فوراً پہچان لیا، مجھ سے پوچھا کہاں تعلیم حاصل کررہے ہو؟ پھر والد صاحب کی خیریت بھی دریافت فرمائی۔ دار العلوم قادریہ چریاکوٹ کی تعلیم کے بعد ۱۹۹۷ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں جماعت خامسہ میں نے داخلہ لیا اور ۱۹۹۹ء تک جامعہ اشرفیہ ہی میں زیر تعلیم رہا۔ اس درمیان حضرت سے متعدد ملاقاتیں ہوئیں اور آپ نے خوب دعاؤں سے نوازا۔

مجاهد ملت نمبر کی اشاعت میں آپ کا قلمی تعاون: ۲۰۰۷ء میں ہم نے سہ ماہی ''تبلیغ سیرت'' کولکاتا کے زیر اہتمام امام التارکین، سراج السالکین، سید العافین مجاہد ملت حضرت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمن ہاشمی عباسی قادری علیہ الرحمہ پر ۶۰۰ رصفحات پر مشتمل تبلیغ سیرت کا ''مجاہد ملت نمبر'' شائع کیا تھا۔ اس نمبر میں جہاں آپ نے اپنا وقیع مضمون ''مجاہد ملت کا پیغام عمل'' عنایت فرمایا وہیں مفید مشوروں سے بھی نوازا، جس کے سبب نمبر کے جمع وترتیب میں کافی مدد ملی۔

ایک یادگار ملاقات: ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی تعلیم آباد سنگم وہار نئی دہلی کے زیر اہتمام ۸ ؍ تا ۱۹ ؍ جولائی ۲۰۰۸ء میں ’’فروغ اقدارِ انسانی بذریعہ تعلیم‘‘ کے عنوان سے ایک ورکشاپ میں شرکت کا موقع ملا تھا۔ انہی دنوں دارالقلم حاضر ہوکر میں نے علامہ صاحب سے تفصیلی ملاقات کی تھی، اس ملاقات میں کافی اہم باتیں ہوئیں جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ میں نے مٹیا محل میں واقع نصف درجن سے زائد کتب خانوں کی فہرست لے رکھی تھی، جن میں مرکزی مکتبہ اسلامی کی فہرست کتب بھی موجود تھی، دوران گفتگو علامہ صاحب کو فہرست کتب دکھاتے ہوئے میں نے عرض کیا تھا:

’’ہم لوگ دعوے دار ہیں کہ حق پر ہماری ہی جماعت ہے، ہمارے سوا جتنی جماعتیں ہیں وہ سب گمراہ و بے دین ہیں، لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اسلام کے تعارف کے عنوان پر ہماری جماعت کے پاس اِس وقت کوئی کتاب نہیں، جب کہ جماعت اسلامی، وحیدالدین خان اور دیوبندیوں کے یہاں اسلام اور اس کے متعلقات پر درجنوں کتابیں دستیاب ہیں۔ ایسے میں پڑھے لکھے لوگ دوسری جماعتوں کی طرف کیوں نہ راغب ہوں؟ اور کیا ہماری ذمہ داری نہیں کہ ان اہم عناوین پر ہمارے یہاں بھی کتابیں لکھی اور شائع کی جائیں؟ مزید یہ کہ خواتین کی اصلاح، نوجوانوں کی اصلاح اور حالات حاضرہ اور سلگتے ہوئے موضوعات پر بھی کام کیا جائے۔‘‘

میں دیر تک اسی طرح کی باتیں کرتا رہا اور علامہ صاحب خاموشی کے ساتھ میری بات سنتے رہے، میں اپنے آپ میں پریشان تھا کہ حضرت نے کوئی جواب مرحمت نہیں فرمایا، پھر رخصت ہوتے ہوئے میں نے عرض کیا: حضرت آپ نے کچھ نہیں فرمایا؟ اس پر آپ نے فرمایا: جب میں آپ کی عمر کا تھا تو میں نے بھی اسی قسم کی گفتگو اپنے استاذ سے کی تھی انہوں نے مجھ سے فرمایا تھا: شاید تم مودودی یا وحیدالدین خان سے متاثر ہو لیکن میں آپ سے ہرگز ایسا نہیں کہوں گا۔ یہ فرما کر آپ پھر خاموش ہو گئے، میں نے عرض کیا: حضرت پھر کام کیسے ہوگا؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: اللہ نے جسے فکر دی ہے اسی سے کام بھی لے گا، آپ سے جو ہو سکے خود کچھ کرنے کی کوشش کریں، دوسروں سے زیادہ امید رکھنا اس وقت عبث و بیکار ہے۔

ایک قیمتی مشورہ: ایک ملاقات میں آپ نے فرمایا: اگر آپ بڑا کام کرنا چاہتے ہیں تو دو تین کام کو ہی اپنایئے مثلاً درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا کام کیا جا سکتا ہے، خطابت کی ذمہ داری بھی کسی حد تک نبھایا جا سکتا ہے، یا پھر آپ درس و تدریس، تصنیف و تالیف کے ساتھ امامت کی ذمہ داری نبھا سکتے ہیں۔ اگر بہت زیادہ کام اپنے سر لے لیں گے تو زندگی گزر جائے گی لیکن خاطر خواہ آپ کچھ زیادہ نہیں کر پائیں گے۔

سواد اعظم اہل سنت کانفرنس میں حضرت کی شرکت: ۲۰۰۸ء سے حضرت سے تعلقات نہایت ہی مضبوط ہو گئے تھے، جس کے نتیجے میں آپ آل انڈیا تبلیغ سیرت مغربی بنگال کے سالانہ پروگراموں میں شریک ہونے لگے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ ۲، ۳ فروری ۲۰۱۳ء کو سواد اعظم اہل سنت کانفرنس میں آپ نے شرکت فرمائی تھی جس میں امین ملت حضرت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری برکاتی صاحب قبلہ مارہرہ مطہرہ نے بھی شرکت فرمائی تھی پھر آپ ۲۰۱۳ء، ۲۰۱۴ء، ۲۰۱۵ء میں مسلسل تبلیغ سیرت کے زیر اہتمام سواد اعظم اہل سنت میں شریک ہوتے رہے۔ ہم نے کانفرنسوں کو آپ کے مشورہ کے مطابق وقت کا پابند بنایا، پیشہ ور مقرروں اور نعت خوانوں کو اپنے کسی چھوٹے بڑے پروگرام میں نہیں بلایا، کانفرنس میں آنے والے خطباء کو وقت اور عنوان کا پابند بنایا، اس وقت کئی ائمہ اور علما نے کہا تھا کہ نامور خطبا اور شعراء کو چھوڑ کر جلسہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟ لیکن آپ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے ہم نے کامیاب اجلاس اور کانفرنس کیں جن کی مثال کلکتہ کی تاریخ میں کم ہی دیکھنے کو ملے گی۔ آج کئی دوسرے حضرات ہمارے جلسوں کو دیکھ کر اپنے جلسوں اور کانفرنسوں کی اصلاح کر رہے ہیں۔

آپ کی کتاب شائع کرنے کا اعزاز: اسی عرصے میں آپ کی تحریر کردہ کتب مثلاً (۱) سواد اعظم اہل سنت (۲) تعارف اہل سنت، (۳) محاسن کنز الایمان، (۴) عرفان مذہب و مسلک وغیرہ ہم نے شائع کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ تبلیغ سیرت کا ترجمان سہ ماہی تبلیغ سیرت کلکتہ جو ۹ ؍ سالوں تک جاری رہا، اس شمارے میں آپ کے قریب دو درجن مضامین شائع ہوئے، جو نہایت ہی قیمتی و وقیع معلومات پر مشتمل تھیں۔

دارالقلم میں میرا قیام: حضرت تاج الشریعہ کے عرس چہلم کے سلسلے میں بریلی شریف حاضر ہوا تو واپسی میں دہلی بھی حاضر ہوا۔

علامہ صاحب سے رابطہ کرنے پر آپ نے دارالقلم میں قیام کے لئے فرمایا، حضرت کے حکم پر تین دنوں تک وہاں قیام رہا۔ صبح کا ناشتہ دوپہر کا کھانا اور عشائیہ حضرت اہتمام کے ساتھ خود اپنے ساتھ کراتے رہے، اتنی بڑی حیثیت وشخصیت کے مالک ہونے کے باوجود کسرنفسی اور عاجزی کا مجموعہ بنے رہتے تھے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یہ سچ ہے کہ آپ دارالقلم دہلی کے بانی اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے معتمد خاص تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ملک کے طول وعرض میں پھیلے درجنوں مدارس اور اداروں کے آپ سرپرست اور معتمد خاص تھے۔ مجھے اکثر آپ فون کیا کرتے، خیریت لیتے اور نئی سرگرمیوں کے لئے حوصلہ بخشتے رہتے تھے، کئی بار میں مشکلات سے دوچار ہوا تو نہ صرف یہ کہ آپ نے حوصلہ بڑھایا بلکہ مفید مشورہ سے بھی نوازا۔

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقش پا چراغ　　　وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

علامہ موصوف کے وصال پر ملال سے جہاں ان کے اہل خانہ، دارالقلم دہلی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا عظیم نقصان ہوا ہے وہیں میں اپنے عظیم محسن ومربی اور خیرخواہ سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ رٰجعون۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ وطفیل آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العلمین

مفتی مجاہد حسین حبیبی ،سکریٹری: آل انڈیا تبلیغ سیرت مغربی بنگال 9830367155

کئی خوبیوں کا مالک ایک اِنسان

جماعت اہل سنت کے ممتاز عالم ربانی، شہرۂ آفاق اَدیب ومحقق علامہ یٰسین اختر مصباحی، خالص پور (ادری) کی خالص مٹی سے اٹھے۔ متعدد اَساتذۂ باکمال کے دسترخوان سے اپنا رزقِ علم وادب لیا اور پھر ایک جہان کو اپنے میکدۂ علم وفن کا دل دادہ بنا ڈالا۔ آپ کی درسگاہ سے ایسے ایسے صاحبانِ علم وفکر اور خدایانِ شعور ودانش اٹھے، جنھوں نے مسلمانوں کے عہد رفتہ کی ساری علمی سرگرمیوں اور بزم دوشیں کی بساطِ رنگیں کی تمام رونقوں کو زندہ کردیا۔ یہ علامہ جیسے مخلص وبے لوث کرم فرماؤں ہی کا فیض کہا جائے گا کہ تہذیب مغرب کی آندھیوں کی تیزی بھی محراب ومنبر اور خانقاہ ومدرسہ کی شمعوں کو اپنی طاغوتی فراوانی وسائل کے باوجود بجھا نہ سکی اور اُن کی آہِ نیم شبی سے قرطاس وقلم کے بھاگ جاگ اُٹھے۔

علامہ کی دینی وعلمی برکات اور تصنیفی وتالیفی خدمات کا اُفق بڑا تابناک ہے۔ آپ نے علوم ومعارف کی کشت زار میں اپنی فکروذہانت کے جو گل رنگیں کھلائے، اس نے دینی ومذہبی ادب اور تاریخ وتمدن ہند کے کئی پہلوؤں کو شفق رنگ اور گلنار بنا دیا۔ آپ کی شخصیت ہندستان کے علماے فحول کی فہرست میں بڑی ممتاز نظر آتی ہے۔ بلادِ اسلامیہ کے اکابر واساطین، نیز دیگر مکاتب فکر کے فضلا بھی آپ کے علم وکمال اور تحقیق وتصنیف کے اعتراف وقدردانی میں پورے انشراحِ قلب کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

علامہ بلا کے ذہین ودرّاک، صاحب طرز ادیب، باکمال انشا پرداز، بہترین نباض، بلند پایہ مورخ، نکتہ رس محقق، سلیقہ مند نقاد، باصلاحیت معلم ومدرس، زوداثر داعی، روشن دماغ مفکر، زمانہ شناس صحافی اور حق آگاہ سیاست دان ہونے کی وجہ سے ہشت پہلو شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کا سینہ بلاشبہ علم ودانش کا گنجینہ اور دماغ ادراک وشعور کی مئے دوآتشہ سے لبریز ایاغ تھا، اس کے باوصف آپ تاحیات صبروشکر کی تصویر بنے رہے۔ آپ کی یہ خوبی یقیناً خداے بخشندہ کا خاص عطیہ ہے۔ علامہ بڑے ہی بے باک، خوددار، راست گو عالم وفاضل تھے۔ انھیں حق بات کے اِظہار میں کوئی تکدر وتامل یا تکلف وتردد نہیں ہوتا تھا۔

یوں تو آپ نے بہت سے میدانوں میں اپنی جولانی طبع دکھائی لیکن میدانِ تصنیف وتالیف آپ کو بہت راس آیا۔ آپ زندگی بھر بے تکان، بے دریغ اور بے لوث لکھتے رہے، مسائل وعدم وسائل کی قیامتوں سے دوچار رہتے ہوئے بھی آپ کی پرورشِ لوح وقلم نے علمی وتحقیقی دنیا کو فکرونظر کو جلا بخشنے والے کئی قابل قدر آثار دِیے ہیں، جن سے دینی تاریخ اور مذہبی ادب کے نقد وانتقاد کے نئے دریچے کھولنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ آپ کی تحریروں نے علوم ومعارف کے مختلف دھاروں کی نوعیت واہمیت اور افادیت وضرورت کو بڑے سلیقے سے اجاگر کیا ہے؛ بلاشبہ مذہبی ادب اور تاریخ

نقد ونظر میں آپ کا نام ایک معتبر حوالے کے طور پر استعمال ہوتا رہے گا۔

آپ کا قلم کئی دہائیوں تک علم وتحقیق کی مختلف شاخوں کی قلم بندی کرتا رہا۔ آپ نے اپنے صریر خامہ سے خروش نا آشنا میدانوں میں محشر خیال برپا کر دیا اور علم وتحقیق کے مسافروں کو اپنی بانگ درا سے جادہ پیما کرنے میں بے پناہ صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ مستزاد یہ کہ علامہ نے زمانے کے تقاضوں کو محسوس کر کے جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان کو پڑھنے کے بعد تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آپ نے اپنے نوکِ قلم سے قوم وملت کی ٹھنڈی ہوتی ہوئی ذہنی راکھ کو اس لئے کرید ا ہے کہ اس میں جو چند چنگاریاں بچی ہیں انھیں سے قوم میں حرارتِ دینی پیدا کرنے کا کام لیا جائے۔

رسم خط کی معرفت بھی آپ کے اندر خوب تھی، اس لئے قدیم مآخذ سے خوب استفادہ کرتے اور نکتہ آفرینی میں کوئی کسر نہ چھوڑتے۔ ماخذ کی طرف بار بار مراجعت نے آپ کے اندر علمی تبحر اور اخذ نتائج کا ملکہ پیدا کر دیا تھا۔ مخطوطہ شناسی، مہروں اور سکوں کی شناخت، رسم خط کی جانچ پرکھ اور مفید نتیجے تک پہنچنے کی خداداد صلاحیتوں کا اعتراف آپ کے تمام واقف کاروں کو تھا۔ قلمی کتابوں کی ورق گردانی اور قدیم تحریروں کی طرف مراجعت کی وجہ سے رسم الخط، عہد کتابت، شانِ خط، زمانۂ تحریر وحروف وغیرہ کے علم وخبر میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔

الغرض! آپ دبستانِ معقولات ومنقولات کی علمی وفکری وراثتوں، تخلیقی وتحقیقی روایتوں، لسانی ولغوی شناختوں اور تاریخی وادبی امانتوں کے بارِ گراں کو سنبھالے ہوئے تھے، اور آپ کی متنوع خدمات علم وادب اور فکر ونظر کے بہت سے زاویوں کا احاطہ کرتی تھی۔

دعا ہے کہ رب کریم آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، آپ کی تقصیرات حسنات سے تبدیل کر دی جائیں، آپ کی علمی ودینی خدمات آپ کی بلندیِ درجات کا سبب بنیں اور آپ کی تحریریں رہ روانِ شوق کا قطب نما درست کرتی رہیں۔ آمین یارب العالمین بجاہِ خاتم النبیین علیہ اکرم الصلوٰۃ والتسلیم۔

خادم علم وعلما: محمد افروز قادری چریاکوٹی، ۲۵؍شوال المکرم ۱۴۴۴ھ/ ۱۶؍مئی ۲۰۲۳ء

اُن کے نقوش فکر جریدۂ عالم پر ثبت رہیں گے

مفکر اسلام، رئیس التحریر، حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ (۱۲ فروری ۱۹۵۳ء، ۷ مئی ۲۰۲۳ء) کی پہلی زیارت غالباً اس وقت نصیب ہوئی، جب جامعہ اشرفیہ میں زیر تعلیم (۲۰۰۶-۲۰۰۹ء) تھا۔ مجلس شرعی کے فقہی سمینار اور عرس حضرت حافظ ملت جیسی نمایاں تقریبات کے علاوہ بھی بارہا ان کی اپنے مادر علمی میں آمد ورفت رہتی تھی۔ شاید یہ موقعے وہ ہوتے ہوں گے، جب وہ دہلی سے اپنے وطن خالص پور ادری تشریف لاتے۔ جامعہ اشرفیہ سے ان کے غیر معمولی لگاؤ سے صاف محسوس ہوتا تھا کہ جامعہ اشرفیہ اُن کے لئے عام مصباحی برادران کی طرح محض رسمی مادر علمی یا اُن کی مجلس مشاورت کی رکنیت کی ہی حیثیت نہیں رکھتا تھا، اُن دونوں حیثیتوں سے کہیں زیادہ اُن کے استاذ ومربی اور مرجع عقیدت حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری علیہ الرحمہ (۱۸۹۴ء-۱۹۷۶ء) کے ارمانوں کی تاریخی اور یادگار عملی شکل بلکہ گویا اُن کے اپنے خوابوں کی بھی عملی و تعمیراتی تعبیر تھا۔ وہ جب بھی جامعہ اشرفیہ کے مہمان خانے میں موجود ہوتے، اساتذہ کے علاوہ باذوق طلبہ کی بھی ایک جماعت انھیں مسلسل گھیرے رہتی اور ان کے قیمتی تجربات، علمی وفکری افادات اور افکار عالیہ سے مستفید ہوتی۔ ان کے وصال کے بعد سوشل میڈیا پر بہت سے مصباحی احباب نے اس طرح ان کے ساتھ گزارے لمحات کا ذکر کیا ہے۔ حضرت علامہ علیہ الرحمہ کو خداوند قدوس نے گونا گوں خوبیوں کا حامل بنایا۔ آپ بیک وقت متبحر عالم دین، منجھے ہوئے صاحب قلم، بلند فکر دانش ور، خدامست دین دار، دردمند مفکر، حوصلہ بخش محرک اور عظیم مدبر تھے۔

۲۰۰۷ء میں جب بھارت کی آزادی کے لئے لڑی گئی اہم ترین 'جنگ آزادی ۱۸۵۷ء' کو ڈیڑھ سو سال پورے ہونے کو آئے تو آپ علیہ الرحمہ کی دور بینی نے آزادی میں پیش کی گئی مسلم قربانیوں کو یادگار بنانے اور اُن کی عظیم خدمات کا ملک گیر سطح پر اعتراف کرنے کے لئے بہت اہم اور تاریخی تحریک چھیڑی، جس کے نتیجے میں جماعت اہل سنت کے تقریباً تمام نمائندہ رسالوں نے مظلوم مجاہد آزادی، محرک آزادی، حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمہ (۱۷۹۷ء-۱۸۶۱ء) اور دیگر شہدائے آزادی کی بارگاہوں میں بھرپور خراج عقیدت پیش کیا۔

بہت سے اخبار و رسائل کی طرف سے اسپیشل نمبر نکالے گئے، کئی نئی کتابیں وجود میں آئیں، جزیرۂ انڈمان میں ''علامہ فضل حق خیرآبادی فاؤنڈیشن'' بنایا گیا، جس نے کچھ جدید طرز پر کام کرتے ہوئے اپنی ویب سائٹ لانچ کی اور اس پر حضرت علامہ علیہ الرحمہ کے تعلق سے خاطر خواہ مواد بھی اپلوڈ کیا گیا۔ اسی تحریک کے نتیجے میں ملک کے الگ الگ حصوں میں علمی پروگرام، سمینار اور سمپوزیم وغیرہ منعقد کیے گئے۔ اس موقع پر خود علامہ یٰس اختر مصباحی نے حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ اور دیگر قائدین آزادی کی حیات کے مختلف گوشوں پر مسلسل یہ کتابیں لکھیں اور ایک علمی تحریک کو جس طرح کا علمی رنگ دینا چاہیے تھا، عملاً مکمل طور پر دیا۔

(۱) قائدین تحریک آزادی (۲) ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء (۳) قائد جنگ آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی (۴) ۱۸۵۷ء پس منظر اور پیش منظر (۵) علامہ فضل حق اور انقلاب ۱۸۵۷ء۔

اسی تحریک کے موقع پر جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی جماعت سابعہ کے طلبہ کی طرف سے سالانہ منعقد ہونے والے ''جشن مفتی اعظم ہند'' میں یہی عنوان طے کیا گیا اور بطور مہمان انھیں مدعو کیا گیا۔ آپ نے حضرت علامہ علیہ الرحمہ کی عظیم علمی، فکری، تحریکی اور مسلکی شخصیت کے خد و خال پر تحریک آزادی کے سیاسی اور سماجی احوال پر نہایت مفکرانہ، مدبرانہ اور محرکانہ خراج عقیدت پیش کیا۔ آپ کی متنوع شخصیت کے یہ اور اِس جیسے بہت سے نقوش وہ ہیں جو ۲۰۰۶ء سے ۲۰۰۹ء تک جامعہ اشرفیہ کے میرے دور طالب علمی کی یادوں سے وابستہ ہیں۔

حضرت رئیس التحریر سے قدرے تفصیلی ملاقات ۲۰۱۰ء یا ۲۰۱۱ء میں اس وقت ہوئی، جب میں فراغت کے بعد جامعہ حنفیہ نجم العلوم، مکرانہ میں تدریسی خدمات پر مامور تھا۔ معروف خطیب اور ادارہ کے مہتمم حضرت مولانا شمس الدین قادری خطیب وامام: جامع مسجد مکرانہ کی دعوت پر آپ علیہ الرحمہ وہاں ایک جلسے میں شرکت کے لئے تشریف لائے۔ اس وقت کافی قریب سے حضرت علیہ الرحمہ کی خدمت کا موقع ملا، جو میرے لئے نہ صرف سعادت کا ذریعہ تھا، بلکہ میرے مزاج کے بھی عین مطابق تھا۔

تعارف کے پہلے مرحلے میں جب میں نے ان کی دریافت پر اپنا وطن ''شیرانی آباد'' بتایا تو کہنے لگے:

کیا یہ وہی شیرانی آباد ہے، جہاں کے اختر شیرانی تھے؟ میں نے ہاں میں جواب دیا: جی! وہی جہاں کے شاعر رومان اختر شیرانی (۱۹۰۵ء-۱۹۴۸ء) اور اُن کے والد معروف نقاد و محقق علامہ حافظ محمود خان شیرانی (1880-1946) رہنے والے تھے۔

جواب سن کر بلانوش مگر احساس زیاں سے مغلوب دل کے دیوانے حضرت اختر شیرانی کے عشق رسالت کا مشہورِ زمانہ دلچسپ قصہ سناتے ہوئے آپ نے بہت تاریخی جملہ ارشاد فرمایا۔ پہلے آغا شورش کاشمیری کے حوالے سے پورا قصہ پڑھیے:

لاہور کے عرب ہوٹل میں ایک دفعہ بعض کمیونسٹ نوجوانوں نے جو بلا کے ذہین تھے، اختر شیرانی سے مختلف موضوعات پر بحث چھیڑ دی، اُس وقت اختر دو بوتلیں چڑھا چکے تھے اور ہوش قائم نہ تھے، تمام بدن پر رعشہ طاری تھا، حتیٰ کہ الفاظ بھی ٹوٹ ٹوٹ کر زبان سے نکل رہے تھے۔ ادھر، انا کا شروع سے یہ حال تھا کہ اپنے سوا کسی کو نہیں مانتے تھے۔ جانے کیا سوال زیر بحث تھا، فرمایا: مسلمانوں میں تین شخص اب تک ایسے پیدا ہوئے ہیں جو، ہر اعتبار سے جینیس بھی ہیں اور کامل النفس بھی۔ پہلے ابوالفضل، دوسرے اسد اللہ خان غالب، تیسرے ابوالکلام آزاد۔

شاعر وہ شاذ ہی کسی کو مانتے تھے۔ ہم عصر شعرا میں جو واقعی شاعر تھا، اُسے بھی اپنے سے کم تر خیال کرتے، ایک کمیونسٹ نوجوان نے مختلف شعرا کے بارے میں پوچھتے پوچھتے یہ بھی پوچھ ڈالا کہ حضرت! فلاں پیغمبر کے بارے میں کیا خیال ہے؟ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، نشہ میں چور تھے، زبان پر قابو نہیں تھا، چونک کر فرمایا: کیا بکتے ہو؟ ادب وانشا، یا شاعری کی بات کرو۔ نوجوان نے افلاطون، ارسطو، سقراط کے بارے میں سوالات کیے اور اناپ شناپ جواب پاتا رہا، لڑکھڑاتی آواز سے فائدہ اٹھا کر ایک ظالم قسم کے کمیونسٹ نے سوال کیا: آپ کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اللہ! اللہ! ایک شرابی، جیسے کوئی برق تڑپی ہو، بلور کا گلاس اٹھایا اور اس کے سر پر دے مارا: بد بخت ایک عاصی سے سوال کرتا ہے، ایک سیاہ رو سے پوچھتا ہے، ایک فاسق سے کیا کہلوانا چاہتا ہے؟

تمام جسم کانپ رہا تھا، ایکا ایکی رونا شروع کیا، گھگھی بندھ گئی۔ تم نے ایسی حالت میں یہ نام کیوں لیا، تمھیں جرأت کیسے ہوئی؟ گستاخ بے

ادب! باخدا دیوانہ باش، بامحمد ہوشیار۔اس شریر سوال پر توبہ کرو، میں تمہارا خبث باطن سمجھتا ہوں۔خود قہر وغضب کی تصویر ہوگئے، اس نوجوان کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔اس نے بات کو موڑنا چاہا مگر اختر کہاں سنتے تھے، اسی حال میں اُسے محفل سے اٹھوایا، پھر خود اٹھ کر چلے گئے۔تمام رات روتے رہے، کہتے تھے: یہ لوگ اتنے نڈر ہوگئے ہیں کہ آخری سہارا بھی ہم سے چھین لینا چاہتے ہیں۔میں گناہ گار ضرور ہوں لیکن یہ مجھے کافر بنا دینا چاہتے ہیں۔(ماخوذ از:۔مضامین شورش)

علامہ یٰس اختر مصباحی نے اپنی زبان سے یہ ایمان افروز اور رقت انگیز قصہ سنایا پھر اس داستان کے نتیجے کے طور پر آپ نے جو تاریخی جملہ ارشاد فرمایا، وہ یہ ہے، فرماتے ہیں: حضرت مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ (۱۸۹۲ء۔۱۹۸۱ء) اقبال کے اِن اشعار:

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ، ورنہ ز دیوبند حسین احمد! ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملّت از وطن است چہ بے خبر زِ مقامِ محمدِ عربی است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر بہ او نرسیدی ، تمام بولہبی است (اقبال)

کے متعلق تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے تھے:

یہ اشعار اتنے قیمتی ہیں کہ مجھے امید ہے اِن شاء اللہ تعالیٰ اِن اشعار کی بدولت اقبال کی بخشش ہوجائے گی۔

پھر فرماتے ہیں: اور مجھے (علامہ یٰس اختر مصباحی کو) یہ امید ہے کہ اختر شیرانی کی اس واقعے کی بدولت بخشش ہوجائے گی۔

آج جب حضرت ہمارے درمیان نہیں رہے اور صرف ان کی یادیں رہ گئی ہیں، میرے واسطے سے حضرت اختر شیرانی کے لئے یہ تبصرہ اور تاریخی جملہ آئندہ نسلوں تک پہنچنا چاہیے۔مکرانہ کے مذکورۃ الصدر پروگرام میں مولانا شاکر علی نوری، بمبئی بطور خطیب مدعو تھے۔مولانا نے حضرت علامہ یٰس اختر مصباحی علیہ الرحمہ کی علمی عظمتوں کا ذکر کرتے ہوئے بہت جذباتی انداز میں تبصرہ کیا:

''یہ وہ شخصیت ہیں، جن کی کتابیں پڑھ کر ہم اپنا قبلہ فکر درست کرتے ہیں اور بولنے کے لائق بنتے ہیں۔''

نہیں معلوم عوام بلکہ عوامی مذاق رکھنے والے اہل منبر پر مولانا کے اِس جملے کا کیا کچھ اثر مرتب ہوا، لیکن مجھے آج بھی بخوبی یاد ہے، میرے اندروں میں اس جملے کی حساسی نے ضرور ہلچل بپا کی تھی۔پروگرام کے بعد رخصتی کے وقت جب مولانا شمس الدین قادری نذر پیش کرنے لگے تو فرمایا:

''ہم لوگ نذرانوں والے نہیں، دہلی پہنچنے بھر کا زاد موجود ہے اور وہی کافی ہے، خواہشوں کی انتہا نہیں، ضرورتیں من جانب اللہ پوری ہوجاتی ہیں۔::

یہ جملہ محض ایک رسمی جملہ نہ تھا بلکہ قوت لا یموت پر صبر وقناعت کی عملی زندگی جینے والے علامہ علیہ الرحمہ کی زندگی کا عکس جمیل تھا۔ان کے قریب رہنے والے بلکہ انھیں قریب سے پہچاننے والے خوب جانتے ہیں کہ ان کی پوری زندگی اسی سادہ مزاجی اور قناعت پذیری کی ترجمان رہی کہ ''خواہشوں کی انتہا نہیں، ضرورتیں من جانب اللہ پوری ہوجاتی ہیں۔''

کافی وقت گزرا، ایک بار ہم دہلی میں اپنے ہم خیال احباب کے جھرمٹ میں تھے اور علمائے اہل سنت کے اقتصادی حالات اور ان کی عظیم خدمات زیر بحث تھیں۔دریں اثنا ہمارے ایک عزیز عبدالعظیم نقش بندی نے بتایا کہ میں نے علامہ یٰس اختر مصباحی کو گھر پر بذریعہ فون بات کرتے ہوئے سنا، فرما رہے تھے ''میں نے منی آرڈر کے ذریعے ایک ہزار روپیہ بھیجا ہے، موصول ہوگیا ہوگا۔''

گفتگو کا موضوع ہی یہ تھا کہ اس شان کے عالم دین اور اس اکیسویں صدی میں بھی غربت کے اس ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں جبکہ دوسری سچائی یہ ہے کہ اگر اُسی دہلی میں ان کے قد کا کوئی دوسرا ہوتا تو شاید اس کا معاشی بیک گراؤنڈ معاصر علما کے بیچ الگ ہی شان کا حامل ہوتا۔

حضرت علامہ علیہ الرحمہ کی شان استغنا سے متعلق مبارک پور میں ایک دلچسپ بات سننے میں آئی۔علامہ کے صاحب زادے نے انھیں فون کیا: ابا! میری دستار بندی ہے، کارڈ چھپوانے اور اسی قسم کے دوسرے اخراجات کے لئے اتنے پیسے چاہیے اور ساتھ ہی آپ کو جلسہ دستار بندی میں شریک بھی ہونا ہے۔مخدوم زادے کی بات مکمل ہونے پر آپ نے پوری شان بے نیازی کے ساتھ پوچھا: بیٹا! یہ تو بتاؤ، کس مدرسے میں پڑھ رہے ہو؟ خدمت دین کے لئے خانہ اور اہل خانہ سے یہ بے نیازی کسی کے لئے دلچسپ ہوسکتی ہے لیکن ایسی بے نیازی شاید اب آئندہ زمانے میں

کہیں سننے میں نہ آئے۔

علامہ کو سننے والے جانتے ہیں کہ وہ تاریخی ہی نہیں، جب نارمل گفتگو بھی کرتے، تب بھی تاریخ بتاریخ کرتے۔ انھیں مہ وسنین خوب یاد رہتے وہ اپنی اس یادداشت کا بھرپور استعمال بھی کرتے۔ اُن کی یہ وہ خوبی تھی، جس کا ان کے عزیز ترین رفیق اور دنیائے علم وادب کے صدر العلما، علامہ محمد احمد مصباحی کو بھی اعتراف تھا، آپ فرماتے ہیں: مولانا یٰس اختر مصباحی کو تاریخیں خوب یاد رہتی ہیں۔

مولانا سے یاد آیا۔ علامہ علیہ الرحمہ سمیت ان کے وہ خصوصی احباب، جن میں سے ہر ایک نے جہان علم وقلم میں اپنی جدا پہچان بنائی بلکہ جماعت اہل سنت کی آبرو ثابت ہوئے، ہر ایک آپس میں ایک دوسرے لئے ''علامہ'' اور دیگر القاب وآداب کی خوش نما جنتوں کی بجائے سیدھے سادے ''مولانا'' تھے۔ ان حضرات کے بیچ گویا خاموش معاہدہ تھا، سب ایک دوسرے کی مکمل شخصیت شناسی کے باوجود باہمہ اعترافات محض ''مولانا'' ہی تھے۔ مولانا یٰس اختر مصباحی، مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا عبدالمبین نعمانی اور مفتی نظام الدین رضوی۔

اگر اُن میں سے کوئی اپنی نگہ داشت میں عوامی پوسٹر سمیت کوئی بھی تحریر شائع کرتا، جس میں اپنے احباب کے نام رقم کرنے کی نوبت آتی تو بھاری بھرکم القاب وآداب کی بجائے سادہ سا نام اور نام کا سابقہ ''مولانا'' ہوتا۔ دراصل باہم مزاج آشنا، بلند فکر اور سادہ مزاج یہ حضرات اپنی فکر کی طرح بساط بھر عملاً بھی یہ پیغام دینا چاہتے کہ بجا بے جا القاب وآداب کی خوش فہمیوں اور عوامی روشوں میں وہ کچھ مزہ نہیں، جو سادگی میں ہے اور اہل علم کے لئے لفظ ''مولانا'' کچھ ایسا تنگ نہیں کہ اُسے بے قدر سمجھا جائے۔

شاید اب زمانے کو اس قدر مزاج آشنا معاصرین نصیب نہ ہوں، جو علم وفکر، طبیعت اور اخلاق میں اس قدر یکسانیت رکھتے ہوں اور کسی صورت زمانے کی ہوا وہوس کے نہ شکار ہوں اور نہ مرعوب۔

جامعہ اشرفیہ کی مجلس شرعی کے پچیسویں فقہی سمینار کی بات ہے، راقم الحروف بھی مجلس میں شامل تھا۔ شام کی مجلس تھی اور صدارت حضرت رئیس التحریر علامہ یٰس اختر مصباحی فرما رہے تھے۔ علامہ علیہ الرحمہ نے اکابر علما ومشائخ کی موجودگی میں حضرت صدر العلماء سے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

حضرت مولانا محمد احمد مصباحی سے میرے بچپن کے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات ہیں، جس کی مدت پچپن سال یعنی نصف صدی سے زیادہ ہے، اس تعلق سے میں کہتا ہوں کہ اپنے کردار وعمل کے لحاظ سے آج آپ جتنے بزرگ نظر آتے ہیں، پچپن سال پہلے بھی یہ اتنے ہی بزرگ تھے۔

(مقالات مصباحی، از: مولانا توفیق احسن برکاتی ص: ۳۱۔۳۲)

یہ بھی مجلس شرعی کے کسی سمینار کی بات ہے کہ آپ نے حضرت صدر العلماء کی تحریر وتقریر کی عظمتوں پر بات کرتے ہوئے مرحوم مولانا اسید الحق قادری کا حوالہ دیا اور غالباً یہ بتایا کہ اسید میاں کہتے تھے: مصباحی صاحب اکیلے عالم دین ہیں، جن کی تقریریں اِس شان کی ہوتی ہیں کہ اگر انھیں تحریری رنگ دے دیا جائے تو تقریباً بنا کانٹ چھانٹ کے مرتب تحریریں بن جاتی ہیں۔

آپ چوں کہ حتی المقدور ہر فقہی سمینار میں تشریف فرما ہوتے، اس لئے اس سے بہت سی یادیں وابستہ ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب جامعہ اشرفیہ اور اس سے وابستگان پر مسلک بیزاری کے اتہامات کے طومار باندھے جا رہے تھے، مجلس شرعی کی ایک نشست میں گفتگو کرتے ہوئے فرمانے لگے: میں نے ایک صاحب کو بہت نرمی سے علمی لہجے میں یہ سمجھایا کسی پر حکم کفر اُس وقت عائد ہوتا ہے، جب کلام، تکلم اور متکلم تینوں کا ثبوت شرعی ملے۔ یعنی کلام ایسا ہو جس کا کفر ہونا یقینی ہو، جس پر الزام کفر لگے، اس سے اس کفریہ کلام کا تکلم، شرعی نقطہ نظر سے ثابت ہو اور بنا شک اس شخص کا متکلم ہونا بھی ثابت ہو۔

کہتے ہیں کہ ''میری یہ بحث سنتے ہی، سامع کہنے لگا: اس بحث کی روشنی میں دیکھا جائے تب تو بہت کم لوگ کافر ہوں گے۔'' میں نے کہا: تو کیا، بہت زیادہ کافر بنانے کا شوق ہے؟

مسلم نوجوانوں کے غیر سنجیدہ جذبات پر بات کرتے ہوئے اپنے ساتھ بیتا اُسی طرح کا ایک اور دل چسپ قصہ سناتے ہوئے، بتانے لگے: بابری

مسجد کی شہادت کے بعد دہلی میں کچھ جوشیلے نوجوان مجھ سے ملنے آئے اور انھوں نے بتایا کہ ہم سر بکفن مسجد کی بازیابی کے لئے ایودھیا جا رہے ہیں۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی شہادت کو قبول فرمائے۔ اتنا سننا تھا کہ آہستہ آہستہ وہ چھٹنے لگے اور اپنے گھر جانے کے علاوہ کوئی کہیں نہیں گیا۔

حضرت علامہ کے تلخ تجربات کی بھی اپنی ایک جدا داستان ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی کا بڑا قیمتی حصہ دہلی کو دیا جہاں انھوں نے نہ صرف سیاسی اور سماجی بلکہ مذہبی دنیا کے بھی بڑے اتھل پتھل رخ دیکھے۔ دہلی کی دوڑ بھاگ کے بیچ سماجی قد کاٹھیوں کی طرح مذہبی قامتوں کے بھی مول بھاؤ لگنا، پھر جلد ہی یکایک طبیعتوں کی غیرتیں اور ترجیحات کا بدل جانا، انھوں نے قریب سے دیکھا تھا۔ ان مراحل کو دیکھتے دیکھتے وہ ایسے پختہ کار جوہری بن گئے تھے، جنھیں چہروں کی دور سے پرکھ ہوجاتی اور نتیجتاً وہ رسم پروریوں سے اوپر اٹھ کر کچھ اس طرح کے تلخ گو حقیقت بیاں بھی بن گئے تھے، جنھیں شاید ہر کوئی نہ سن سکے اور نہ سمجھ سکے۔ ان کا ایسے بہتیرے جملہ ویروں سے آئے دن سابقہ پڑتا رہتا تھا، جو محض گفتار کے غازی ہوتے، نہ انھوں نے عملاً کچھ کیا ہوتا، نہ ظاہر میں ویسا کرنے کی صلاحیت رکھتے، جیسی بڑی باتیں کر لیتے ہیں، ایسے بہت سے باتونیوں کو چائے پلا کر باتوں باتوں میں ٹرخا دینا، آپ کی مجبوری بھی تھی، کمال بھی اور آئے دن کا مشق بھی۔

بات یہ ہے کہ سیاست کو ہر عہد میں کچھ ایسے سفید پوش چاہیے ہوتے ہیں، جن کے چہروں پر دوہری نقاب ہو، جو سیاست و مذہبیت کے بیچ کچھ اس طرح بچولیوں کا کردار ادا کر سکیں کہ سیاست کی ہر بجا بے جا آواز پر لبیک کہیں، اس کے ہر مطلوبہ کردار کے سانچے میں پورے سلیقے کے ساتھ ڈھلتے اور دوسروں کو ڈھالتے چلے جائیں اور مذہب کو ایسا لچک دار بنا دیں کہ مذہب، سیاست کی ہر پکار پر سجدہ ریز نظر آئے۔

افسوس یہ ہے کہ عہد زوال میں مذہبی اور ملی غیرت مندیوں کی اس منڈی میں اس قدر ارزانی ہوئی ہے کہ اس معیار کے کوہ قامت افراد امید سے زیادہ سستے داموں میں دست یاب ہونے لگے ہیں۔ خوش پوشا کی، قد کاٹھی اور ظاہری تقدس مآبی کے حامل وہ لوگ، جن کی عظمتوں کی قسمیں اٹھائی جا سکتی ہیں، نہ صرف یہ کہ دہلی کے سیاسی گلیاروں میں ان کی بولیاں لگتی ہیں بلکہ دوہرا افسوس یہ ہے کہ ان کا نرخ بھی کچھ قابل قدر نہیں۔

چوں کہ حضرت علامہ کو قسام ازل کی خصوصی رحمتوں نے چنندہ فیروز بختوں میں شامل فرما رکھا تھا، اس لئے انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی عمدہ تربیت، مذہبی حمیت، ملی غیرت اور سب سے بڑھ کر توفیق خداوندی سے ایسے ہر مارکیٹ کا بانگ دہل بائیکاٹ کیا بلکہ اپنی صفوں کے میر جعفروں کی بھی بلا خوف لومۃ لائم ہر ممکن نقاب کشائی کی، جس کا بھرپور خمیازہ بھی بھگتا لیکن یہ شاید محض فضل ربی تھا کہ وہ ایسے درپیش ہر مرحلے سے مردانہ وار گزر گئے اور آخر اپنی عمر ناپائیدار بھی گزار ہی گئے۔

سیاست، مذہبیت اور معاشرت کی اس کساد بازاری پر اُن کے سیاسی اور سماجی تبصرے سننے لائق ہوتے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑے بڑوں کی بڑی بڑی تاریخیں سمو دیتے۔ یہ دار القلم کی بات ہے۔ ہم لوگ ملاقات کی غرض سے حاضر باش تھے۔ سیاست پر بصیرت افروز باتیں ہو رہی تھیں، ایک خبر کو لے کر اس کا پس منظر بتاتے ہوئے کہنے لگے: خبر وہ نہیں ہوتی جو، اخبار میں چھپتی ہے بلکہ اصل خبر اُس مطبوعہ خبر کے پیچھے سے کہیں جھانک رہی ہوتی ہے، جسے سمجھنے والے ہی سمجھ اور پڑھنے والے ہی پڑھ سکتے ہیں۔

یہ بھی ان کی قلندرانہ مزاجی کہلائے گی کہ انھوں نے اپنی درویشی کے باوجود اُن تمام مرصع فتنہ سامانیوں کی بیخ کنی کا گویا ذمہ لے رکھا تھا، جو کسی بھی طرح ملت اسلامیان ہند کے لئے دیر یا سویر آزمائشیں بننے والی تھیں۔ یعنی انھوں نے صرف بابری مسجد کے قضیے، دہلی وقف بورڈ کے تحفظ اور وہابیہ سے بازیابی اور مسلم دشمنی کے لئے مشہور پر عزم تحریک آر ایس ایس کی نقاب کشائی میں ہی بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیا بلکہ کبھی اپنے اداریوں اور دورِ آخر میں سوشل میڈیا کے ذریعے ہر نو پید فتنہ کا بروقت پوری جواں سالی کے ساتھ مقابلہ کیا۔

۲۰۱۴ء کے بعد سے ان کی وفات تک مرکز میں برسر اقتدار بھاجپا حکومت کے ڈھکے چھپے اور کھلے ایجنڈوں پر انھوں نے ہمیشہ تحریری احتجاج کیا، عوامی بیداری کی مہم چھیڑے رکھی اور اس بات کی کچھ پرواہ نہ کی کہ اس کی چوٹ کس کس کا تقدس پامال کرتی ہے۔ فتنوں کی سرکوبی کے لئے ان کی مساعی کا جائزہ لیا جائے تو داخلی اور خارجی فتنوں کا بار بار ادلتا بدلتا ایک تسلسل نظر آتا ہے۔ بیسویں صدی کی آخری اور اکیسویں صدی کے پہلی دہائی کے پہلے حصے تک انھوں نے حکومت کی غلط پالیسیوں کے خلاف محاذ کھولے رکھا اور ساتھ ہی ساتھ ملی بیداری کی مہم بھی برابر جاری رہی۔

اکیسویں صدی کی پہلی دہائی کے نصف اخیر سے دوسری کے نصف اخیر تک وہ مسلکی خانہ جنگیوں کے خلاف محاذ آرار ہے۔انھیں اپنے مذاق طبع، جہاں دیدگی، وسعت مطالعہ، دعوتی مزاج، نفسیات فہمی اور مسلکی دردمندی سے خوب معلوم تھا کہ خوب کیا ہے اور ناخوب کیا۔ وہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے مسلک کو تنگ دائروں میں دیکھنے کے خواہاں نہ تھے اور نہ ہی مسلکی تصلب کی جگہ تشدد کو جگہ پانے دینا چاہتے تھے۔ مسلک اعلی حضرت انھوں نے پہلے اپنے استاذ و مربی اور پھر مرشد سے گویا گھٹی میں پی رکھا تھا، اس لئے وہ نئے زمانے میں گچھے کھانے والے کچے مسلکی ٹھیکیداروں سے کسی صورت بازی ہارنے والے نہ تھے جبکہ ان سے ہر بار گویا یہ خاموش مطالبہ دوہرایا جاتا رہا کہ وہ کتابی اور اصلی مسلک اعلی حضرت سے زیادہ چند شخصیات کے حصار سے وابستہ مسلک کے پابند ہوں، جوان سے نہ ہونا تھا، نہ تادم اخیر ہوا۔

کئی بار خوں خوار اور کئی بار بچکانہ سی مسلکی بحثوں بلکہ نظریاتی طور پر اوچھے حملوں کے بیچ وہ اپنی عزت نفس کو مجروح کر کے بھی پوری علمی سطوت اور کشادہ قلبی کے ساتھ حق بداماں رہے اور ہر بار یہ باور کرواتے رہے کہ مسلک اعلی حضرت کسی ایک شہر، یا کسی خاندان، یا کسی خاص شخصیت سے وابستگی کا جاگیردارانہ نظام نہیں بلکہ یہ قرون اولی کے معتقدات و معمولات کی وہ عملی تفسیر ہے، جو حقانیت کا استعارہ اور دورِ اخیر میں سواد اعظم، مسلک حق، مسلک اہل سنت و جماعت کی دوسری لفظی تعبیر ہے۔

مسلک کو لے کر وہ اس لئے بھی کسی کے آگے سپر انداز ہونے والے نہیں تھے کہ انھوں نے اپنی قلمی زندگی کا خاصا حصہ اسی مسلک حق کی تفہیم اور پہرے داری کے حوالے کیا تھا۔ اپنی اہم ترین تصنیف ''امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات'' کے ذریعے انھوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی شخصیت کو باطل کے سامنے جس علمی، فکری، اعتقادی اور فقہی انداز سے پیش کیا، ہر انصاف پسند طبیعت حضرت امام کو خراج عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہوئی۔ گویا وہ زبان کے غازیوں سے کہیں زیادہ میدان عمل کے شہ سوار بن کر جینا پسند کرتے تھے۔

ادھر اُن کی آخری دہائی یعنی اکیسویں صدی کا نصف اخیر ایک بار پھر حکومت کی سخت گیر روش، ظالمانہ پالیسیوں اور خفیہ ایجنڈوں کی حقیقت ظاہر کرنے میں گزری۔ وہ ہواؤں سے فتنوں کو نہ صرف بھانپ لیتے بلکہ اپنے خاص حاضر باشوں کو بہت سے حقائق سے پیشگی آگاہ بھی کر دیا کرتے تھے۔ خاص وصف یہ تھا کہ وہ ایک محاذ پر کام کرتے ہوئے، دوسرے محاذ سے غافل نہیں ہوتے تھے۔

اسی دہائی میں ملکی سطح پر جس فتنے نے بہت قوت کے ساتھ سر ابھارا، وہ رافضیت کا فتنہ ہے۔ آج ہم ۲۰۲۳ء میں جسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا دیکھ رہے ہیں، انھوں نے کوئی ۴-۵ سال قبل اسے دور سے محسوس کر لیا تھا۔ ہوا یوں کہ انھوں نے کچھ حساس مزاج نوجوان اہل قلم کی ایک ٹیم کو دار القلم میں عشائیے پر مدعو کیا اور مستقبل قریب میں ابھرنے والے فتنہ رافضیت کی بیخ کنی کی عملی ذمہ داری سونپی۔ فقیر کو بھی دعوت ملی اور حاضر ہوا۔ ملاقات ہوتے ہی سب سے پہلے انھوں نے شامی مسلمانوں کی مدد کے لئے میرے جارڈن کے دورے پر مبارک باد دی اور اس دورے کو پوری ملت اسلامیان ہند کی طرف سے ایک قرض کی ادائیگی مانتے ہوئے دعاؤں سے نوازا۔

باضابطہ گفتگو شروع ہوئی تو آپ نے رافضیت سے متعلق پہلے اپنے اندیشے اور تجربات شیئر کیے اور پھر علما کی مذہبی ذمہ داریوں اور آئندہ کے طرز عمل پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ مجھے یاد ہے، آپ نے فرمایا تھا: جس طرح گزشتہ سالوں کسی بھی شخص کا گھیرا تنگ کرنے کے لئے لفظ مسلک اعلی حضرت کا بے جا استعمال ہوتا رہا کہ فلاں مسلک اعلیٰ حضرت پر نہیں اور فلاں باغی ہے، ویسے ہی فتنہ رافضیت کا استحصالی ہتھکنڈہ ہوگا: فلاں محب اہل بیت نہیں، فلاں خارجی ہے اور فلاں ناصبی۔

آج جب بھی کہیں یہ غوغا سننے کو ملتا ہے اور کہیں نہ کہیں سننے کو مل ہی جاتا ہے حاشیہ خیال میں موجود اُن الفاظ کی گردش تیز ہو جاتی ہے۔

انجام کار کے طور پر منتخب لوگوں کو الگ الگ موضوعات پر لکھنے کی ذمہ داریاں سونپی گئیں، فقیر کے حصے میں ''فضائل صحابہ و اہل بیت'' عنوان آیا، جس پر مواد تیار اور تشنہ اشاعت ہے لیکن سوئے قسمت کہ ابتداء کچھ عرصہ مواد کی فراہمی میں لگا، کچھ تساہلی ہوتی گئی اور تب تک مسلسل دو کورونا کی دستکیں ہو گئیں اور اب محرک ہی نہ رہا۔

اس پروجیکٹ کو عملی شکل دے دینے کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا: اگر ہم نے بخوبی یہ کام کر دیا تو آئندہ پچاس سال تک

کے لئے ہماری ذمہ داری پوری ہوجائے گی اور اس کے بعد جولوگ موجود ہوں گے، وہ سمجھیں گے۔

ردِرافضیت کے اس پروجیکٹ کی وجہ سے ان سے ایک مدت کے بعد ایک بار پھر مضبوط تعلقات اُستوار ہو گئے تھے۔ دو ایک بار ٹیلی فونک گفتگو بھی ہوئی اور ایک بار ذہنی طور پر اُن کی بلند قامت شخصیت کو ملحوظ رکھ کر تیار کیے گئے خاکے پر ان سے دارالقلم میں ملاقات بھی کی۔ ہوا یوں کہ ہمارے دوست اور مسلم اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آف انڈیا کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر شجاعت علی قادری سے ملی مسائل پر بات ہورہی تھی، باتوں میں یہ طے پایا کہ ہمیں علامہ یٰسین اختر صاحب سے تاریخ اسلام پر کام کروانا چاہیے، اس ضروری موضوع پر اہل سنت کے کسی فرد کی کوئی کتاب موجود نہیں اور یہ کام علامہ صاحب بخوبی کر سکتے ہیں۔ شجاعت بھائی نے کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری لیتے ہوئے علامہ صاحب کو اس دوران کے اخراجات کے لئے ایک مخصوص رقم پیش کرنے کی بھی بات کہی۔ ہم دارالقلم پہنچ گئے اور باتیں چلنے لگیں۔ تاریخ اسلام پر بات کرتے ہوئے جب شاہ معین الدین ندوی اور نجیب اکبرآبادی کی لکھی ہوئی ''تاریخ اسلام'' نامی کتابوں کی بات آئی تو بڑا تاریخی جملہ فرمایا: یہ کتابیں تاریخ اسلام تھوڑی ہیں، یہ تو تاریخ ملوک اسلام ہیں۔ تاریخ اسلام پر تو اردو میں اب تک کوئی لکھی ہی نہیں گئی۔ آپ چوں کہ پہلے سے کچھ پروجیکٹس میں مصروف تھے، اس لئے ہماری پیش کش شرف قبولیت نہ پاسکی لیکن اس جملے نے ذہن کے دریچے پر یہ بات مزید پختگی کے ساتھ ضرور مرتسم کردی کہ ہم اپنے موضوعاتی خاکے کو جتنا اہم سمجھ رہے تھے، وہ اس سے کہیں زیادہ اہم اور ہم جتنا تشنہ کام جان رہے تھے، اس سے کئی گنا زیادہ تشنہ کام ہے۔

دارالقلم میں آپ سے پہلے بعد کچھ اور ملاقاتیں بھی رہیں، جن کی صحیح تعداد اور تسلسل مستحضر نہیں تاہم اتنا ضرور ہے کہ ہر ملاقات اہم، مؤثر اور مفید تھی۔ اسی قسم کی ایک گفتگو کے دوران فرمانے لگے: میں نے سوشل میڈیا کو ہی اپنے پیغامات، تحریرات اور افکار کی ترسیل کا ذریعہ بنالیا ہے۔ ان کی مراد یہ تھی کہ وہ وہاٹس ایپ کے ذریعے براوڈ کاسٹ یا، انفرادی سطح پر جو چیزیں مناسب سمجھتے ہیں، اپنے سے مربوط احباب کے ساتھ شیئر کر دیتے ہیں۔ چوں کہ میں بھی ان کی اس فہرست میں شامل تھا، اس لئے ان کی یہ ترسیلات مجھے بھی مسلسل موصول ہوتی رہتی تھیں۔ ان موصول ہونے والی چیزوں میں عام طور پر ان کی تحریروں کی پی ڈی ایف، یا کچھ اہم ٹیکسٹ، یا ویڈیوز وغیرہ کے لنک ہوتے تھے۔

ہمارے فکری حریف ڈاکٹر طاہر القادری کی کثرت تصانیف کا راز افشا کرنے والی ہماری تحریر کو بھی انھوں نے براوڈ کاسٹ کیا تھا، جسے علمی حلقے میں غیر معمولی قبول ملا۔ دراصل ڈاکٹر طاہر القادری کا بروقت تعاقب کرنا، ان کی سفید پوشی سے نقاب کشائی کرنا اور حرص جاہ کے لئے مسلک کی بلی چڑھانے والے ان کے رنگین مزاج کے خلاف مطعون ہوکر بھی جہاد لسان وقلم کرنا بھی حضرت علامہ کی حیات کا روشن پہلو رہا۔ بات آہی گئی ہے تو شاید حقیقت پسندوں کے سامنے ڈاکٹر صاحب کی کوہ قامت علمی شخصیت کا یہ نقصان قدرے واضح ہو کہ زمین ہند و پاک پر پہلے حد سے بڑھی ہوئی آزادخیالی اور پھر فتنہ رافضیت کی ترقی میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے خطابات کا کلیدی رول رہا۔ آج جبکہ جماعت کا وہ درویش صفت مفکر، اصابت رائے کا حامل تجربہ کار مدبر، دردمند مسلک پسند، دوراندیش قائد، بے نیاز قلم کار اور متوکل وصابر غیور ہمارے بیچ نہیں، ہمیں شدت کے ساتھ احساس ہورہا ہے کہ ہماری کوتاہ فکری نے کبھی کسی اور کبھی کسی بہانے سے اس کی وہ قدر نہ کی، جس کا وہ واقعی حق دار تھا، اُسے وہ سہولیات نہ فراہم کی، جس سے اس کی فیض باریاں دوچند ہوتیں، اُسے اس منزل میں نہ رکھا جو، اس کے قد کا تقاضا تھا، اس کی خدمات کا وہ اعتراف نہ کیا، جو بنتا تھا لیکن پھر بھی اس نے صبر وشکر کے ساتھ تادم مرگ وہ کیا، جو اسے اس کا فریضہ محسوس ہوا۔

اللہ تعالیٰ اس کی مرقد کو مرکز انوار بنائے، لغزشوں کو درگزر کرے اور ملت اسلامیہ کو اس کے سچے وارث دے۔ آمین یارب العالمین

خالد ایوب مصباحی۔ چیئرمین: تحریک علمائے ہند، جے پور راجستھان

قصر اشرفیہ سے دلی کے لال قلعہ تک

فقر و درویشی، زہد وتقشّف، توکل واستغنا، خودداری وخود بینی کا تابناک سفر ایک بے ضرر، غریب وسادہ ورنگین شخصیت جس میں مستقبل شناشی، منصوبہ بندی، کیریر گائڈینس، ٹھوس پلاننگ، تفکر وتدبر، معنی خیز خاموشی، سنجیدگی ومتانت، علمی جاہ وجلال، شکوہ وتمکنت، فکری ثقاہت، مسلکی

تصلب، فہم وتدبر، ادراک وتفہم، دیدہ وری وعرق ریزی، جانفشانی وکدوکاوش، قلمی جہاد، فکری اعتدال، ذہنی پختگی، مشن سے لگاؤ، روایات کا تحفظ جیسی اعلیٰ انسانی خصوصیات کو اللہ تعالی نے اپنے فضل سے جمع کر دیا تھا۔

رئیس التحریر حضرت علامہ یسین اختر مصباحی سے میرے تعلقات کا آغاز اُس وقت سے ہوتا ہے جب ۱۹۹۰ء میں مادرعلمی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں دورۂ حدیث میں قدم رکھ چکا تھا۔ دراصل میرا داخلہ ۱۹۸۶ء میں درجہ رابعہ میں (شارح صحیح مسلم) بدرالافاضل حضرت علامہ مفتی بدرالدجیٰ مصباحی (پرنسپل دارالعلوم اہل سنت اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد) کی وساطت ورہ نمائی میں ہوا تھا۔ اس وقت علامہ بدالدجیٰ الرضوی اشرفیہ کے مبلغ کے عہدہ پر فائز ہوا کرتے، یہ عہدہ آج کے تناظر میں کوئی بڑا عہدہ نہیں معلوم ہوتا مگر اُس قت یہ عہدہ بھی پہاڑ کی طرح لگتا تھا، علامہ مصباحی ایک شعلہ بار خطیب تھے، اور اپنی خطابت کے ذریعے اشرفیہ کی ترجمانی عوامی وعلمی حلقوں میں کیا کرتے۔ اتنا سہارا بھی اشرفیہ سے انتساب کے لئے بہت بڑا تھا، اس وقت اشرفیہ میں داخلہ یا سالانہ امتحانات کا موجودہ منظم نظام نہیں تھا، جو مخدوم گرامی صدر العلماء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب حفظہ اللہ کا وضع کردہ ہے بلکہ سوالیہ قلمی پرچے تیار کیے جاتے اور اساتذہ سینٹرل بلڈگ کے مختلف کمروں میں سوالات کا املا کرا دیتے تھے۔ گویا فوٹو کاپی کی بھی سہولیات میسر نہیں تھی۔

خیر درجۂ رابعہ کے نتائج کا جب اعلان ہوا تو چھٹویں نمبر پر فقیر اشرفی کا نام تھا، جس سے بے پناہ خوشی ہوئی، کامیابی کی امید تو تھی مگر اتنی نہیں۔ اسی سال مولانا ناظم علی مصباحی موجودہ استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مولانا ذوالفقار علی رشیدی دیناج پوری، مولانا سید شاکر علی سیفی کرناٹکی (مدینہ مسجد کرلا ویسٹ)، مولانا عمر فاروق کاتب بنگالی، وغیرہ بھی ٹاپ ٹن میں آئے تھے، جس سے پورے اشرفیہ میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ قدیم طلبہ میں صرف مولانا محمد یونس گجراتی مقیم حال لندن ہی، اپنی ایک نمبر کی پوزیشن برقرار رکھ سکے تھے۔ باقی تمام پرانے طلبہ دس کی گنتی سے باہر ہو گئے اور اُن کی جگہ نئے مہمان براجمان ہو گئے اور تقریباً دورے تک جماعت کی یہی کیفیت معمولی بدلاؤ کے ساتھ برقرار رہی۔

پانچ سال کیسے گزر گئے کچھ پتہ ہی نہیں چلا، اس درمیان مختلف شخصیات کا اشرفیہ میں آنا جانا رہا، خصوصاً عرس ودستارِ فضیلت کے ایام میں اعلام علمائے روزگار کی آمد ہوتی، ہم سب ان سے ملتے اور مل کر کچھ سیکھنے کی کوشش کرتے یا دور سے ان کی زیارت کر کے روح کی تسکین کا سامان کرتے۔ درمیان سال میں کبھی کبھی مشاہیر علمائے کرام کی تشریف آوری ہوتی، ان سے استفادہ کی کوشش ہوتی، مثلاً ایک آمد حضرت علامہ قمرالزماں اعظمی مصباحی کی بھی یادگار رہی جب انھوں نے عزیزی ہال میں مغربی تہذیب کے تناظر میں عالمی سطح سے خطاب کیا، یہ ان کی پہلی باضابطہ تقریر تھی جو اتنے قریب سے سنی تھی، اس تقریر نے دل ودماغ کو بہت متاثر کیا۔ اس کے بعد ایک آمد حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی بھی یادگار ہے، جب آپ نے سیٹھ احسان اللہ مرحوم بستوی کی موجودگی میں ان سے جنریٹر کا مطالبہ کیا تھا جس کی قیمت اُس وقت چالیس ہزار بتائی گئی تھی، مگر شاید وہ جنریٹر نہیں مل سکا تھا، بعد میں اشرفیہ پر اللہ کا کرم ہوا کہ ایک مشہور صاحب خیر کی نگاہ کرم کی وجہ سے قدآدم جنریٹر آ گیا۔ میری جماعت کا ایک اہم کارنامہ پرانے مین گیٹ پر اشرفیہ کا سائن بورڈ بنوانا اور لگوانا تھا۔ میرا ذاتی کارنامہ گورکھپور سے مشہور خطاط کاتب شعیب احمد صاحب کو بلا کر گنبد کی پیشانی پر عربی رسم الخط میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور لکھوانا ہے۔ اُس وقت کاتب صاحب نے تیرہ سو روپے چارج کیے تھے، جو آج کے تیرہ ہزار کے برابر ہے۔

اساتذۂ اشرفیہ میں حضرت مفتی شریف الحق امجدی (علیہ الرحمہ) حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مصباحی امجدی گھوسوی، حضرت علامہ محمد احمد مصباحی بھیروی، حضرت علامہ عبدالشکور صاحب (ادارہ) حضرت علامہ اسرار احمد صاحب اعظمی (علیہ الرحمہ) حضرت علامہ اعجاز احمد صاحب مبارک پوری (علیہ الرحمہ) حضرت علامہ نصیرالدین صاحب مصباحی، حضرت مفتی محمد نظام الدین مصباحی رضوی، حضرت مولانا عبدالحق صاحب مصباحی گونڈوی، حضرت مولانا شمس الہدیٰ صاحب بستوی مصباحی، حضرت مفتی معراج احمد مصباحی صاحب فیض آبادی، (علیہ الرحمہ) جونیئر اساتذہ میں حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی رام پوری، حضرت مولانا زاہد علی سلامی، حضرت مولانا بدرعالم مصباحی، حضرت مولانا مفتی نسیم احمد مصباحی، مولانا کمال اختر مصباحی وغیرہ قابل ذکر تھے۔ مقامی مبارک پوری علما میں، میں نے اپنی آنکھوں سے حضرت علامہ محمد شفیع اعظمی مصباحی

(علیہ الرحمہ) حضرت علامہ قاری محمد یحییٰ انصاری مصباحی (علیہ الرحمہ) بحر العلوم حضرت مفتی عبدالمنان اعظمی صاحب (علیہ الرحمہ) شہزادۂ بحر العلوم حضرت مولانا شکیب ارسلان صاحب (علیہ الرحمہ) جو شومیِ قسمت سے اخیر وقت میں اشرفیہ کے سخت مخالف ہو گئے تھے، کو بار ہا دیکھا، ان کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ حضرت مولانا محمد نعیم صاحب اپنے والد گرامی حضرت قاری یحییٰ (علیہ الرحمہ) کے وصال کے بعد جامع مسجد راجہ مبارک شاہ کے خطیب و امام بن گئے جو تا حال اس عہدہ پر قائم ہیں۔ ہم سب کے مرجع عقیدت ومحبت عزیز ملت حضرت علامہ عبدالحفیظ صاحب قبلہ دامت برکاتہم، اپنے مخصوص سخت لب ولہجے کے ساتھ جلوہ افروز ہوا کرتے تھے، اشرفیہ میں آپ کے داخلے کے بعد طلبہ مین سناٹا چھا جاتا تھا۔

الجامعۃ الاشرفیہ میں داخلہ اُس وقت بھی طلبہ کا ایک خواب ہوا کرتا تھا، میں بھی ان سے الگ نہیں تھا، اس لئے داخلہ کی کاروائی مکمل ہونے پر مسرت کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ پڑھائی کا کام بھی بڑی محنت سے کیا جس کا انعام آج مل رہا ہے۔ ثقافتی پروگرام کے نام پر یوم مفتی اعظم ہند کا انعقاد ہوتا جس میں مقالات پڑھے جاتے۔ اشرفیہ کا پہلا سیمینار حضرت شارح بخاری (علیہ الرحمہ) کی موجودگی میں ہوا جس کی نظامت شہنشاہ نقابت حضرت مولانا علی احمد سیوانی فرمارہے تھے، جس میں شارح بخاری کے لقمے تڑکے کا کام کر رہے تھے۔ ہم نے پہلی بار اسی وقت سیمینار کا لفظ سنا۔ یہ غالبا ۱۹۹۰ کی بات ہے۔ اس موقع سے میں نے ایک مفصل مقالہ قلم بند کیا تھا جس کا عنوان تھا "مدرسہ اشرفیہ سے الجامعۃ الاشرفیہ تک" غالبا وہ مقالہ ڈھائی تین سو صفحات پر مشتمل تھا، یہ مقالات پڑھنے کا موقع نہیں تھا نہ کسی اور نے مقالہ تحریر کیا تھا مگر چونکہ اساتذہ کے درمیان میرے مقالے کی گونج پہنچ چکی تھی، اس لئے شارح بخاری نے اجازت عطا فرمادی، شارح بخاری اس قدر خوش ہوئے کہ نزہۃ القاری کی پہلی جلد بطور انعام عطا فرمائی اور حضرت سربراہ اعلیٰ صاحب قبلہ نے دس روپے عطا فرمائے جس کو کافی دنوں تک سنبھال کر رکھا پھر وہ ضائع ہو گیا یا تنگی معیشت کے سبب خرچ ہو گئے۔ اس مقالے کے کچھ اصلی مسودات میرے ایک کلاس فیلو کے پاس فیض آباد میں محفوظ تھے، وہ حصے انھوں نے ازراہ کرم مجھے عطا کر دیے ہیں، جس کے لئے ان کا بے حد مشکور ہوں، میری فائلوں میں کہیں کہیں وہ محفوظ ہے۔

شارح بخاری اس زمانے میں سینٹرل بلڈنگ میں پہلی منزل پر شمالی جانب عزیزی ہال کے بعد دوسرے کمرے میں مقیم ہو کر نزہۃ القاری کی تصنیف وتالیف کا کام کیا کرتے، اس روم کے بعد مولانا بدرالدجیٰ کا کمرہ تھا، میں بھی ابتدا میں اسی میں مقیم تھا، حضرت مولانا صدرالوریٰ مصباحی بھی جو علامہ بدرالدجیٰ کے چھوٹے بھائی ہوا کرتے، وہ بھی مقیم تھے، جو بڑے ذہین اور زیرک تھے۔ عرس کے ایام میں جب گاؤں کے لوگ یا دیہاتی علما آتے اور مولانا صدرالوریٰ کا خالص اردو لب ولہجہ سنتے تو محو حیرت ہو جاتے۔ ایک شب میں نے عشا کے بعد زور زور سے نعت پڑھنا شروع کر دیا، اس وقت شارح بخاری کے لکھنے پڑھنے کا وقت ہوا کرتا تھا، سنتے ہی سخت غضبناک ہوئے، بولے کون مردود ہے پکڑ کر لاؤ، لوگوں نے بتایا کہ مولانا بدرالدجیٰ صاحب کا رشتہ دار ایک طالب علم ہے، اُن کا نام سن کر ان کا غصہ کافی ٹھنڈا ہو گیا مگر کہا کہ اس کو بتاؤ یہ نعت پڑھنے کی جگہ نہیں، یہاں علمی کام ہوتا ہے۔

بعد میں شارح بخاری نے طلبہ کی فن حدیث میں تربیت وتحریر کا منصوبہ بنایا۔ ہماری جماعت کے طلبہ پر مشتمل کئی گروپ بنائے اور باری باری روزآنہ ایک گروپ جاتا اور حضرت کو حدیث کے حوالے تلاش کر کے دینے کا کام کرتا، کبھی کبھی ہم تھک جاتے حوالہ نہیں ملتا لیکن شارح بخاری فوراً اسی جگہ سے یا چند صفحات کے فرق سے حوالہ نکال لیتے اور ہم پریشان ہو جاتے۔ خیر یہ اُن کے تجربے کا معاملہ تھا۔ اس وقت میں نے پہلی بار **المعجم المفهرس لالفاظ الحديث مطبعة ليدن** دیکھا تھا اور اس سے استفادہ بھی کیا تھا۔ اس دن فن حدیث کی اہمیت کا پتہ بھی چلا۔ دورۂ حدیث کے سال ہی میں نے ایک تفصیلی مقالہ "اعلیٰ حضرت اور علم حدیث" کے عنوان سے لکھا تھا جس میں حضرت شرح بخاری نے خاص رہ نمائی کی تھی اور کافی کتابوں کے حوالے اپنی یادداشت سے عطا فرمائے تھے۔ **الفضل الموهبی فی معنی اذا صح الحديث فهو مذهبی**، **صفائح اللجين**، **حجة الحين علی نذير حسين**، **الهاد الكاف فی حكم الضعاف** وغیرہ کتابوں سے خوب خوب استفادہ کیا تھا۔

علامہ یٰسین اختر صاحب کی کتاب امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات کے اس باب سے بھی ہر ممکن استفادہ کیا تھا جو فن حدیث سے متعلق تھا۔ میرے خیال میں ۱۹۹۰ء میں کوئی قابل ذکر رسالہ یا کتاب امام احمد رضا اور علم حدیث کے موضوع پر نہیں تھی۔ یہ مقالہ بھی تقریبا تین سو صفحات

پر مشتمل تھا، ایک کرم فرمانے کہا کہ یہ مقالہ مجھے دے دیں میں اسے دہلی سے قسط وار رسالے میں شائع کر دوں گا، مگر حالات ایسے بنے کہ مقالہ شائع نہ ہوسکا۔ نہ ہی وہ دوبارہ دستیاب ہوسکا۔ **فیا للاسف**

دن بدن عرس حافظ ملت قریب آتا جارہا تھا، مابعد کی زندگی کی فکر بڑھتی جارہی تھی، دستار بندی کے بعد کیا ہوگا، کہاں جگہ ملے گی، کتنی تنخواہ ہوگی، وغیرہ وغیرہ۔ خیر علامہ عبدالمبین نعمانی صاحب نے میرے لئے گیارہ سو روپے میں ایک جگہ بنارس میں طے کرادی تھی، جس سے کافی اطمینان ہوگیا تھا، مگر اُس وقت بھی یہ تنخواہ کوئی بڑی تنخواہ نہیں تھی، مگر مرتا کیا نہ کرتا۔ عرس سے کچھ دنوں قبل خوش قسمتی سے رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب اشرفیہ تشریف لائے، ان کی آمد کی خبر سن کر ہم سبق احباب نے کہا کہ چل کر حضرت سے ملاقات کی جائے اور ان سے طلبہ سے خطاب کی درخواست کی جائے جو اُس وقت استفادہ کا ایک مروج طریقہ تھا، جماعت کے باشعور احباب اور دیگر جماعتوں کے بھی متعدد طلبہ جن میں حضرت مولانا سید اولاد رسول قدسی (مقیم حال امریکہ) کا نام ذہن میں آرہا ہے جو اُس وقت اشرفیہ ہاسٹل میں شعروشاعری کا ماحول بنانے میں کلیدی کردار ادا کررہے تھے، اُنہی کی تحریک پر میں نے بھی کلام کہنا شروع کردیا تھا مگر دوام قائم نہ رہا، اس لئے فراغت کے بعد یہ ذوق دوبارہ پروان نہ چڑھ سکا۔ بہر حال ہم وفد کی شکل میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض مدعا کیا۔ حضرت نے عادت کے مطابق خطاب سے صاف منع کردیا، جس سے ہم طلبہ سخت مایوس ہوئے، ہماری مایوسی دیکھ کر حضرت نے کہا کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ کچھ سوالات مرتب کرلیں اور میں بطورِ مجلسی گفتگو اُن کے جوابات دے دوں۔ سب کی نگاہ انتخاب میرے اوپر پڑی چناں چہ میں نے ایک شب وروز کی محنت سے کئی اہم سوالات بنائے ممکن ہے بعض دوستوں کے مشورے بھی شامل رہے ہوں۔ دوسرے دن بعد نماز عشا ہم حضرت کی خدمت میں دوبارہ پہنچے، اس وقت ریکارڈنگ کا تصور بھی آسان نہیں تھا۔ لہٰذا سماعت، قوت حافظہ مختصر نوٹ پر ہی انحصار رہا۔ اس نوٹ کو میں نے اگلے چوبیس گھنٹے میں ایک باضابطہ انٹرویو میں تبدیل کردیا جسے لے جاکر حضرت کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے ضروری حذف واصلاح کردی اور بعد میں دہلی واپسی پر ماہنامہ ”حجاز جدید“ میں اسے شائع بھی فرمادیا۔ غالباً اس کا عنوان تھا ”فرزندان اشرفیہ سے مدیر حجاز کا خطاب“ طلبہ اشرفیہ کے سوالات اور مدیر حجاز کے جوابات، بعد میں میں نے اسے ذاتی صرفے سے ”نقوش راہ“ کے نام سے کتابی صورت میں شائع کردیا، جس میں اپنا مختصر مقدمہ اور حضرت صدرالافاضل کا ایک مضمون بھی شامل کردیا جسے بعد میں ہینڈ بل کی صورت میں گاؤں کے مدرسہ کی جانب سے بھی شائع کردیا۔ شہزادۂ رئیس القلم حضرت غلام ربانی صاحب جام نور نے اس سلسلے میں میری مدد کی۔ اس کتاب کی کچھ کاپیاں ابھی بھی میرے پاس محفوظ ہیں، اس کی پی ڈی ایف بھی شوشل میڈیا پر کئی بار وائرل ہوچکی ہے۔ اس موقع سے طلبہ نے جوش وخروش کے ساتھ ماہنامہ ”حجاز جدید“ کا تعاون بھی کیا تھا، ایک اندازہ کے مطابق سو ممبر شپ یعنی دس ہزار روپے ہم نے اس وقت حضرت کو رسالے کے لئے فراہم کیا تھا۔

میرے محفوظات میں پی ڈی ایف موجود تو ہے مگر استفادہ کے لئے اِس وقت دستیاب نہیں ورنہ یہ مضمون زیادہ جامع اور مانع ہوتا۔ خیر اس مضمون کا جو سب سے اہم حصہ ہے وہ یہ سوال کہ فراغت کے بعد عملی زندگی میں طلبہ کیا کریں؟ مدیر حجاز کا جو جواب تھا اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنی صلاحیت کا جائزہ لیں اور اسی اعتبار سے فراغت سے پہلے ہی اپنے لئے میدان عمل منتخب کریں اور کوشش کریں کہ ایسے میدان عمل کا انتخاب کریں جو نیا ہو، جس میں لوگوں کا تجسس ہو، جماعتی ضرورت بھی ہو۔ یعنی کچھ نیا کرنے کی سوچیں۔ پھر اپنی مثال آپ دی کہ کس طرح مختلف اذیتوں سے گزر کر جدید عربی ادب کی تعلیم حاصل کی۔ علامہ مصباحی کی یہ بات مجھے بھاگئی اور میں نے ذہنی طور پر فراغت کے بعد پڑھانے کی بجائے مزید عربی ادب کی تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا، جب کہ گھر سے میں ایک غریب فیملی سے تعلق رکھتا تھا مگر جوائنٹ فیملی ہونے کی وجہ سے کسی نے رکاوٹ نہیں ڈالی۔

میرے عربی ادب منتخب کرنے کی بھی بنیادی وجہ جماعت کا اس میدان میں قحط الرجال کی صورت حال سے دوچار ہونا تھا، دوسرے میں نے اختیاری مضمون میں انگریزی کی جگہ عربی ادب کا انتخاب کیا تھا۔ اولاً عربی انشا (معلم الانشا اول) مولانا شمس الہدیٰ مصباحی کے پاس رہا، معلم الانشاء ثانی حضرت مفتی محمد نظام الدین صاحب کے پاس رہا، حضرت ہی کے پاس تاریخ الخلفا اور تاریخ خیاط پڑھی، یہ تینوں کتابیں عربی ادب کی ہی

ہیں۔ مفتی صاحب کا بھی عربی کا ذوق بہت عمدہ اور نفیس تھا، گرچہ بنیادی طور پر آپ فقیہ تھے، اور ہیں۔ تیسرا مرحلہ علامہ محمد احمد مصباحی صاحب کے پاس آکر تمام ہوا، یعنی معلم الانشاء کا نصف آخر، جن میں مقالات لکھنے کی زبردست مشق کرائی گئی ہے، علامہ مصباحی صاحب نے جہاں معلم الانشاء کا لفظ بہ لفظ مشق کروایا، وہیں مقالات کی لکھنے کی بھی خوب مشق کرائی۔ کرم بالائے کرم ''الرائد'' جو ندوے کا اخبار تھا، اس کا بھی جستہ جستہ ترجمہ وغیرہ کروا جس سے جدید عربی ادب کا کافی حد تک ذوق اشرفیہ میں پیدا ہوگیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ندوہ میں عالیہ ثالیہ ادب میں داخلہ ہوگا اور میں نے انشا نگاری شروع کی تو اساتذہ کو میرا معیار جماعت سے زیادہ اونچا لگتا بلکہ ایک بار تو پوچھ ہی لیا کہ مولانا آپ کہاں سے پڑھ کر آئے ہیں؟ میں نے کہا کہ ادار العلوم انجمن اسلامیہ خونی پور گورکھپور، انھوں نے کہا کہ وہ ادارہ تو اس معیار کا نہیں جس معیار کا انشا آپ لکھتے ہیں۔ میں توریۃً کہا کہ مولانا ولی اللہ قاسمی صاحب نے مجھے خصوصی طور پڑھایا ہے (جو اس وقت اس ادارہ میں مدرس تھے۔ یقیناً عربی ادب کا ذوق رکھتے تھے، اسی ادارہ کے لیٹر پیڈ پر میرا ندوہ میں داخلہ ہوا تھا)

دستار بندی میں طلبہ اُس وقت بھی بھاری رقمیں خرچ کیا کرتے، میں چونکہ کاتب تھا، اس لئے دستار بندی کے طغروں کی کتابت کر کے ہزار دو ہزار اکٹھا کر لیتا، میرے دوسرے ساتھی مولانا فاروق احمد بنگالی بھی کاتب تھے، اس زمانے میں اشرفیہ کے فارغین کے پچاس فیصد طغروں کی کتابت میں ہی کیا کرتا تھا، باقی کی مولانا فاروق اور محمد اسلم مبارک پوری کیا کرتے۔ میں نے اپنی دستار بندی کا کارڈ خود ہی کتابت کی اور اپنی ہی کمائی سے شیروانی سلائی، گھر سے غالباً پانچ سو روپے ملے تھے، اس سے مٹھائی کا انتظام کر لیا تھا۔ لیکن الحمد للہ! دستار فضیلت کی تقریب میں کافی احباب اور رشتہ دار تشریف لائے اور کافی کتابیں تحفے میں ملیں، رنگ و نور کے ماحول میں یہ سلسلہ تمام ہوا۔

دستار بندی کے بعد قبل تعطیل کلاں میرے عزیز سعید مولانا فضیل احمد مصباحی جگدیش پوری کے گاؤں سے مولانا محمد حسین تشریف لائے جو اُس وقت ندوہ میں زیر تعلیم تھے اور گھر واپسی کے لئے جامعہ کے گیٹ پر پہنچ چکے تھے، مجھے اطلاع ملی تو برق و باد کی طرح دوڑتا ہانپتا گیٹ پر پہنچا، اُن سے ملاقات اور ندوہ میں داخلہ کی خواہش کا اظہار کیا، انھوں نے رمضان ہی میں رابطہ کرنے کا حکم دیا۔ رائے بریلی اور جائس شریف کا نام سن رکھا تھا، کیونکہ حضرت مولانا سید سلمان اشرف بھی نیو ہاسٹل میں ساتھ ہی میں رہا کرتے تھے اور حسن اتفاق میرے زیادہ تر ساتھی براتی گورکھپور بستی کی بجائے رائے بریلی، جائس، امیٹھی اور الٰہ آباد کے ہی ہوا کرتے، اس لئے بے دھڑک گھر سے چل پڑا۔ عشا کے بعد رائے بریلی بس اسٹاپ پہنچا، معلوم ہوا کہ جائس یہاں سے تیس چالیس کلومیٹر دور ہے، ہمت مرداں مدد خدا، بارہ بجے شب میں جائس پہنچا تو ہر طرف سے کتوں نے استقبال کیا، بڑی مشکل سے گرتے پڑتے سلمان میاں کے گھر پہنچا، حسن اتفاق وہ اس وقت گھر پر موجود نہیں تھے، اب کاٹو تو بدن میں خون نہ نکلے، مگر سادات کی شان ان کے رحیم و شفیق والد گرامی حضرت سید مقصود اشرف (علیہ الرحمہ) نے محبتوں سے نوازا، اتنی رات میں میرے کھانے پینے اور استراحت کا انتظام کیا، اُس وقت کا اُن کا یہ احسان میری پوری زندگی میں یاد رہے گا، آج بھی میں ہمیشہ انھیں یاد کرتا ہوں۔ صبح علامہ سلمان میاں بھی آگئے، گفتگو ہوئی تو پتہ چلا کہ میں نے الٹا سفر کر لیا ہے، لہٰذا پھر بذریعہ بس جائس شریف سے جگدیش پور، وہاں سے انھونہ اور پھر گڑھی واصل مولانا حسین ندوی کے گھر پہنچا۔ ان کو روداد سفر سنایا تو وہ بھی متاسف ہوئے، یہ غالبا برسات اور دھان کی پکائی و کٹائی کا زمانہ تھا، وہیں پر مولانا فضیل سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔ دراصل یہ عربی ادب کے حوالے سے میرا شوق و جنون تھا جو مجھے صحرا نوردی پر مجبور کر رہا تھا۔

خیر ۱۴ شوال کو ندوہ پہنچا اور مولانا حسین ندوی کی ایک ماہ کی محنت شاقہ کے بعد داخلہ لینے میں کامیاب ہوگیا، اسی سال مولانا معراج احمد بغدادی، مولانا تاج محمد گونڈوی، مولانا سرفراز احمد غازی پوری اور بعد میں مولانا محمد احمد فیض آبادی بھی داخلہ لینے میں کامیاب ہوئے تھے، ہم سب کا داخلہ عالیہ ثالثہ ادب میں ہوا تھا۔ خوب کامیاب ہوئے، زبردست استفادہ کا موقع ملا حتی کہ ندوہ کے الرائد اور تعمیر حیات میں عربی سے اردو، اردو سے عربی تراجم و مضامین شائع ہوئے۔

دوسالہ کورس کی تکمیل کے بعد پھر دہلی میں علامہ یٰسین اختر مصباحی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلی بار دہلی کو قریب سے دیکھا، یہ کوئی ۱۹۹۲ء کی بات ہے، کہیں نہ کہیں جاب کرنی تھی، ''مرکز ابی الکلام آزاد للتوعیۃ الاسلامیہ'' ذاکر نگر میں ۳۰۰۰ روپے ماہانہ پر تقرر کرانے میں کامیاب ہوگیا، کیونکہ ندوہ کا سرٹیفکیٹ میرے پاس موجود تھا۔ علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب کو پتہ چلا تو انھوں نے سختی سے منع کیا۔ کہا کہ جاب تو آپ

آئندہ زندگی بھر کر سکتے ہیں، ابھی آپ کے پاس موقع ہے اگر عالیہ ثالثہ ادب کے بعد عالیہ رابعہ ادب یا تخصص فی الادب العربی کر لیتے ہیں تو صلاحیت میں زبردست نکھار آجائے گا۔ بادل ناخواستہ واپس ندوہ جانے پر راضی ہوگیا، اس طرح ان کا مشورہ میرے لئے ترقیات کا زینہ بن گیا۔ ورنہ شاید آج کیفیت کچھ اور ہوتی۔ دراصل پہلے دوسالوں میں بنیاد مضبوط ہوئی اور آخری دوسالوں میں ان بنیادوں پر ترقیات کی عمارت کھڑی ہوئی۔ آخری دوسالوں میں دو درجن مضامین شائع ہوئے اور نائب الامین العام للنادی العربی اور الامین العالم لجمعیۃ الاصلاح (جنرل سکریٹری طلبہ یونین) جیسے بڑے عہدے حاصل ہوئے اور ان سے علمی وادبی تجربات حاصل ہوئے۔ اس طرح میں اگر آج عربی ادب کی دنیا میں شہرتوں کا حامل ہوا تو اس میں علامہ یٰسین اختر مصباحی کے مشوروں کا کافی دخل ہے جس کی مختصر تفصیل قارئین کے سامنے پیش کر دیا۔

علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب بہت بڑے منصوبہ ساز تھے، سچائی یہ کہ جماعت نے ان سے کام ہی نہیں لیا، ان کو بھی روایتی انداز میں جلسوں اور جلوسوں میں بلاتے رہے، زینت اسٹیج بناتے رہے، اور صبح نذرانے کے لفافے کے ساتھ رخصت کر دیا۔ ابتداء میں تو انھوں نے الجامعۃ الاشرفیہ میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا، بعدہ سعودی عرب چلے گئے، غالبا ۱۹۸۶ء میں دہلی واپسی ہوئی تو دہلی میں مقیم ہوکر اپنے اور پنی جماعت کے وجود کا پتہ تلاش کرنے لگے۔ اسی دوران ہفت روزہ ''ہجوم'' کے ایڈیٹر جاوید حبیب کے ذریعے ''اعلیٰ حضرت نمبر'' شائع کروایا جس کی پورے ملک میں دھوم مچی۔ اسی طرح پوری پامردی اور استقامت کے ساتھ ایک طویل زمانے تک ماہنامہ ''حجاز جدید'' نکالتے رہے، جماعت کا یہ پہلا باوقار رسالہ تھا، اُسی رسالے میں پہلی بار لوگوں نے تواتر کے ساتھ مصباحی کا لاحقہ دیکھا۔ ماہنامہ حجاز بند ہونے کے بعد دوبارہ جاری ہوا تو جدید کا لاحقہ لگ گیا مگر یہ لاحقہ بھی ہماری جماعت کی بے حسی میں ایک اور سیاہ باب کا اضافہ ہونے سے نہیں روک سکا پھر ہمیشہ کے لئے ماہنامہ حجاز جدید روپوش ہوگیا مگر مصباحی صاحب نے ہمت نہیں ہاری۔ رضوی کتاب گھر کے مالک حافظ محمد قمر الدین رضوی صاحب نے جب ماہنامہ ''کنز الایمان'' نکالنے کا فیصلہ کیا تو مصباحی صاحب سے اس کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالنے کی گزارش کی، مصباحی صاحب فورا تیار ہوگئے، حالانکہ ایسے مواقع پر ایسے افراد معذرت کر لیا کرتے ہیں، یعنی ادارت ہی کرنی ہوگی تو میں خود اپنا رسالہ نکالوں گا لیکن شاید مصباحی صاحب نے سوچا کہ لگنا کچھ نہیں ہے بلکہ کچھ نہ کچھ خدمت ہی ہوگی تو اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ میرے خیال میں مصباحی صاحب کا یہ فیصلہ درست تھا، جس سے طرفین کا فائدہ ہوا اور جماعت کا بھی۔

مصباحی صاحب کی دہلی کی ابتدائی زندگی بڑی مشکل گزری ہے اور بہت حد تک میں اس کا عینی شاہد ہوں اور یہ مشکلات اضطراری نہیں بلکہ بہت حد تک اختیاری تھیں، یعنی اپنی افتادِ طبع یا مشکل پسندی کے باعث مجبور تھے۔ سب سے پہلے وہ رضوی کتاب گھر مٹیا محل کے سامنے ایک چار بائی آٹھ کے کمرے میں قیام کیا کرتے، اسی میں ان کی کتابیں مطبوعہ وغیر مطبوعہ بھی رہا کرتی تھیں، پھر جوگا بائی ایکس ٹینشن، بٹلہ ہاؤس چوک کے پاس ایک بلڈنگ جس میں مرکز الثقافۃ السنیہ کی آفس تھی، اس میں مقیم ہوئے یہ جگہ کسی قدر بہتر تھی، پھر جب دار القلم کے لئے جوگا بائی میں جمنا ندی کے کنارے کچھ اصحاب خیر کے ذریعے زمین وقف ہوئی، جس میں ''انجمن رضا'' کے ارکان ومعاونین پیش پیش تھے، تو کچھ دنوں کے بعد وہاں منتقل ہوگئے، اُس وقت پوری زمین ویران تھی، مچھروں کی بہتات ہوا کرتی تھی، دن میں مچھر انسان کو اٹھالے جاتے، شمالی جانب اصرف ایک چھوٹا سا کمرہ تھا وہی مسجد تھی، وہی دار القلم تھا پھر اللہ کی مرضی ہوئی تو شیخ ابوبکر صاحب کے ذریعے قادری مسجد کی پہلی منزل تعمیر ہوگئی۔

قادری مسجد کی تعمیر کے بعد الجامعۃ القادریہ قائم کرنے کا مشورہ فقیر سالک مصباحی کا ہی تھا، حضرت نے کہا کہ مدرس کا انتظام کیجیے تو مولانا اقلیم رضا مصباحی کو دوبارہ دہلی لے آیا جب کہ وہ دہلی کو خیر آباد کہہ چکے تھے، ان کے علاوہ قاری سرفراز بارہ بنکوی کو لکھنؤ سے طلب کیا، ان دونوں حضرات نے بہر حال الجامعۃ القادریہ کو اٹھایا، محلے میں اس کا ایک وجود قائم کیا، رمضان میں تراویح اور بقرعید میں قربانی کا اہتمام اور نماز جمعہ میں تقاریر سے بیداری کی ایک لہر پید ہوگئی پھر کچھ دنوں بعد اساتذہ سے انتظامیہ کی ان بن ہوگئی، پرانے اساتذہ چلے گئے اور نئے اساتذہ آگئے، مگر تعلیم وتعلم کا سلسلہ برقرار رہا۔ قادری مسجد، الجامعۃ القادریہ تعمیر ہونے کے بعد مصباحی صاحب کی زندگی نسبتاً آسان ہوگئی اور مصباحی صاحب زیادہ بے فکری سے سیف قلم کا کام کرنے لگے۔

(مولانا) مقبول احمد سالک مصباحی، بانی ومہتمم جامعہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ مدن پور کھادر، نئی دہلی

تعارف نامہ

ہماری ساٹھ سالہ رفاقت یکایک دم توڑ گئی

چند مہینوں میں کیا سے کیا ہوگیا۔ شعبان میں مولانا افتخار احمد قادری نے خبر دی کہ مولانا یٰسین اختر مصباحی بیمار ہیں، چند دنوں بعد وہ افریقہ سے دلّی آئے تو دار القلم ذاکر نگر، مولانا کی عیادت کے لئے پہنچے، اس وقت کچھ صحت اچھی ہو چکی تھی، مجھ سے بات بھی کرائی، پھر حالت اور اچھی ہوئی تو رمضان میں وہ گھر آ گئے۔ ارادہ تھا کہ عید بعد چھوٹے بیٹے فہیم اختر کی شادی کرنی ہے مگر خالص پور آ کر پھر طبیعت غیر ہوئی تو انھیں مئو سٹی اسپتال میں داخل کیا گیا۔ اطلاع ملنے پر ۱۸؍رمضان ۱۴۴۴ھ/ ۱۰؍اپریل ۲۰۲۳ء کو میں، مفتی نظام الدین صاحب، مولانا عبد الغفار اعظمی، مولانا محمد مقبول مصباحی اور محمد خمیس متعلم عیادت کے لئے مئو پہنچے تو حالت زیادہ تشویش ناک نہ تھی، منجھلے بیٹے نسیم اختر موجود تھے، مولانا خود اٹھ کر بیٹھے، کچھ بات چیت کی، پھر ہم صحت وشفا کی دعا کرتے ہوئے مبارک پور واپس آ گئے۔

چند دنوں بعد وہ صحت یاب ہو کر خالص پور چلے گئے مگر عید کے بعد پھر حالت غیر ہوئی تو دوبارہ انھیں مئو سٹی اسپتال لایا گیا۔ ۴؍شوال ۴۴ھ/ ۲۵؍اپریل ۲۳ء کو دوبارہ میں، مولانا عبد الغفار اعظمی اور ضیاء الدین برکاتی ابن مفتی صاحب اسپتال پہنچے تو وہ آئی، سی، او میں تھے۔ بڑے بیٹے نعیم اختر سے ملاقات ہوئی، ڈاکٹر کی اجازت سے ہم لوگ کمرے میں داخل ہوئے، دید وشنید ہوئی مگر اب یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ جلد انھیں دہلی کے کسی بڑے ہاسپٹل میں لے چلیں، خیر دو تین دنوں بعد وہ دہلی ایمس میں داخل ہوئے۔ اُس وقت میں نے کئی لوگوں سے کہا کہ اب وہ ٹھیک ہو جائیں گے، انتظار تھا کہ خبر آئے گی کہ مولانا شفایاب ہو کر دار القلم آ گئے مگر ۷؍مئی کو خبر آئی کہ وہ وینٹی لیٹر پر ہیں، پھر کچھ دیر بعد اطلاع ملی کہ وہ رات کے ۹ بج کر پچاس منٹ پر اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

ہماری تقریباً ساٹھ سالہ رفاقت یکایک دم توڑ گئی، الجامعۃ الاشرفیہ کا ایک مضبوط بازوے شمشیر زن ٹوٹ گیا، المجمع الاسلامی کا بانی رکن اور حامی نہ رہا، دار القلم کا بانی و والی جاتا رہا، بہت سے افراد، تنظیموں اور اداروں کا مخلص مشیر ورہ نما اُٹھ گیا برادر موصوف کا غم صرف اُن کی اولاد واحفاد اور خاندان کا غم نہیں، سبھی دوستوں، عزیزوں، شاگردوں اور ملت کا غم ہے، دین وملت کا خادم رخصت ہوتا ہے تو پوری قوم غم زدہ ہوتی ہے، اکابر وعمائد حزن وملال کا شکار ہوتے ہیں، ماتموں اور مراثی کی قطار لگ جاتی ہے۔

برادر مرحوم کے حالات وکمالات اور خدمات پر اردو اور عربی میں کئی عمدہ مضامین ان کی حیات ہی میں شائع اور مقبول ہو چکے ہیں۔ وفات کے بعد بہت جلد سراج الفقہاء مفتی نظام الدین رضوی کا پانچ صفحات پر مشتمل ایک مضمون آ گیا جو مرثیہ، منقبت اور تعزیت تینوں کا جامع ہے، اس پر ''الجواب صحیح'' کی طرح میں صرف یہ لکھ دوں کہ اَلْمَقَالُ سَدِیْدٌ وَ مُفِیْدٌ تو ایک حد تک میری بھی شرکت ہو جائے گی مگر مدیر کنز الایمان کا اصرار ہے کہ میں بھی کچھ لکھوں۔ مولانا کی بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ خود بھی کام کرتے تھے اور دوسروں کو بھی کام سے لگاتے تھے۔

(۱) عزیزی اشرف الکوثر مصباحی کو انھوں نے مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی پر انگریزی میں پی، ایچ، ڈی کے لئے لگایا اور عزیز موصوف اس پر جی جان سے لگ گئے اور ایسے نادر وحیرت انگیز مواد جمع کیے جو ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل ایک گراں قدر گنجینہ ہوں گے۔ افسوس کہ مولانا اِس کی طباعت واشاعت سے پہلے رخصت ہو گئے۔ مخلصین ومحبین کی توجہ سے یہ مقالہ اشاعت پذیر ہو گیا تو دنیا کی آنکھیں کھل جائیں گی، خصوصاً انگریزی داں طبقہ کو ایک عظیم دانشور اور ایک عالم گیر مبلغ سے روشناسی ہوگی۔ اس پر مصنف یقیناً عزت افزائی اور ایوارڈ کے مستحق ہوں گے اور اس میں برادرِ مرحوم کی تحریک، تائید اور پیہم ہمت افزائی کا بھی حصہ ضرور ہوگا۔ مقالہ اردو زبان میں لکھا گیا ہے جس کا ترجمہ ہونا باقی ہے۔

(۲) اکابر ہند کے سوانح کی دنیا میں ''اخبار الاخیار'' (از شیخ محقق شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ) کے بعد ''پاکانِ امت'' ایک زبردست سرمایہ ہے، اس کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں، آگے کی ایک یا دو جلدیں باقی ہیں۔ پہلی جلد کی اشاعت سے پہلے ہی مصنف باوقار مولانا محمود احمد قادری رفاقتی کی رحلت ہو گئی، کام اُن کا ہے مگر اس کے لئے تحریک میں برادر مرحوم مولانا یٰس اختر مصباحی کا بڑا حصہ ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

”(مولانا یٰس اختر مصباحی سے) جب بھی بات ہوئی تذکرۂ علماے اہل سنت کی بات ضرور کی، ان کا اصرارِ مسلسل اس حد تک ہوا کہ اگر میں کہوں کہ ”ہم سے غالب! علائی نے یہ غزل لکھوائی ہے“ تو غلط نہ ہوگا۔“ (پاکانِ امت ۱ / ۴۳)

(۳) شریف العلماء مولانا محمد ایوب شریف القادری علیہ الرحمہ (وصال ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء) کے صاحب زادگان ان کے وصال کے بعد ہر سال اُن کا عرس کرتے تھے، سجادہ نشین چھوٹے فرزند حافظ سبطین رضا قادری ہیں، ان کی ملاقات دار القلم دہلی میں مولانا یٰس اختر مصباحی سے ہوئی تو انھوں نے عزیز موصوف کو مشورہ دیا کہ عرس صرف چادر، گاگر، لنگر اور فاتحہ تک محدود نہ رکھیں، کانفرنس اور سیمینار کرائیں، جس میں اَسلاف کا ذکر ہو، دینی و علمی موضوعات پر مقالات سپرد قلم ہوں پھر اُن کی اشاعت ہو، اس طرح عرس کے ساتھ ایک دیر پا علمی کام سامنے آئے گا۔ سعادت مند فرزند کو بات سمجھ میں آگئی اور وہ کام سے لگ گئے اور اب تک خانقاہ قادریہ ایوبیہ، پپراکنک، نزد فاضل نگر ضلع کشی نگر یوپی کے زیر اہتمام بارہ سیمینار ہو چکے ہیں، جن میں دو بڑے سیمینار ممبئی کی سرزمین پر ہوئے، باقی پپراکنک گاؤں میں ہوئے، سبھی مقالات سال نامہ ”یادگار ایوبی“ میں شائع ہو چکے ہیں۔

اس میں میری اور مفتی نظام الدین صاحب کی شرکت و رہ نمائی بھی ہوتی ہے۔ مولانا نفیس احمد مصباحی اور مولانا اختر حسین فیضی مصباحی کا مقالات کی ترتیب و تدوین اور تصحیح وغیرہ میں اہم رول ہوتا ہے، مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی، مولانا نظام الدین علیمی مصباحی، مولانا کمال احمد علیمی نظامی وغیرہ بہت سے علما کی شرکت و معاونت ہوتی ہے، مگر اُسے بھلایا نہیں جاسکتا جو اوّل محرّک اور راہ نما بلکہ میر کارواں ہے۔

یہاں سیمیناروں کے عنوانات مع ماہ و سنہ ذکر کرتا ہوں تاکہ مولانا کی تحریک اور رہ نمائی کی افادیت زیادہ واضح ہو سکے:

۱- امام اعظم ابوحنیفہ سیمینار (ممبئی) صفر ۱۴۳۴ھ/ دسمبر 2012ء- ۲- فیضان برکات سیمینار۔ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ/ مارچ ۲۰۱۳ء

۳- فیضان خواجہ غریب نواز سیمینار۔ جُمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ/ مارچ ۲۰۱۴ء

۴- فیضان غوث اعظم سیمینار۔ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ/فروری ۲۰۱۵ء

۵- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سیمینار۔ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ/فروری ۲۰۱۶ء

۶- بحر العلوم عبد العلی فرنگی محلی سیمینار۔ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ/ یکم فروری ۲۰۱۷ء

۷- شیخ عبدالحق محدث دہلوی سیمینار۔ جمادی الآخرہ ۱۴۳۹ھ/ مارچ ۲۰۱۸ء

۸- امام احمد رضا سیمینار (ممبئی، بمناسبت عرس صد سالہ) ربیع الآخر ۱۴۴۰ھ/ جنوری ۲۰۱۹ء

شخصیات پر آٹھ سیمیناروں کے بعد علمی موضوعات پر سیمینار کی تجویز پاس ہوئی جس کے تحت سب سے پہلے قرآن کریم کا انتخاب ہوا ”انوار قرآن“ کے عنوان سے پہلا سیمینار ”تاریخ قرآن“ رجب ۱۴۱ھ/ مارچ ۲۰ء، دوسرا سیمینار ”قرآن اور ذکر باری تعالیٰ“ ۵/ ۴۲ھ / دسمبر ۲۰ء، تیسرا سیمینار ”قرآن کریم اور ذکر رسول کائنات“ ۵/ ۴۳ھ/ دسمبر ۲۱ء، چوتھا سیمینار ”قرآن کریم اور عقائد و احکام“ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۴ھ/ نومبر ۲۰۲۲ء انعقاد پذیر ہوا۔ جہاں تک مجھے یاد آتا ہے مولانا یٰس اختر مصباحی ہر سیمینار میں شریک بھی ہوئے، سوائے ایک سیمینار کے جس میں ”کرونا“ کی رکاوٹوں کی وجہ سے نہ آسکے۔

ذکر یار میں اِنہی سطور پر اکتفا کرتا ہوں، باقی بحقّ دیگراں چھوڑتا ہوں، ان کے دوستوں اور عقیدت مندوں میں اہل قلم کی بھی ایک اچھی تعداد ہے، شاید کہ ساری نگارشات کو جمع کرنا، سلیقے سے ترتیب دینا، کمپوز کرانا، پروف ریڈنگ کرنا اور چہلم تک شائع کرنا عزیز مکرم مولانا محمد ظفر الدین برکاتی مصباحی مدیر کنز الایمان کے لئے بارِ گراں ہو۔ مگر ربّ کریم کا فضل و کرم ان شاء اللہ دست گیر ہوگا۔ **وهو المُستعان و عليه التكلان**

محمد احمد مصباحی، المجمع الاسلامی، ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ ۴/ ذی قعدہ ۱۴۴۴ھ/ ۲۵/ مئی ۲۰۲۳ء مبارک پور

علم و ادب اور عشق و وفا کا اختر ہمیشہ کے لئے روپوش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حامدا و مصلیا و مسلما

اہل سنت و جماعت کے عظیم عالم دین رئیس التحریر حضرت علامہ مولانا الحاج یٰس اختر مصباحی علیہ الرحمہ (ولادت ۱۲ فروری ۱۹۵۳ء مقام

خالص پورادری۔ وفات ۷ مئی ۲۰۲۳ء ایمس ہاسپٹل دہلی) کی رحلت سے دل بجھا جارہا ہے، آنکھیں اشک بار ہیں، دل حزن وملال سے بوجھل ہے۔ ان کی موت صرف موت نہیں ایک عظیم سانحہ ہے، ایک خبر نہیں بلکہ حادثہ فاجعہ ہے۔ ان کی موت صحیح معنوں میں موت العالم موت العالم کی مصداق ہے۔

آج ایک عظیم عالم دین ہی نہیں، عظیم محقق، اسلامی اسکالر، بہترین مربی، بلند پایہ مفکر ودانش ور، سیاسی مدبر اور سیاست حاضرہ کے نبض شناس صاحب الرائے اور صائب الرائے شخصیت، باوقار مدرس، صاحب طرز ادیب وقلم کار، مخلص مشیر، تجربہ کار صحافی اور اچھا شاعر داغ مفارقت دے گیا اور ہمیشہ ہمیش کے لئے علمی دنیا اُس سے محروم ہوگئی۔

۱۷ رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ مطابق ۹، اپریل ۲۰۲۳ء یک شنبہ کی شب میں آپ کی علالت کی خبر ملی۔ ۱۸ رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۰، اپریل ۲۰۲۳ء کو صدر العلماء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ہمراہ مرزاہادی پورہ چوک سٹی ہاسپٹل مئو عیادت کے لئے حاضر ہوئے۔ نقاہت اور کمزوری کافی تھی۔ ہوش وحواس صحیح وسالم تھے۔ بیٹھ کر ملاقات کی۔ کچھ دنوں بعد ڈسچارج ہوکر گھر چلے گئے۔ ۲ شوال المکرم ۲۳، اپریل کو حالت خراب ہونے کے سبب اسی ہاسپٹل کے انتہائی نگہداشت والے شعبہ (آئی سی یو) میں ایڈمٹ ہوئے لیکن طبیعت میں افاقہ نہ ہوا، اس لئے ۱۳، شوال ۱۴۴۴ھ مطابق ۴ مئی بروز جمعرات تین بجے دن کو ایمس ہاسپٹل دہلی کے ایمرجنسی وارڈ میں منتقل ہوگئے۔

ان کی علالت کی خبر سے اہل سنت وجماعت میں اضطرابی کیفیت پیدا ہوگئی۔ خانقاہوں، مدارس اور مکاتب میں صحت یابی کے لیے دعا خوانی کا سلسلہ قائم ہوگیا۔ دعا خوانی کا سلسلہ قائم ہی تھا کہ وینٹی لیٹر پر جانے کی خبر موصول ہوگئی کہ وقت کا ''ایک عظیم دانش ور بے ہوشی کے عالم میں موت وزیست کی کش مکش میں ہے۔'' اس خبر نے تشویشناک صورت حال پیدا کردی، ان کی حالت خطرہ سے خالی نہیں تھی، موت کا خدشہ یقینی صورت حال اختیار کر گیا تھا۔ شام ہوتے ہوتے امیدیں بھی دم توڑ چکی تھیں۔ اسی بیچ دہلی سے کنزالایمان کے مدیر عزیزم مولانا محمد ظفرالدین برکاتی کی گھنٹی بجی، انھوں نے روح فرسا خبر سنائی کہ حضرت مصباحی صاحب نزع کی کیفیت میں ہیں، فون جاری رکھیں پھر فوراً اطلاع دی کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ اُس وقت رات کے نوبجکر پچاس منٹ (۹ بج کر ۵۰) ہورہے تھے۔ انا للہ وانا الیہ رجعون

ان کے داغ مفارقت پر شورش کاشمیری کے یہ اشعار منظر کشی کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ ایسا محسوس ہورہا ہے کہ انہی کے غم وصال میں یہ اشعار سپرد قلم کیے گئے ہیں:

عجب قیامت کا حادثہ ہے، کہ اشک ہے آستیں نہیں ہے — زمین کی رونق چلی گئی ہے، اُفق پہ مہر مبیں نہیں ہے
تری جدائی سے مرنے والے! وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے — مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے
اگرچہ حالات کا سفینہ اسیر گرداب ہو چکا ہے — اگرچہ منجدھار کے تھپیڑوں سے قافلہ ہوش کھو چکا ہے
اگرچہ قدرت کا ایک شہکار آخری نیند سو چکا ہے — مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے
کئی دماغوں کا ایک انساں، میں سوچتا ہوں کہاں گیا ہے — قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے، زباں کا زورِ بیاں گیا ہے
اتر گئے منزلوں کے چہرے، امیر کیا کارواں گیا ہے — مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے
یہ کون اٹھا کہ دیر و کعبہ شکستہ دل ، خستہ گام پہنچے — جھکا کے اپنے دلوں کے پرچم، خواص پہنچے، عوام پہنچے
تری لحد پہ خدا کی رحمت، تری لحد کو سلام پہنچے — مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

حضرت رئیس التحریر محض ایک مستند عالم دین ہی نہیں تھے بلکہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ ان کے کن کن اوصاف کو شمار کروں کن کن خدمات کا ذکر کروں۔ بطور نمونہ چند چیزوں کا ذکر مناسب سمجھتا ہوں۔

علامہ موصوف کو اللہ عزوجل نے فقہی شعور بھی عطا کیا تھا اور سیاسی بصیرت بھی، یہ دانشور بھی تھے اور دور اندیش بھی، یہ اچھے مدیر بھی تھے اور اچھے ناقد بھی، پر مغز خطیب، اچھے شاعر اور بالغ نظر مؤرخ بھی۔ موصوف کا ایک ممتاز وصف یہ تھا کہ یہ بہت کشادہ قلب تھے اس لیے کسی کی خوبی کا

کھلے دل سے اعتراف بھی کرتے تھے اور حوصلہ افزائی بھی۔ ساتھ ہی ان کا ایک بہت بڑا وصف یہ تھا کہ یہ مخلص مشیر بھی، کوئی ان سے مشورہ چاہے تو وہ اپنے طور پر ہمیشہ خیر خواہانہ مشورہ دیتے تھے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کی ہدایت ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ. (سنن أبي داود/أَوَّلُ كِتَابِ الْأَدَبِ بَابٌ: فِي الْمَشُورَةِ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔

راقم سطور نے ہمیشہ اس حدیث پر عمل کیا ہے اور بدخواہوں کو بھی خیر خواہانہ مشورے دیے ہیں اور اسی وجہ سے میرے دل میں حضرت موصوف کی بہت قدر ہے۔ ان کے مشوروں سے کافی رہنمائی اور مدد ملی۔ یہاں دو باتیں بطور خاص ذکر کرنا چاہتا ہوں:

ایک یہ کہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں شعبہ اختصاص فی الفقہ کا قیام انہی کے مشوروں کا نتیجہ ہے۔ ۱۹۷۸ء سے پہلے ادارہ میں شعبہ اختصاص فی المعقولات کا دبدبہ تھا۔ میرے اساتذہ نے مجھے اختصاص کا حکم دیا تو میں شش و پنج میں پڑ گیا، اس لئے کہ میں معقولات میں اختصاص کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک روز حضرت علامہ یس اختر مصباحی صاحب نے پوچھا کس فن سے آپ کو شغف زیادہ ہے؟ عرض کیا معقولات سے۔ فرمایا معقولات کے دل دادہ تو بہت ہیں، دینیات کی طرف بھی توجہ ہونی چاہیے۔ دراصل یہ میرے ضمیر کی آواز تھی مگر ماحول نے رخ کسی اور طرف موڑ دیا تھا۔ یہ بات دل میں بیٹھ گئی۔ جب درجہ اختصاص میں داخلے کی بات آئی تو میں نے دینیات بالخصوص فقہ میں اختصاص کا شوق ظاہر کیا اور آخر کار اختصاص فی الفقہ کے ایک نئے درجہ کی منظوری مل گئی۔ میں اس درجہ کا پہلا طالب علم ہوں۔ اس کے لئے اظہارِ شوق تو میں نے کیا تھا مگر اس کے لئے ذہن سازی کا سہرا حضرت علامہ یس اختر مصباحی کے سر جاتا ہے۔ اس کے بعد سے آج تک اختصاص فی الفقہ کا شعبہ قائم ہے۔ یہ حضرت رئیس التحریر کا میرے لیے پہلا مشورہ تھا جو کتنا مخلصانہ اور دور اندیشی پر مبنی تھا یہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ جس کے ثمرات اور اثرات کا اکناف عالم سے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۹۸۱ء میں حضرت سید و مرشدی مولائی و ملاذی حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفی رضا خاں رحمہ اللہ المنان کے عرس چہلم میں مرحوم رئیس التحریر اور پیر طریقت حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی دام مجدہ کے ہمراہ بریلی شریف حاضر ہوا، انھیں حضرات کی رفاقت میں برہان ملت حضرت علامہ و مولانا شاہ مفتی محمد برہان الحق عبدالباقی قادری رضوی سلامی جبل پوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور دیر تک ان کی مجلس سے مستفیض ہوتے رہے۔ حضرت رئیس التحریر نے مجھ سے آہستہ سے کہا کہ بڑا اچھا موقع ہے حضرت سے اجازت سلسلہ اور اجازت حدیث وفقہ حاصل کرلو۔ میں وہاں کے حاضرین میں سب سے صغیر السن تھا۔ اشتیاق کے باوجود ہمت نہ کر سکا تو حضرت نعمانی صاحب سے بات کی کہ حضرت آپ میرا یہ عریضہ پیش فرما دیں۔ نعمانی صاحب نے فوراً میرا عریضہ پیش کیا۔ حضرت برہان ملت نے مجھ سے پوچھا کن سے بیعت ہو؟ میں نے عرض کی حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے۔ فرمایا سبحان اللہ! یہ تو میرا ہی سلسلہ ہے میں تمھیں ضرور اجازت دوں گا پھر فوراً ارشاد فرمایا کہ میں تمھیں سلسلہ قادریہ رضویہ کی خلافت اور قرآن وحدیث وفقہ کی اجازت دیتا ہوں۔ اللہ تجھے برکت دے۔

پھر حضرت نعمانی صاحب کی طرف متوجہ ہو کر حضرت برہان ملت نے فرمایا اور آپ نے ان کے لئے سفارش کی ہے تو میں آپ کو بھی تمام اجازتیں عطا کرتا ہوں۔ ان شاء اللہ عزوجل میں جبل پور پہنچ کر آپ دونوں حضرات کو تحریری اجازت نامہ بھیج دوں گا اور حسب وعدہ انھوں نے دونوں کو اجازت نامہ بھیج بھی دیا۔

یہ حضرت رئیس التحریر کے مخلصانہ مشورہ کا فیضان ہے کہ آج صغار سے ہونے کے باوجود میرا رابطہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ سے صرف ایک واسطے سے ہے اور حضرت سیدی و مولائی شاہ آل رسول احمدی مارہروی رحمہ اللہ تعالیٰ سے دو واسطوں سے اور حضرت سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے تین واسطوں سے۔ آج یہ میرے لئے سرمایہ اعزاز و افتخار ہے۔ ۲۰۰۳ء سے علما میری اس سند عالی سے متعارف ہوئے اور جب سے آج تک چار ہزار یا اس سے زیادہ علما مجھ سے یہ اجازات حاصل کر چکے ہیں اور بہت سے علما اس کے لئے گزارش بھی کر چکے ہیں۔ ایک بندہ بے مایہ کا یہ اکرام حضرت رئیس التحریر کے مخلصانہ مشورہ کی برکت اور سند عالی کا فیضان ہے۔ اللہ ان کی مرقد انور پر مسلسل باران کرم نازل فرمائے۔

مولانا مرحوم نے ہمیشہ مثبت اور تعمیری کام پسند کیے اور اسی کا عملی پیکر رہے۔ان کا مشرب حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد تھا ''میرے نزدیک ہر مخالفت کا جواب کام ہے۔'' انھوں نے میری دانست میں کبھی گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا، صابر وشاکر رہے۔کسی نے تضحیک کی تو اس سے بھی صرف نظر کیا۔کسی کو مظلوم محسوس کیا اور مدد کر سکتے تھے تو قرطاس وقلم کے ساتھ سامنے آ گئے اور بہت ہی مہذب انداز میں عقل وفہم کو اپیل کرنے والی صاف ستھری باتیں کیں۔

حضرت رئیس التحریر علیہ الرحمہ بہت سے اوصاف کے جامع ہونے کے ساتھ ایک عظیم انسان بھی تھے۔ با اخلاق اور منکسر المزاج تھے۔ پوری زندگی خلوص وللّٰہیت کے ساتھ دین وسنیت کی خدمت کرتے رہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ پوری زندگی خدمت دین کے لئے وقف کر دی۔مختلف کمالات اور علوم وفنون کی اس جامع شخصیت کو بیش قرار تنخواہوں والی ملازمتیں مل سکتی تھیں، اپنی دنیا کو وہ بہتر سے بہتر بنا سکتے تھے، لیکن انھوں نے سب کچھ جانتے ہوئے ان تمام چیزوں کو خیر آباد کہا اور دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو خاص کر لیا۔ایسی شخصیتیں دور قحط الرجال میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔

حضرت رئیس التحریر کے مزاج میں مزاح بھی تھا کبھی کبھی مزاح لطیف سے اہل ذوق کو مسرور فرماتے۔

بہت پہلے کی بات ہے جب قلمی معرکہ آرائی گرم تھی اور کتابچوں کے نام میں آخر کا لفظ کئی بار آ گیا۔حضرت رئیس التحریر سے ذکر کیا گیا، یہ کیسا آخر ہے کہ اس کے بعد پھر آخر آتا ہے۔فرمایا کہ یہ آخر صاحب قلم کی فکر وفہم کے لحاظ سے ہے۔ان کی پرواز فکر کی حد یہی ہے۔

ایک بار حضرت رئیس التحریر بیان فرمانے لگے کہ حضرت مولانا قاری محمد عثمان اعظمی رحمۃ اللہ علیہ سے بے تکلفی تھی ایک بار دوران تفریح میں نے اور مولانا افتخار احمد قادری سابق استاذ ادب جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے ان سے کہا حضرت ہم لوگ چاہتے ہیں کہ آپ کو مجدد بنا دیں تو انھوں نے فرمایا اِس میں مجھے کیا اعتراض۔

اس طرح کی خوش طبعی کی باتیں بہت ہیں۔تحریر وقلم تو اُن کا خاص میدان تھا۔مختلف جہتوں سے انھوں نے اس وادی میں جادہ پیمائی کی ہے۔جہان قرطاس وقلم میں ان کے اداریے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔اگست ۱۹۸۸ء سے نومبر ۱۹۹۲ء تک ''ماہ نامہ حجاز جدید'' اور نومبر ۱۹۹۸ء تا نومبر ۲۰۰۷ء ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کی کامیاب ادارت فرمائی۔ان کے اداریے دستاویزی حیثیت کے حامل ہوتے تھے۔ان اداریوں میں تاریخی اور تحریکی عناوین، قومی وملی مسائل، ملکی وبین الاقوامی معاملات، سیاست اور حالات حاضرہ سے متعلق مضامین موجود ہیں۔ان کی تحریروں میں مذہبی وعلمی گہرائی کے ساتھ تحقیقی اسلوب پایا جاتا ہے۔ماہ نامہ حجاز جدید دہلی اور ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کے اداریوں کا وقیع اور گراں قدر مجموعہ ''نقوش فکر'' (۱۰۳۲ صفحات) کے نام سے شائع ہو کر خراج تحسین وصول کر چکا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمہ کی شخصیت پر مختلف جہتوں سے کام کیا۔انھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی حیات کے اہم گوشوں اور نئے پہلوؤں کو اجاگر کرایا۔امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات، امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، امام احمد رضا کی محدثانہ عظمت، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، امام احمد رضا کے وصایا پر اجمالی نظر، امام احمد رضا اور تحریکات جدیدہ، امام احمد رضا اور فقہ حنفی، معارف کنز الایمان۔یہ تمام کتابیں رضا شناسی کے حوالے سے اپنے اپنے موضوع پر ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

انقلاب ۱۸۵۷ء اور آزادی ہند کے حوالے سے ایک گراں قدر سرمایہ چھوڑا ہے۔اس موضوع پر علمائے اہل سنت میں متعدد کتابیں لکھنے کا سہرا بھی آپ کے سر ہے۔قائدین تحریک آزادی، ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء، قائد جنگ آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی، ۱۸۵۷ء منظر اور پیش منظر، علامہ فضل حق اور انقلاب ۱۸۵۷ء۔یہ کتابیں اپنے موضوع پر اہم معلومات اور عمدہ تحقیق پر مبنی ہیں۔

قرآنیات کے حوالے سے دو کتابیں لکھیں: قرآن اور جہاد۔آیات جہاد کا قرآنی مفہوم۔

عقائد ومعمولات اہل سنت پر بھی علمی نقوش ثبت کیے: سواد اعظم، اہل سنت وجماعت عقائد ومعمولات، سواد اعظم سے انحراف، تعارف اہل سنت، مسائل توسل وزیارت، موئے مبارک، گنبد خضریٰ، خصائص رسول، جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم نامی کتابیں اس کی بہترین مثال ہیں۔

ہندوستان کے مسلم معاملات پر بھی اچھا خاصہ کام کیا۔جب جیسی ضرورت پیش آئی انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کے معاملات پر اہل سنت

وجماعت کی جانب سے بہترین وکالت فرمائی۔اس عنوان کی کتابیں اس طرح ہیں: مسلم پرسنل لا کا تحفظ،تصوف اور سیاست،ہندوتوا اور ہندوستانی مسلمان۔سنگھ پریوار کا اکیس نکاتی فارمولا،بابری مسجد،ہم اور ہمارا ہندوستان،تین طلاق اور حکم شریعت،عمرانہ کا مسئلہ۔

علما،فقہا،صوفیا کے احوال وافکار اور دینی،علمی خدمات کے حوالے سے بھی حضرت رئیس التحریر علیہ الرحمہ نے وقیع کارنامہ انجام دیا ہے۔ان کی خدمات کی فہرست یہ ہیں: سلسلہ ولی اللہ عزیزی دہلی۔دینی وعلمی احوال وافکار(دوجلد) ممتاز علمائے فرنگی محل لکھنؤ،اویس زماں شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی،علمائے اہل سنت کی بصیرت وقیادت،آفتاب وماہتاب،خواجہ اجمیر،تین برگزیدہ شخصیتیں،مجاہد ملت کی مجاہدانہ عزیمت،شارح بخاری۔

ترجمہ نگاری میں بھی حضرت نے علمی ذخیرہ چھوڑا ہے دو کتابیں ان کی بہترین ترجمہ نگاری پر شاہد ہیں۔

اصلاح فکر واعتقاد(ترجمہ مفاهیم یجب ان تصحح للعلامة محمد بن العلوی المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ) ترجمہ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (مصنف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) یہ کتاب کل ہند تنظیم المدارس کے نصاب میں شامل ہے۔اس کے علاوہ آپ کی مشہور ومعروف عربی کتاب المدیح النبوی جو عربی نعت وقصائد کا مجموعہ ہے تنظیم المدارس کے نصاب تعلیم میں شامل ہے۔

حضرت رئیس التحریر علیہ الرحمہ محرک اور منصوبہ ساز شخصیت تھے۔دین وسنیت اور قوم وملت کے حوالے سے ان کی تحریک سے اچھا کام ہوا ہے۔تنظیم کے قیام کی ضرورت پیش آئی تو اس کی بنیاد رکھی،نمائندگی وقیادت کی ضرورت پیش آئی تو اہل سنت وجماعت کی جانب سے یہ کام بھی احسن طریقے سے انجام دیے۔المجمع الاسلامی مبارک پور قائم شدہ ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء کے بانی رکن تھے،دہلی جیسی سرزمین پر دارالقلم دہلی اور قادری مسجد کی ۱۹۹۱ء میں بنیاد رکھی،کل ہند مسلم پرسنل لا کانفرنس قائم شدہ ۱۹۸۵ء کے نائب صدر،درگاہ کمیٹی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر شریف کے مرکزی حکومت ہند کی جانب سے نومبر ۱۹۹۷ء تا نومبر ۲۰۰۲ء رکن ونائب صدر رہ چکے ہیں۔۲۰۰۷ء میں انقلاب ۱۸۵۷ء کے ڈیڑھ سو سالہ جشن پر بطل حریت علامہ فضل حق خیرآبادی کو متعارف کرانے کا منصوبہ،اس حوالے سے کانفرنسوں کا انعقاد اور کتابوں کی اشاعت حضرت کے ذہن وفکر کا ہی نتیجہ ہیں۔۱۴۳۹ھ میں سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے دوسوسالہ عرس کو یادگار بنانے کے لیے سیمینار اور کانفرنس کا انعقاد اور اُن کی شخصیت پر مقالات ومضامین کی اشاعت حضرت علیہ الرحمہ کی ہی تحریک کا ثمرہ تھیں۔ملک گیر سطح پر مذہب ومسلک سے متعلق پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے حضرت رئیس التحریر علیہ الرحمہ نے جو منصوبہ بنایا،اُسے خود عملی جامہ پہنایا۔اس سلسلے میں عرفان مذہب ومسلک،عرفان حقائق نامی کتابیں لکھیں جنھیں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

جامعہ اشرفیہ سے وابستگی: رئیس التحریر علامہ یٰسٓ اختر مصباحی رحمۃ اللہ علیہ کو تفسیر قرآن،حدیث واصول حدیث،فقہ اسلامی اور عربی زبان وادب اور منطق وفلسفہ جیسے علوم وفنون کی معرفت دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور سے حاصل ہوئی۔یہاں کی علمی فضا اور عملی تربیت نے انھیں اس مقام پر فائز کردیا جس مقام پر علمی دنیا آج انھیں خراج عقیدت پیش کررہی ہے اور آپ کی وفات کا سوگ منا رہی ہے۔جلالۃ العلم حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مبارک پوری،جامع معقول ومنقول حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی،قاضی شریعت حضرت مولانا قاضی محمد شفیع اعظمی اور بحرالعلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی علیہم الرحمۃ والرضوان جیسے اجلہ اساتذہ کی علمی درسگاہوں اور فیض رساں مجلسوں نے انھیں اس مقام پر فائز کردیا۔دیارِ علم وفن جامعہ اشرفیہ اور حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ سے گہری وابستگی اور سچی عقیدت رکھتے تھے بلکہ حق یہ ہے کہ جامعہ اشرفیہ سے ان کا لگاؤ عشق کی حد تک تھا۔ایک بار ایک صاحب ان سے کہنے لگے کہ حضرت آپ پر بھی مصباحیت غالب ہے تو فرمایا غالب تو وہاں بولا جاتا ہے جہاں مقابل میں کچھ دوسرا بھی ہو،یہاں جو کچھ ہے سب مصباحیت ہے پھر آپ نے ترانہ اشرفیہ کے عنوان سے ایک طویل نظم لکھی جو عرس حافظ ملت علیہ الرحمہ میں ایک خوش الحان نعت خواں نے ترنم کے ساتھ پڑھ کر سنائی۔اس وقت مجمع پر ایک عجیب کیف کا عالم طاری تھا۔

۱۹۷۰ء میں دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم سے فارغ التحصیل ہوئے۔جنوری ۱۹۷۴ء سے اپریل ۱۹۸۲ء تک جامعہ اشرفیہ میں استاذ ادب کے منصب کو زینت بخشتے رہے۔عرصہ دراز سے مجلس شوریٰ جامعہ اشرفیہ کے رکن بھی تھے۔مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے مندوبین میں شامل تھے۔اس کے فقہی سیمیناروں میں شریک ہوتے اور اپنے مفید مشوروں،تاثرات اور خطبات سے نوازتے۔ان کی علمی،دینی،تدریسی،تصنیفی،تحقیقی

خدمات کے اعتراف میں تنظیم ابنائے اشرفیہ کے زیر اہتمام عزیز ملت حضرت مولانا شاہ عبدالحفیظ مصباحی سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ کے ہاتھوں ’’حضور حافظ ملت ایوارڈ‘‘ سے نوازے گئے۔ اس کے علاوہ رئیس التحریر کی علمی خدمات کے اعتراف میں ۱۹۹۱ء میں رضا اکیڈمی نے امام احمد رضا ایوارڈ اور ۲۵ فروری ۲۰۰۳ء میں خانقاہ چشتیہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا نے ’’تاج الفحول ایوارڈ‘‘ سے نوازا تھا۔

افسوس علم و ادب اور عشق و وفا کا یہ اختر تابندہ آج بعد نماز مغرب خالص پور کی مٹی میں روپوش ہو گیا۔ گوش عبرت سے سنو کہ اپنے آقا کا یہ وفادار آج بھی انھیں یاد کر رہا ہے:

شامِ غربت ہے اور شہر خاموش ہے ایک اختر اکیلا کفن پوش ہے
خوف کی ہے گھڑی وقت ہے پُر خطر دونوں عالم کے سرکار آجایئے

اِن سطروں میں اس بے مایہ نے حضرت رئیس التحریر علیہ الرحمہ کے اوصاف و خدمات کی ایک جھلک پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ یہ میری جانب سے ان کی بیوہ، اولاد، پس ماندگان، تلامذہ، متعلقین، متوسلین کو پیغام تعزیت ہے۔ اللہ رب العزت حضرت کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے، انھیں شمیم جنت کی راحتیں نصیب فرمائے اور ان کے جملہ پس ماندگان کے ساتھ مجھے بھی صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

شریک غم: **محمد نظام الدین رضوی، شیخ الحدیث وصدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔ نزیل ممبئی ۱۷ شوال المکرم ۱۴۴۴ھ / ۸ مئی ۲۰۲۳ء، دوشنبہ**

’’اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے‘‘

حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی سے میری ملاقات اسی وقت سے ہے جب میں نومبر ۱۹۷۴ء بغرض تعلیم الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوا، داخلہ ٹسٹ کے بعد جماعت رابعہ کے طلبہ کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ملی، داخلہ کی تمام کاروائیوں کی تکمیل کے بعد جب اپنے ہمدرس رفقا کے ساتھ غالباً تیسری گھنٹی میں فقہ کی تعلیم حاصل کرنے یا یوں کہئے کہ شرح وقایہ پڑھنے جب درسگاہ میں پہنچا تو سفید کرتا و پائجامہ اور چہرہ پر موٹے شیشہ کا عینک ڈالے جو جواں سال شخصیت مجھے مسند تدریس پر بکھری ہوئی کتابوں کے درمیان جلوہ بار نظر آئی وہی حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی تھے۔

مصباحی صاحب کی ولادت خالص پور ضلع اعظم گڑھ میں ایک دیندار گھرانے میں ۱۲ رفروری کو ۱۹۵۳ء میں ہوئی۔ والد ماجد شیخ نور محمد (وفات ۱۹۷۱ء) دیندار اور صوم وصلوٰۃ کے پابند انسان تھے۔ اس وقت آپ کا نام انھوں نے صرف محمد یٰسین رکھا تھا بعد میں بطور تخلص آپ نے اختر کا اضافہ کیا۔ اس طرح آپ کی شہرت یٰسین اختر سے ہوئی۔ آپ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ آپ کے دو بڑے بھائی محمد اسماعیل اور محمد یوسف بھی تھے۔ آپ کے صاحبزادگان میں تین لڑکے ہیں جن کے اسمائے گرامی کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ محمد نعیم اختر ۲۔ محمد نسیم اختر ۳۔ محمد فہیم اختر

آپ کے والد ماجد نے گاؤں کے مدرسہ بیت العلوم میں آپ کا داخلہ کرادیا ناظرہ قرآن کریم کی تکمیل کے بعد جب کچھ شد بد حاصل ہو گئی تو پھر مدرسہ ضیاء العلوم قصبہ ادری اور مدرسہ ضیاء العلوم خیر آباد سے وابستہ ہو کر آپ نے درس نظامی کی ابتدائی درجات کی تعلیم حاصل کی۔ سند فضیلت حاصل کرنے کے لئے آپ نے مشرقی ہندوستان کی مشہور درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کا انتخاب کیا۔ وہاں داخلہ لے کر حضرت حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مبارک پوری، حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی، حضرت مولانا محمد شفیع مبارک پوری، اور مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی جیسے ماہرین علم وفن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، اسی ادارہ سے ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء میں فراغت کے بعد عربی زبان وادب میں مہارت پیدا کرنے کے لئے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں دو سال تک الاختصاص فی الادب العربی کا کورس مکمل کر کے ۱۹۷۳ء میں سند اختصاص حاصل کیا۔ یوپی مدرسہ بورڈ لکھنو سے عالم و فاضل (عربی ادب) کا امتحان بھی نمایاں درجات سے پاس کیا۔

۱۹۷۱ء سے آپ کی تدریسی سرگرمیوں کا آغاز ہوتا ہے عربی زبان وادب آپ کی تدریسی سرگرمیوں کا خاص محور رہا ہے۔ یوں تو اور بھی دیگر

فنون کی کتابیں آپ کی زیر درس رہیں مگر عربی زبان وادب میں آپ کی تدریسی صلاحیت کا اعتراف سب نے کیا ہے۔۱۹۷۱ء میں دار العلوم غریب نواز الہ آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں اور جنوری ۱۹۷۴ء سے اپریل ۱۹۸۲ء تک اپنی مادر درس گاہ الجامعۃ الاشرفیہ میں شیخ الادب کی مسند پر فائز رہے۔ پھر آپ ایک سعودی کمپنی میں ملازم ہوکر ریاض چلے گئے اور جب آپ ۱۹۸۸ء میں واپس ہوئے تو دہلی جامعہ ملیہ اسلامیہ میں دوسال یعنی ۱۹۸۸ تا ۱۹۹۰ء میں اسلامیات کے اعزازی استاذ رہے۔درس وتدریس کی مشغولیات سے ہٹ کر جن علمی شخصیات سے آپ نے علمی استفادہ کیا اُن میں شمس العلماء قاضی شمس الدین جعفری (شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور) شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی (صدر شعبہ افتا الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور) رئیس التحریر علامہ ارشد القادری (بانی جامعہ حضرت نظام الدین اولیا ذاکر نگر نئی دہلی) اور خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی (بانی جامعہ غریب نواز الہ آباد) بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

مولانا موصوف چوں کہ چرب زبان نہیں تھے ہر بات کو ٹھہر ٹھہر کر بیان کرنے کی عادت تھی اس لئے انداز تدریس سے ہم لوگ اکثر اکتا جایا کرتے لیکن جو بات کہتے تھے خواہ ٹھہر ٹھہر ہی کے سہی وہ دلوں میں پیوست ہوجاتی تھی اور پھر اس پر غور وخوض کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ جماعت خامسہ میں عربی زبان وادب کی مشہور زمانہ کتاب متنبی حضرت کے یہاں زیر درس تھی۔عربی زبان پر انھیں بھر پور قدرت تھی اس لئے مالہ وماعلیہ کے ساتھ جس طرح متنبی کے اشعار پڑھاتے ،مزہ آجاتا تھا۔مولانا افتخار احمد اعظمی اور مولانا یٰسین اختر مصباحی دونوں نے ندوہ میں عربی زبان وادب میں اپنے ذہن ودماغ کو صیقل کیا تھا،اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ کس کی زبان زیادہ بہتر تھی تاہم یہ مسلم ہے کہ مولانا افتخار احمد اعظمی عربی نثر اور یٰسین اختر مصباحی عربی نظم میں دسترس رکھتے تھے اس لئے اول الذکر نے **الادب الجمیل** کے نام سے درسی کتاب مرتب کی اور صاحب تذکرہ نے **المدیح النبوی** کے نام سے طلبہ کے لئے عربی اشعار کا ذخیرہ جمع کرکے اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔آج بھی یہ دونوں کتابیں دینی مدارس میں جہاں عربی زبان وادب کا چلن ہے داخل درس ہیں۔عربی زبان وادب میں آپ کی مہارت کا اعتراف کرتے ہوئے علامہ ارشد القادری اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

’’ترجمہ پڑھ کر بے پناہ مسرت ہوئی اس لئے نہیں کہ آپ نے ایک کام کر دیا ہے بلکہ اس لئے کہ آج زندگی میں پہلی بار اپنی جماعت میں ایک ایسے عربی ادیب کی تحریر نظر سے گذری جس میں ذرا بھی عجمیت نہیں ہماری قدیم عربی کتنی ہی فصیح کیوں نہ ہو لیکن اس میں عجمیت کی بو آتی ہے اپنی خوشی کے اظہار کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔مولیٰ تعالیٰ آپ کو مزید کرامتوں اور نعمتوں سے نوازے۔‘‘

(روزنامہ شان سدھارتھ ۱۶/ ۳/ ۲۰۲۳ء)

مصباحی صاحب چوں کہ شہنشاہِ قلم تھے اردو ہو یا عربی سب میں ہی اسلوب نگارش نکھرا ہوا تھا،اس لئے جو طلبہ مضامین لکھنے کا ذوق وشوق رکھتے ،ان کا گھیرا ہمیشہ مصباحی کے آس پاس رہتا تھا۔کوئی ان سے لکھنے کی ادا سیکھ رہا ہے،کوئی الفاظ کو الفاظ سے جوڑنے کا ہنر معلوم کر رہا ہے تو کوئی عربی سے اردو ترجمہ کرنے کی ترکیبیں معلوم کر رہا ہے۔اس زمانے میں آپ دونوں حضرات ہی کی وجہ سے طلبہ میں پرورش لوح وقلم کا جذبہ بیدار ہوا۔جداریہ کے ذریعہ طلبہ اپنے افکار وخیالات کو الفاظ کا جامہ پہنا کر جامعہ اشرفیہ کی دیواروں پر جابجا نمائش کرنے لگے، مجھے چوں کہ خطاطی کا ہنر آتا تھا اس لئے بیشتر جداریے میرے ہی قلم سے دیواروں کی زینت بنتے تھے۔

اس زمانے پہلی مرتبہ آپ اور حضرت مولانا افتخار احمد مصباحی کی ہی تحریک پر **المصباح** کے نام سے ایک میگزین کا اجرا عمل میں آیا،جس میں الجامعۃ الاشرفیہ کے طلبہ نے آپ حضرات کی رہنمائی میں مضامین لکھے۔راقم السطور نے **احیائے موتی کے تین دلائل** کے نام سے ایک عربی مضمون کا اردو میں ترجمہ کیا جو اسی میگزین میں ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا۔مصباحی صاحب کی رہنمائی وسرپرستی میں میرا وہ پہلا مضمون تھا جو کسی میگزین کی زینت بنا تھا۔یہ میگزین تو طلبہ کے لئے سالنامہ کی شکل میں تھی،لیکن دوسرے ارباب دین ودانش کے لیے اسی سال آپ حضرات ہی کی تحریک پر ماہنامہ ’’اشرفیہ‘‘ کا بھی اجرا عمل میں آیا جو بحمدہٖ تعالیٰ اب بھی مولانا مبارک حسین مصباحی کی زیر ادارت بڑی پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اس زمانے میں آپ کی رہنمائی میں میرا بھی ایک مقالہ **علامہ بوصیری زندگی اور شاعری** کے نام سے اکتوبر ۱۹۷۶ء کے شمارہ میں شائع

ہوا تھا۔اس رسالہ کے مدیران میں مولانا قاری محمد یحییٰ مبارک پوری، مولانا بدر القادری، مولانا سید شمیم گوہر الہ آبادی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔مختصر یہ کہ مصباحی صاحب کی تحریک پر اشرفیہ کے طلبہ میں قلم پکڑنے کا شعور پیدا ہو گیا تھا اور انھوں نے مربوط وغیر مربوط انداز میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔

۱۹۷۹ء میں الجامعۃ الاشرفیہ سے میری فراغت ہوگئی اور میں ۱۹۸۰ء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کی غرض سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے وابستہ ہو گیا۔احباب سے معلوم ہوا کہ مصباحی صاحب نے بھی اشرفیہ کو خیر آباد کہہ دیا اور ایک سعودی کمپنی سائسو ریکس میں ملازم ہو کر اپنے ساتھی حضرت مولانا افتخار احمد اعظمی کے ساتھ ریاض چلے گئے۔اتنی بڑی درس گاہ کو آپ نے کیوں چھوڑ دیا کیا اُس کی معقول وجہ کیا تھی کچھ کہا نہیں جا سکتا ہے۔ البتہ ۱۹۸۲ء میں جب اسی سائسو ریکس کمپنی کے ایک ذمہ دار جناب عبدالعزیز صاحب کمپنی کے لئے کچھ اور طلبہ کو علی گڑھ سے لے جانے کے لئے علی گڑھ یونیورسٹی میں انٹرویو کا انعقاد کیا تو اس ٹسٹ اور انٹرویو میں میں بھی شریک ہوا کیوں کہ میں نے عربی زبان وادب میں ایم۔اے کر لیا تھا ،اب ضرورت نوکری کی تھی بحمدہٖ تعالیٰ اس انٹرویو میں میرا سیلیکشن بھی ہو گیا۔اس کی خبر ریاض میں جب مصباحی صاحب کو ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے اور انھوں نے میری کامیابی پر مسرت وشادمانی کا اظہار بھی کیا مگر چوں کہ میرے پاس پاسپورٹ تیار نہیں تھا اسے بنوانے کے لئے لکھنو کا میں نے سفر بھی کیا۔اس زمانہ پاسپورٹ تھوڑا مشکل سے بنتا تھا، اس لئے میری کوشش بار آور نہ ہو سکی اور میرا پاسپورٹ نہ بن سکا، اس لئے میں سائسو ریکس کمپنی ریاض نہ جا سکا۔ کہتے ہیں نا کہ جو اللہ کرتا ہے بہتر کرتا ہے بندہ کے حق میں بہتر فیصلہ وہی تھا جو اُس وقت اللہ رب العزت کیا۔آج جو کچھ بھی میں ہوں اسی رضا برضائے الٰہی کا ثمرہ ہے۔

جب علی گڑھ میں میری تعلیم مکمل ہوگئی تو روزگار کی تلاش شروع ہوئی۔علی گڑھ میں روزگار ملنے کی بجائے مذہبی تشخص کے ساتھ رہنے اور مسلک حق پر قائم رہنے کے سبب احباب علی گڑھ کے سب وستم کا مجھے نشانہ بھی بننا پڑا۔صلاحیت کے باوجود بھی نوکری نہ مل سکی، اس لئے میں نے دہلی کا رخ کیا اور مجھے اس میں کامیابی ملی، جب میں اپریل ۱۹۹۰ء میں دہلی پہنچا تو وہاں جن دو علمائے کرام کی سرپرستی ملی ان میں ایک تو یہی میرے استاذ گرامی حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی تھے اور دوسرے علامہ ارشد القادری علیہم الرحمۃ والرضوان۔مصباحی صاحب اُن دنوں اوکھلا میں ایک چھوٹے سے کمرہ میں بکھری ہوئی کتابوں کے درمیان زندگی کے شب وروز گزار رہے تھے اور علامہ ارشد القادری درگاہ نظام الدین اولیاء کی ایک مسجد ضامن المساجد سے متصل ایک کمرہ میں مقیم تھے۔بعد میں درگاہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی مہرولی میں منتقل ہوگئے تھے۔وہاں ان کا قیام اس وقت تک رہا جب تک جامعہ نظام الدین اولیاء ذاکر نگر کی تعمیر نہیں ہوگئی۔ان دونوں حضرات سے میری ملاقات ہفتہ میں ضرور ہو جایا کرتی تھی۔

حضرت مصباحی صاحب کا قیام دہلی میں ضرور تھا مگر کوئی کاروبار یا کوئی مستقل ملازمت کہیں نہیں تھی صرف اور صرف ''منم وچند کتاب ودوات وقلمے'' کا مشغلہ تھا۔عوام اور اہل علم سے جڑنے کے لئے انھوں نے اگست ۱۹۸۸ء سے ''حجاز جدید'' کے نام سے دہلی سے ایک ماہنامہ جاری کیا جو نومبر ۱۹۹۲ء تک پابندی سے شائع ہوتا رہا، جس کی تہذیب وتزئین اور اداریہ کی تمام تر ذمہ داری آپ ہی کے سر تھی۔اس رسالہ کی مجلس ادارت کا ایک ممبر راقم السطور بھی تھا۔اس کے اداریئے بڑی تاریخی اہمیت کے حامل ہوتے۔اس میں نئی نسل کو جو اسلاف شناسی کا درس دیا جاتا، وہ بڑا انمول ہوتا تھا۔بعد میں وہ تمام اداریئے **نقوش فکر** کے نام سے ایک ضخیم جلد میں شائع ہوئے جسے اہل علم نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

ماہنامہ حجاز جدید کے تعلق نے ایک مرتبہ الجامعۃ الاشرفیہ کے طلبہ نے مصباحی سے دریافت کیا کہ آپ نے حجاز جدید کا اجرا کن مقاصد اور اغراض وعوامل کی بنیاد پر کیا ہے اور اس سلسلے میں آپ اپنے آپ کو کس حد تک کامیاب محسوس کرتے ہیں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''میں نے دلی کی دینی وعلمی اور سیاسی وثقافتی مگر سنگلاخ زمین سے حجاز کا اجرا اس لئے کیا کہ مسلمانان ہند کی صحیح دینی وعلمی رہنمائی کے ساتھ ملی واجتماعی معاملات ومسائل میں انھیں حقیقت پسندانہ تعمیری رجحان کی طرف دعوت دوں اور خصوصیت کے ساتھ اہل سنت وجماعت کے افکار ونظریات کو جدید علمی اور دانشورانہ انداز میں پیش کروں۔اسی طرح ہمارے سنی اڈیٹروں پر یہ جو الزام رکھا جاتا ہے کہ وہ مناظرانہ وعامیانہ انداز ہی میں لکھ سکتے ہیں اس کا ازالہ کر کے ایک وسیع حلقہ تک اپنا پیغام پہنچا سکوں۔اپنے اس مقصد میں میں کس حد تک کامیاب ہوا اُسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اللہ کا شکر ہے کہ اپنوں کے درمیان جس طرح حجاز جدید نے ایک نیا جوش وولولہ پیدا کیا، اسی طرح اغیار بھی اب دبی زبان سے

حجاز جدید کے معیار بلند کو تسلیم کرتے ہیں اور اس سے متاثر ہو رہے ہیں۔'' (نقوش راہ ص ۲۹)

ماہنامہ حجاز جدید دہلی سے سالوں تک پابندی کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ مسلم امہ میں جس طرح پڑھنے پڑھانے کا رواج ہے اس سے ہر کوئی شخص بخوبی واقف ہے۔ مسلم سماج کی بے حسی عدم دلچسپی کے سبب کچھ سالوں بعد یہ رسالہ مالی اعتبار سے بحران کا شکار ہو گیا۔ جس کے بعد رسالہ کبھی ایک ماہ اور کبھی دو ماہ بعد اشاعت پذیر ہونے لگا۔ جب اہل علم نے اس بحران کو محسوس کر لیا تو انھیں اس رسالہ کے بند ہونے کے لگار پر پہنچنے کا خدشہ لاحق ہو گیا تو علامہ ارشد القادری نے مدیر حجاز جدید کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا:

''۲۴ر جنوری کو اپنے غیر ملکی سفر سے واپسی پر جامعہ حضرت نظام الدین اولیا دہلی کے دفتر میں آپ سے ملاقات کر کے خوشی ہوئی لیکن یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ ''ماہنامہ حجاز جدید'' خسارہ میں چل رہا ہے۔ کسی بھی کاروبار کا خسارہ خطرے کا الارم ہوتا ہے۔ اگر مصنوعی تدبیروں سے اس کی تلافی نہیں ہوتی تو اس کا انجام بالکل وہی ہوتا ہے جو بجھتے نبض کی تپش کا ہوا کرتا ہے۔ جرائد کو گور غریباں تک پہنچانے والا یہی راستہ ہوتا ہے۔ اس خبر سے مجھے تشویش اس لئے بھی لاحق ہو گئی ہے کہ ہماری جماعت ہر معاملے میں حساس ہے لیکن تحریر کے معاملے میں اس احساس کی ٹھنڈک نقطہ انجماد تک پہنچ گئی ہے۔ مسجد، مدرسہ، درگاہ، عرس اور جلسہ وجلوس ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جسے ہماری جماعت نے مرنے سے نہ بچا لیا ہو۔ سالہا سال کے تجربات شاہد ہیں کہ جب بھی ان میں کسی پر نزع کا عالم طاری ہوا، بالیں کے کنارے مسیحاؤں کی بھیڑ جمع ہو گئی اور ہزار مشکلات کے باوجود جسے بچانا تھا بچا لیا گیا۔

لیکن زندگی کی سرفرازیوں کا نقشہ تیار کرنے کے لیے جس نے بھی قلم ہاتھ میں لیا اُسے اس خارزار وادی سے تنہا گذرنا تھا گذرنا پڑا، کسی نے اس کا کرب تقسیم نہیں کیا، چوٹ کھا کر گرنے کا تماشہ سب نے دیکھا لیکن زخموں پر تسکین کا مرہم رکھنے کی کسی کو توفیق نہیں ہوئی، کسی نے محسوس نہیں کیا کہ جو خون جگر پر ماہنامہ کی تحریروں کے نقوش میں جذب ہو رہا ہے وہ سوکھ گیا تو قلم کے لئے روشنائی کہاں سے آئے گی؟ کون احساس کی نبض کو گرم رکھے گا؟ کون فکر کے دریچے کھولے گا؟ کون جذبے کو نئی توانائی عطا کرے گا؟ اور کون کاروان ہمت کو جادہ پیمائی کے لیے آمادہ کرے گا؟

یہ ساری ضرورتیں چارہ گروں کو آواز دیتی رہیں اور وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں اور اکھڑی ہوئی سانسوں کا تماشہ دیکھتے رہے بالآخر فکر و آگہی کا ایک سفینہ اپنے ہی ناخداؤں کی نظروں کے سامنے ڈوب گیا۔ اس طرح بہت سی دردانگیز موتوں کا میں عینی شاہد ہوں بلکہ اس طرح کی موت سے خود بھی کئی بار مرا ہوں اور زندہ ہوا ہوں۔ غالباً آپ کو یاد ہوگا کہ آج سے ایک سال پیشتر جب دہلی میں آپ نے ایک ماہنامے کا اجرا کا ارادہ ظاہر کیا تھا اُسی دن میں نے اس راہ کی مشکلات سے آپ کو باخبر کر دیا تھا لیکن شوق آبلہ پائی کی عمر دراز ہو کہ جیسے بھی ہو اس خارزار وادی سے آپ کو گذرنا ہے آپ اس یقین واعتماد کے ساتھ اپنا سفر شوق جاری رکھیں کہ نعرہ لگانے والوں کی بھیڑ میں کچھ حقیقت پسند افراد بھی موجود ہیں۔

تشویش کے باوجود میں ماہنامہ حجاز جدید کے لئے پر امید ہوں کہ وہ زندہ رہے گا کیوں کہ اہل سنت کا یہ پہلا ترجمان ہے جو فکری اور تنظیمی بیداریوں کی ایک انقلاب انگیز تحریک لے کر اٹھا ہے۔ ہر شمارے میں آپ کا اداریہ واضح طور پر اُس منزل کی نشاندھی کرتا ہے جدھر آپ اہل سنت کی نوجوان نسل کو لے جانا چاہتے ہیں۔ کسی بھی مدیر کی قلمی توانائیوں کا مظہر دراصل خود اس کا اداریہ ہوتا ہے، آپ نے اپنے فکر انگیز اور ذہن ساز اداریوں کے ذریعہ جماعت کے سو پچاس افراد کو بھی قلمی توانائیوں سے مسلح کر دیا تو آپ کا نام مذہبی زندگی کی ناقابل تسخیر قوتوں کے بانی کی حیثیت سے تاریخ میں محفوظ ہو جائے گا۔ آپ ہر ماہ اسی طرح احساس کی مردہ رگوں پر نشتر چلاتے رہیے کہیں سے تو زندگی کا سوتا پھوٹے گا کبھی تو بھی جذبات کی سطح سے اوپر اٹھ کر سوچنے والے افراد پیدا ہوں گے۔ تحریر کی ساحری کا رنگ اگر چہ دیر میں نکھرتا ہے لیکن اگر نکھر گیا تو صدیوں تک وہ اسی آب وتاب کے ساتھ باقی رہتا ہے اس کی زندہ مثال دیکھنا ہو تو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی کی عبقری شخصیت کا مطالعہ کیجئے ان کی زندگی میں ''چند کتابے ودوات وقلمے'' کے علاوہ تقریر وخطاب کی کوئی گھن گرج آپ نے دیکھی ہے؟ راویوں کے بیان کے مطابق تین سو ساٹھ دنوں میں صرف تین دن مواعظ کے لئے مخصوص تھے باقی سارے ایام کی مصروفیات قرطاس وقلم کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے مجلدات کی صورت میں اپنے علوم ومعارف کے خزائن کا ہمیں وارث نہ بنایا ہوتا تو آج ہم پوری دنیا میں سر اٹھا کر

کیسے چلتے؟ ان کی تحریروں کے گنج ہائے گرانمایہ ہمارے پاس نہ ہوتے تو اپنے وقت کا ابوحنیفہ، غزالی اور رازی کہنے کے لئے ہمارے پاس کون سی دستاویز تھی اور عقل بے مایہ کو انگشت بدنداں رہنے دیجئے کہ مسلک اہل سنت کے نام سے امتیاز حق و باطل کا ایک عالم گیر انقلاب جس کے مبارک و مسعود آثار سے آج بحر و بر کی وسعتوں میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ تنہا ایک شخص کے قلم کا برپا کیا ہوا ہے۔

اپنی تلخ نوائی کی معذرت چاہتے ہوئے اس مقام پر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ہمیں لوح و قلم کا وارث بنایا تھا اور ہم نصف صدی سے صرف منبر کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ اس کا انجام یہ ہے کہ اب اہل قلم ہماری جماعت میں نہیں پیدا ہو رہے ہیں۔ کسی مفکر کو دیکھنے کے لئے ہماری آنکھیں ترس گئی ہیں۔ دنیا کا کوئی مذہب ہوا میں تحلیل ہوجانے والے الفاظ کی بنیاد پر زندہ نہیں رہا ہے جب تک اس کی پُشت پر فکر انگیز لٹریچر نہ ہو، نہ اسے استحکام حاصل ہوسکتا ہے اور نہ ہی وہ نسلوں میں منتقل ہوسکتا ہے۔ اس سلسلے میں حجاز جدید کے قارئین کو میں نہایت ایک افسوس ناک اطلاع دے رہا ہوں، اپنے اس طویل سفر میں یورپ امریکہ اور مشرق وسطیٰ کے بہت سارے ملکوں میں مختلف زبانوں کے مذہبی لٹریچر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اسی ہندوستان میں جنم لینے والے فرقہ ہائے باطلہ کے لٹریچر مختلف زبانوں میں ملے لیکن اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے سوا اُس انبار میں اہل سنت کے کسی اور مصنف کا نام ہمیں نہیں مل سکا اور ہم حیرت زدہ اس لیے نہیں ہوئے کہ جب ہم اپنی مادری زبان میں کوئی فکری اور علمی لٹریچر تیار نہیں کرسکے تو بین الاقوامی زبانوں میں اس کے تراجم کیوں کر وجود میں آسکتے ہیں۔

اگر ہماری جماعت کے اصحاب فکر و قلم نے ان فروگذاشتوں کی تلافی نہیں کی تو ہندوستان کی سرحدوں کے اُس پار موجودہ امتیاز و تشخص کے ساتھ ہمارا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہے گا۔ ویسے ایران و نجد کو چھوڑ کر دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں مذہب اہل سنت انھیں روایات کے ساتھ زندہ نہ ہو جن روایات کے ساتھ ہندو پاک میں زندہ ہے۔ اور یہ بات ہرگز تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ مذہب زندہ نہ ہو اور اس کے پیچھے اہل علم، اہل فکر، اہل قلم اور اہل ابلاغ کا وجود سرگرم عمل نہ ہو لیکن ماتم اپنی اس تقصیر کا ہے کہ آفاقی سطح پر ہم اپنی تبلیغی ذمہ داریوں سے اب تک کیوں نہیں سبک دوش ہوئے۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ہم نے اپنی ساری انرجی صرف تقریروں پر صرف کی ہے اور پہاڑ کے برابر غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے اپنی عوام کو بھی تقریروں کا رسیا بنا دیا کہ تقریروں کے علاوہ تحریروں کی پذیرائی کا جذبہ ہی اس کے اندر سے بالکل مفقود ہوگیا۔ ہم سجدۂ سہو ادا کرنے کے لئے تیار ہوجائیں تو حالات اب بھی قابو سے باہر نہیں ہیں۔

اس کے لئے دو بنیادی کام کرنے ہوں گے پہلا کام تو یہ ہے کہ ترغیب و تشویق کے جتنے بھی ذرائع ممکن ہوسکتے ہیں ایسے مفکرین کی ایک متحرک و فعال جماعت تیار کی جائے اور دوسرا کام یہ ہے کہ اپنے عوام میں قلمی خدمات کی پذیرائی اور قدردانی کا ایسا پُرخلوص جذبہ پیدا کیا جائے کہ وہ تحریری کام کو زندہ رکھنے کے لئے ہر طرح کی معاونت کریں۔ ہم اپنی انقلابی مہم کا آغاز ماہنامہ حجاز جدید سے کر رہے ہیں جو ایک منظم فکری و تعمیری منصوبہ کے تحت منظر عام پر آیا ہے۔ اس کے مستقبل کو مالی اعتبار سے مستحکم اور بے خطر بنانے کے لیے پورے ملک سے کم از کم سو مخلصین کی ضرورت ہے جو پانچ پانچ سو کا ڈرافٹ ''حجاز جدید منتھلی'' کے نام سے آپ کے پتے پر بھیج دیں۔ اس طرح ایک خطیر رقم جمع ہوجانے کے بعد وہ آزمائش کے ابتدائی مراحل سے بخیر و عافیت گذر جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

میں اپنے حصے کی رقم عزیزی فیض ربانی سلمہ کے ذریعہ آپ کی خدمت میں حاضر کرچکا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ماہنامہ حجاز جدید کی اہمیت محسوس کرنے والے افراد اس تحریک کو آگے بڑھائیں گے۔'' (ارشد القادری فیض العلوم جمشید پور یکم فروری ۱۹۸۹ء)

حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی نے پھر اس کام کو مزید حسن و خوبصورتی کے ساتھ انجام دینے کے لیے کتابوں کی مارکیٹ مٹیا محل دہلی کے ایک چھوٹے سے کمرے میں منتقل ہوگئے اُس کمرہ میں بس اتنی جگہ تھی کہ اپنا پاؤں پھیلا کے لیٹا جاسکے، مگر مصباحی صاحب اس کمرہ میں نہ صرف آرام کرکے دن کی تکان دور کرتے بلکہ اچھی طرح اپنی رات کی نیند بھی پوری کرتے بلکہ وہی کمرہ ان کی لائبریری اور مہمانوں کی ضیافت کے بھی کام آتا تھا۔ میں جب بھی اس کمرہ میں ان سے ملنے جاتا تو پہلے بکھری ہوئی کتابوں کو ایک طرف صاف کرکے رکھتا پھر اپنے لئے بیٹھنے کی جگہ نکالتا تھا۔ جب بھی میں ان سے ملنے گیا مصباحی صاحب نے ایک شاگرد سمجھ کر خوب خاطر داری کی مگر یہ پیسے کہاں سے آتے، سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ گھر کے بھی

امیر نہیں تھے کہ وہاں سے ماہانہ خرچ آتا ہو۔

بہرحال ۱۹۹۲ء میں جب حجاز جدید بند ہوگیا تو رضوی کتاب گھر کے مالک حافظ محمد قمرالدین بستوی (وفات ۲۰۲۰ء) نے مصباحی صاحب کی مذہبی فکر کو عام وتام کرنے کے لئے ماہنامہ کی اشاعت کی ذمہ داری خود قبول کی اور پھر انھوں نے رضوی کتاب گھر کے پلیٹ فارم سے نومبر ۱۹۹۸ء میں ماہنامہ ''کنزالایمان'' جاری کرنے کا فیصلہ کیا۔ چوں کہ یہ اس ماہنامہ کی اشاعت کی تمام تر ذمہ داری رضوی کتاب گھر نے لے رکھی ہے اس لئے یہ ماہنامہ اردو اور ہندی دنوں زبانوں میں پابندی سے اب بھی شائع ہو رہا ہے۔ مصباحی صاحب اس ماہنامہ سے نومبر ۱۹۹۸ء سے نومبر ۲۰۰۷ء تک بانی مدیر اور دسمبر ۲۰۰۷ء سے تادم زیست یعنی ۷ مئی ۲۰۲۳ء تک مشیر اعلیٰ کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ مصروفیت جب بڑھ گئی تو ماہنامہ کی ادارت مصباحی صاحب نے ایک نوجوان مصباحی عالم محمد مولانا ظفرالدین برکاتی کے سپرد کر کے خود اس ماہنامہ کی سرپرستی فرمانے لگے اور ملت وسماج کے جو سلگتے ہوئے مسائل تھے اور جن کے حقائق کو منظر عام پر لانا بہت ضروری تھا اُن پر کتابیں اور مقالات تحریر کرنے لگے۔

پہلے تو سماج کے نوجوان افراد میں دینی جوش بیدار کرنے کے لیے ''پیغام عمل'' کے نام سے کتاب لکھی اور اُسے سماج میں عام وتام کیا۔ اس کتاب نے عوام بطور خاص دینی مدارس کے طلبہ میں مہمیز کا کام کیا۔ مصاحی صاحب نہ تو شعلہ بار خطیب تھے اور نہ ہی خطابت سے انھیں کوئی دلچسپی انھیں وہ کام کرنے میں بڑا مزہ آتا تھا جو دوسرے لوگ نہ کرتے ہوں چنانچہ ایک موقع سے جب وہ مبارکپور الجامعۃ الاشرفیہ میں تشریف لے گئے تو طلبہ کا ایک ہجوم ان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ناصحانہ خطاب کی انھیں دعوت دینے لگا۔ یہ سننے کے بعد تھوڑی دیر وہ سر جھکائے رہے پھر سر اوپر اٹھا کر اس طرح گویا ہوئے:

''آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میں نہ شعلہ بار خطیب ہوں نہ پیشہ ور مقرر اس لئے مجھے تقریر وغیرہ سے معذور سمجھیں ہاں البتہ وہ کام میں کرنے کی کوشش کرتا ہوں جس کو دوسرے لوگ نہ کرتے ہوں یا عام طور پر نہ کرتے ہوں۔ تقریر تو بہت سے علماء وخطبا سے آپ مذہبی جلسوں اور عزیزی ہال میں سنتے رہتے ہیں۔ اب تو طلبہ کے اشتیاق میں اور اضافہ ہوگیا کیوں کہ وہ ایسی باتیں سننا چاہتے تھے جو ضروری مفید اور نئی ہوں مزید اصرار پر آپ نے فرمایا کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ حضرات کسی جماعت مثلاً ثامنہ (دورۂ حدیث) کو منتخب کرلیں یا ہر جماعت سے چند طلبہ کو منتخب کرلیں جو تنظیمی فکری اصلاحی ذہن وفکر کے حامل اور دعوتی مزاج رکھتے ہوں اور پھر مجلسی گفتگو کی صورت میں کچھ سوالات وجوابات ہوسکتے ہیں طلبہ نے اس بات پر اتفاق کرلیا۔ (حجاز جدید جنوری فروری ۱۹۹۱ء)

طلبہ نے کیا سوال کیا اور حضرت مصباحی صاحب نے اس کا کیا جواب دیا، اس کی پوری تفصیل ''حجاز جدید'' کے جنوری فروری ۱۹۹۱ء کے شمارے اور ''نقوش فکر'' ص ۱۶ پر دیکھی جاسکتی ہے۔

طلبہ کے کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے یہ بھی فرمایا: ''ہمارے یہاں اب تک جو کچھ ہوا ہے ان میں تین چیزوں کی طرف زیادہ توجہ دی گئی ہے ایک تو تدریس، دوسرے خطابت، تیسرے بیعت وارشاد اور تحریر پر کما حقہ توجہ نہیں دی گئی جس کا نقصان آج ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ اس لئے آپ حضرات سے میرے گذارش ہوگی کہ اگر آپ خدمت دین کے لئے مستقبل میں کوئی تعمیری، تبلیغی، اصلاحی تحریک چلانا چاہتے ہیں، ملک وملت کی خدمت کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں تو مذکورہ باتوں کو ہر حال میں سامنے رکھیں۔ اگر آپ نے شعبے تقسیم کر کے کام کیے تو یقیناً آپ کا مستقبل تابناک ہوگا اور ملت ومذہب کی ترقی اور عروج میں اہم رول ادا کریں گے۔ (نقوش فکر ص ۱۸)

سوال وجواب کے آخر میں آپ نے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: میرے عزیز فرزندو اپنے لئے ہمیشہ نئی زمین اور نیا میدان منتخب کرنا چاہئے اور اپنے کو اسی کام کے لیے وقف کرنا چاہئے جس کی قوم وملت کو شدید ضرورت ہو وقت کی آواز ہو اور جس کے کرنے کی نمایاں صلاحیت آپ کے اندر موجود ہو۔ (نقوش فکر ۲۳)

مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب نے اپنی کتاب **عرفان مذہب ومسلک** میں مذاہب باطلہ کی تردید کے تعلق سے جو رویہ اختیار کرنے کی بات کہی ہے اس سے اگرچہ جماعت کے کچھ لوگ متفق نہیں مگر سچ وہی ہے جو آپ نے فرمایا۔ اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے ضرورت ہے، وہ

لکھتے ہیں:

’’ردفرق باطلہ کا مطلب ہے احقاق حق وابطال باطل۔ اپنے موقف ونظریہ اور فکر وخیال کے اثبات کے بہت سے طُرق واسالیب ہوا کرتے ہیں جنھیں مسئلہ کی نوعیت، موقع ومحل کی مناسبت، سامع ومخاطب کے معیار کو مدنظر رکھ کر اپنا موقف ومسلک واضح وثابت کیا جاتا ہے اور غلط موقف ومسلک کو مضبوط دلائل کے ساتھ غلط اور باطل ٹھہرایا جاتا ہے۔

آج کل کے جو لوگ قلت علم ومطالعہ وناقص تجربہ ومشاہدہ کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ جب تک اپنے بیان وخطاب کے ذریعہ کسی فرقہ باطلہ کے اساطین کو بار بار خبیث مردود، کافر ومرتد نہ کہا جائے اس وقت تک ردفرقہ باطلہ کا حق ادا ہو ہی نہیں سکتا، ایسے حضرات کو اپنی غلط فہمی دور کر کے رد فرقہ باطلہ کا وہ صحیح اور مفید ومناسب طرز وطریقہ اختیار کرنا چاہئے جس سے اہل سنت کے مسلک وموقف کی صداقت وحقانیت واضح وثابت ہو سکے اور اہل باطل کے مسلک ونظریہ کا بطلان اظہر من الشمس ہو جائے‘‘ (عرفان مذہب ومسلک ص ۱۱)

مصباحی صاحب ٹیا محل کے اس چھوٹے سے کمرہ میں مقید ہو کر ہندوستانی مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے تعلق سے اسکیمیں تیار کرتے اور انھیں قعر مذلت سے نکالنے کی تدبیریں سوچتے۔ آپ نے اس کام کو بحسن وخوبی انجام دینے کے لئے جوگا بائی جیسی گھنی آبادی میں ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹۹۱ء میں تین ہزار گز پر مشتمل دار التصنیف والتالیف اور بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے منصوبے تیار کیے جو جلد ہی کچھ مخیر حضرات کے تعاون سے زمین پر پھیل گیا۔ پہلے تو ۱۹۹۷ء میں قادری مسجد اور پھر ۲۰۰۰ء میں دار القلم کے نام سے ریسرچ سینٹر اور اس کا ذیلی شعبہ الجامعۃ القادریہ کے نام سے اپنی خدمت انجام دے رہا ہے۔ اس تعلیمی کیمپس میں ایک طرف جہاں بندگان الٰہی اللہ کی عبادت وریاضت کے علاوہ طلبہ حفظ قرآن سے اپنے سینے کو منور کرتے ہیں تو دوسری طرف مصباحی صاحب اسی عمارت کے ایک گوشے میں جو’’دار القلم‘‘ کے نام سے خاص ہے، تصنیف وتالیف کے اہم فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ یہ سب کچھ کس طرح وجود میں آیا اور آپ نے یہ سب کیوں کیا، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے مصباحی لکھتے ہیں:

’’۱۹۸۲ء میں سعودی عربی سے ہندوستان میں واپسی کے بعد ملک کی بہت سی بڑی درس گاہوں نے مجھے اپنے یہاں تدریسی خدمات کی دعوت دی خود مادر علمی جامعہ شرفیہ مبارک پور جہاں سالہا سال میں تدریسی خدمات انجام دے چکا تھا، اس کے ارباب حل وعقد نے مختلف ذرائع سے بار بار اس کی پیش کش کی کہ آپ یہاں آ کر اپنا کام شروع کریں لیکن میں نے ان دعوتوں کو قبول نہ کرتے ہوئے سرزمین دہلی کا انتخاب کیا اور وہاں آ کر دہلی کے سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور ترقی پذیر مسلم علاقے میں اپنی ذاتی خرچ سے کرایہ کا ایک مکان لے کر رہائش پذیر ہو گیا اور کئی طرح کی دقتوں اور پریشانیوں کے باوجود خاموشی کے ساتھ حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے احساسات وجذبات کی پرورش کرتا رہا۔ دہلی میں قیام کا مقصد نہ تو ملازمت ہے اور نہ تجارت اور نہ محض اپنے ذاتی مفادات ومصالح کی تحصیل وتکمیل کیوں کہ یہ کام دوسرے بہت سے شہروں میں یہاں سے بہتر طریقے پر انجام دیا جا سکتا تھا اور میرے لئے کئی ایک راہیں کشادہ تھیں اور بہت سارے دروازے بھی کھلے ہوئے تھے۔ دہلی ہندوستان کا دل اور اس کا مرکزی مقام ہے اور یہاں سے اٹھنے والی ہر آواز پورے ملک پر اثر انداز ہوتی ہے اور اذہان وقلوب اس سے مسخر ومسحور ہو جاتے ہیں۔ ابتدا ہی سے میرے سامنے ایک عظیم الشان منصوبہ اور مستقبل کے بلند عزائم تھے جنھیں میں دہلی میں رہ کر پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتا تھا۔ غالباً اسی منصوبے کی طرف پیش قدمی کا اب مناسب وقت قریب بھی آ چکا ہے جس کی تمہید اور ذہن سازی کا فریضہ ماہنامہ ’’حجاز جدید‘‘ دہلی تین سال سے انجام دے رہا ہے۔

اس وقت میرے سامنے کام کا جو نقشہ ہے اُسے مختصر الفاظ میں کاغذ کے صفحات پر اتارنے کی کوشش کر رہا ہوں یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ صرف میرا نقطۂ نظر نہیں بلکہ قوم کے مچلتے ہوئے جذبات کی سچی عکاسی اور اس کی صحیح نمائندگی ہے اور اُسے پڑھ کر آپ کی خاموش زبان بول اٹھے گی کہ آپ نے ہمارے دل کی بات کہہ دی۔ ہمارے بے تاب آرزو ودل کو الفاظ کا جامہ پہنا دیا اور ہمارے ساکت کاروان فکر وعمل کی رگوں میں آپ نے خون زندگی دوڑا دیا۔

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی | ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

اللہ کا ہزار ہزار شکر واحسان ہے کہ دار القلم کے لئے چند مخلصین مسلمانان اہل سنت ذاکر نگر نئی دہلی نے تقریباً تین ہزار گز زمین کا انتظام کر دیا ہے

اوران کے اشتراک وتعاون سے باؤنڈری کی تعمیر کا پہلا مرحلہ درپیش ہے، جلد ان شاء المولیٰ تعالیٰ باقاعدہ نقشہ کے مطابق دیگر تعمیرات کا بھی آغاز ہو جائے گا۔سبھی منصوبوں کی تکمیل کے لئے ایک لمبی مدت درکار ہے جس کے لئے کوئی ضروری نہیں کہ جولوگ اس وقت سامنے آئیں انھیں کے ہاتھوں سارا کام مکمل ہوجائے آنے والی نسل بھی اگراس مقصد میں کامیاب ہوجائے تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری کوششیں بارآور ثابت ہوئیں۔اس منصوبے کی تکمیل کے لئے مسلسل تگ ودو کی ضرورت پیش آئے گی اوراس کی اصحاب خیر کو متوجہ کرنے کے لیے مسلم معاشرہ کے بااثر افراد کا عملی اشتراک وتعاون بھی درکار ہے۔علمائے کرام وائمہ عظام خلوص دل سے اس کی سرپرستی کریں اوراسے اپنا دینی وملی فریضہ سمجھتے ہوئے دلچسپی وسرگرمی کا مظاہرہ کریں تو دس پانچ سال کے اندراندر ہی خاطرخواہ کامیابی حاصل ہوسکتی ہے اوریہ خواب مستقبل قریب میں کسی حدتک شرمندۂ تعبیر ہوجائے گا اِن شاءاللہ

مجھے یقین ہے کہ بیدارمغز نوجوان علماءخصوصیت کے ساتھ دارالقلم کے عظیم الشان منصوبہ کواپنی آرزوؤں کا مرکز قراردیں گے اوروہ اس کی تکمیل کے لئے اپنی ہرممکن خدمات پیش کریں گے۔اس سلسلے میں اصحاب فکرونظر کے مفید مشوروں کا بھی خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کیاجائے گا۔ان سے گذارش ہے کہ پہلی فرصت میں اپنے خیالات وتاثرات سے آگاہ فرمائیں۔آخرمیں قومی وملی درد رکھنے والے سبھی مخلص حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اپنے حلقۂ اثرمیں جس حدتک تعاون کے لئے تیارہوں اس سے آگاہ فرمائیں اورکل کا انتظار کیے بغیر آج ہی اوردل ودماغ اورقلم وقدم کوحرکت وعمل سے روشناس کرائیں کیوں کہ

جس قوم کی تقدیر میں امروزنہیں ہے وہ قوم نہیں لائق ہنگامۂ فردا

(ماہنامہ حجاز جدیدص ۶۰ فروری ۲۹۹۲ء)

مصباحی صاحب نے دارالقلم کے احاطے میں جن ذیلی اداروں کامنصوبہ بنایاتھا،ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

(۱) برکاتی لائبریری(۲) اسلامک ریسرچ اکیڈمی (۳) دار التصنیف والتالیف(۴)دار الترجمہ (۵) ٹریننگ سینٹر (۶) دار الاشاعت (۷)میگزین(۸)سمینارہال(۹)مطالعۂ مذاہب(۱۰)دعوت واصلاح (۱۱)رابطہ علمائے ہند(۱۲)عالمی رابطہ سینٹر(۱۳)مہمان خانہ ۱۴۔قادری مسجد

جب دارالقلم جس کاتعلق تصنیف وتالیف سے تھابن کرتیار ہوگیااورمصباحی صاحب اس میں بیٹھ کر پرورش لوح وقلم میں مصروف ہوگئے اور اپنے افکارونظریات کوقرطاس وقلم کی زینت بناکرزیورطبع سے آراستہ کرنے لگےتو اہل علم کی جانب سے مبارکبادیوں کا نہ تھمنے والاسلسلہ شروع ہو گیا۔اس موقع سے مولاناڈاکٹرسیدشمیم گوہرڈائرکٹرعالمی نعت اکیڈمی الہ آبادنے ''وقت راباشدمبارک تحفۂ دارالقلم'' کےعنوان سے ایک نظم لکھی جس کے کچھ اشعارذیل میں نقل کیے جارہے ہیں:

باعث صد فخر ایں منصوبۂ دار القلم — وقت را باشد مبارک تحفۂ دار القلم
جراتِ مردانہ ، عزم پُرضیا بر تو فدا — مرحبا یٰسیں ترا منصوبۂ دار القلم
انقلاب نو ہویدا کرد تحریک جدید — درجہان عشق تاباں جلوۂ دار القلم
تشنگان علم وفن را مرکز کیف وسرور — جام جم نادم بہ پیش کوزۂ دار القلم
قصر شاہی چہ کنم تاج حسین من چہ کنم — آرزو دارم کہ بینم قبّۂ دار القلم
دافع جہل وستم صد راحت قلب ونظر — اے اسیر حق بیارد سائیہ دار القلم
اے خدا تکمیل تعمیر عمارت زود کن — من کہ بینم عظمت منارۂ دار القلم
ایں دعا گوہؔر کند باصدقہ شاہِ رسل — یا الٰہی خوب تابد زہرۂ دار القلم

(ماہنامہ حجاز جدید دہلی ص ۵۰ فروری ۱۹۹۲ء)

۱۹۸۵ءمیں شاہ بانوکیس کاجب معاملہ سامنے آیاتواس کی بخیہ دری کے لئے آپ اورآپ کے رفقائے کارنے بڑی جدوجہد کی اورشریعت اسلامیہ کی تحفظ وبقاکے لئے آل انڈیامسلم پرسنل کانفرنس کی تشکیل کی گئی جس کے آپ نائب صدر بنائے گئے۔بابری مسجد کے تحفظ وبقا کے سلسلے

میں بھی آپ کی جد و جہد مثبت رہی۔ اس کے علاوہ علاقائی سیاست امت مسلمہ کے سیاسی مسائل پر بھی نہ صرف آپ لکھتے رہے بلکہ اخبارات میں اپنے بیانات بھی جاری کرتے رہے، سماجی مظاہروں کو بھی تقویت بخشی جس کے پاداش میں آپ کو پولس حراست میں بھی رکھا گیا۔

آپ کی تصنیفات کا دائرہ بہت وسیع ہے درجنوں کتابیں سیکڑوں مقالات جس کے گواہ ہیں۔ آپ کی تصانیف کے متعدد ایڈیشن ہند و بیرون ہند سے شائع ہو چکے اور اُن میں بعض کے انگریزی، ہندی، بنگلہ اور گجراتی زبان میں ترجمہ بھی ہو چکے ہیں۔ آپ کی ایک تصنیف المدیح النبوی جس کا سطور بالا میں ذکر ہو چکا ہے مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب ہے لیکن آپ کی تمام تر تحریروں اور نگارشات کا محور ''اسلاف شناسی'' اور ''امت مسلمہ کے مسائل'' ہی رہے۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں علمائے ملت اسلامیہ بطور خاص علامہ فضل حق خیر آبادی کا کردار، علمائے فرنگی محل اور علمائے خیر آباد کی علمی و فکری سرگرمیاں، علمائے بدایوں کی دینی خدمات، علمائے بریلی و مارہرہ کے روحانی کارنامے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی فکری کاوشیں ہر موضوع پر آپ کی ایسی نگارشات موجود ہیں جو ملت اسلامیہ کے تمام طبقہ میں قابل قبول ہیں۔ مصباحی صاحب اپنی اسی اصابت رائے کی بنیاد پر ہند و بیرون ہند کے علمائے حق کے درمیان محترم سمجھے جاتے رہے جس کے باعث آپ نے پاکستان، لیبیا اور جنوبی افریقہ کے شہروں میں منعقد ہونے والی متعدد کانفرنسوں میں شرکت کی اور اپنے زریں خیالات کا اظہار کیا۔

یٰسین اختر مصباحی صاحب کی دلچسپی ہمیشہ اسی بات سے رہی کہ امت مسلمہ کے سیاسی مسائل کو کیسے حل کیا جائے اور جو تنظیمیں ان کے اس مشن کے فروغ میں کام کرتیں ان کا دل کھول کر ساتھ دیتے۔ اس کام کے لئے مہینوں دار العلوم وارثیہ لکھنو اور رضا اکیڈمی ممبئی میں قیام پذیر رہتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب دار العلوم وارثیہ لکھنؤ میں علامہ فضل حق خیر آبادی پر نیشنل سیمینار کا انعقاد عمل میں آیا تھا جس میں راقم السطور بھی موجود تھا۔ اسی سیمینار کے موقع سے یہ طے ہوا تھا کہ یہ سال مجاہدین آزادی کے نام سے منایا جائے چنانچہ جگہ جگہ مجاہدین آزادی کے تعلق سے جلسے، جلوس اور سیمینار منعقد کرائے گئے جس میں مصباحی صاحب نے کلیدی رول ادا کیا۔ مصباحی صاحب نے ان کی زندگی اور مجاہدانہ سرگرمیوں کے حوالہ سے ایک نہیں کئی ایک کتابیں بھی لکھیں جس میں ان حقائق کو آشکار کیا جن سے آج کا نوجوان طبقہ نابلد تھا، اور ہے۔ علمائے انقلاب۔ ۱۸۵۷ء، انگریز نوازی کی حقیقت، انقلاب ۱۸۵۷ء پس منظر و پیش منظر جیسی اہم کتابیں اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ آپ کے نوک قلم سے مختلف موضوعات پر جتنی کتابیں منصۂ شہود پر آئیں ان کی ایک فہرست ذیل میں دی جارہی ہے:

۱۔ اصلاح و فکر و اعتقاد ۲۔ آفتاب و ماہتاب ۳۔ امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں ۴۔ امام احمد رضا اور تحریکات جدیدہ ۵۔ امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات ۶۔ امام احمد رضا کی فقہی بصیرت ۷۔ امام احمد رضا کی محدثانہ عظمت ۸۔ امام احمد رضا کے وصایا پر اجمالی نظر ۹۔ امام احمد رضا اور جدید افکار و نظریات ۱۰۔ امام احمد رضا اور فقہ حنفی ۱۱۔ معارف کنز الایمان ۱۲۔ معارف شارح بخاری ۱۳۔ اویس زماں شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی ۱۴۔ مجاہد ملت کی مجاہدانہ عزیمت ۱۵۔ تین برگزیدہ شخصیتیں ۱۶۔ علمائے اہل سنت کی بصیرت و قیادت ۱۷۔ ترجمہ الفوز الکبیر مصنف شاہ ولی اللہ دہلوی ۱۸۔ نقوش فکر ۱۹۔ ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء ۲۰۔ قائدین تحریک آزادی ۲۱۔ قائد انقلاب علامہ فضل حق خیر آبادی ۲۲۔ جنگ آزادی انقلاب ۱۸۵۷ء منظر و پیش منظر ۲۳۔ علامہ فضل حق اور انقلاب ۱۸۵۷ء ۲۴۔ انگریز نوازی کی حقیقت ۲۵۔ آیات جہاد کا قرآنی مفہوم ۱۶۔ قرآن اور جہاد ۱۷۔ بابری مسجد کی شہادت اور تعمیر نو ۱۸۔ سنگھ پریوار کا اکیس نکاتی فارمولہ ۱۹۔ تعارف اہل سنت ۲۰۔ عرفان مذہب و مسلک ۲۱۔ گنبد خضریٰ ۲۲۔ جشن عید میلاد النبی ۲۳۔ خصائص رسول ۲۴۔ نقوش راہ ۲۵۔ موئے مبارک ۲۶۔ مسائل توسل و زیارت ۲۷۔ تین طلاق کا شرعی حکم ۲۸۔ مسلم پرسنل لا کا تحفظ ۲۹۔ پیغام عمل ۳۰۔ خاک حجاز ۳۱۔ ہم اور ہمارا ہندوستان ۳۲۔ ہندتوا اور ہندوستانی مسلمان ۳۳۔ سواد اعظم ۳۴۔ تذکار خواجہ اجمیر ۳۵۔ بارگاہ خواجہ میں امام احمد رضا کی حاضری ۳۶۔ تین طلاق اور حکم شریعت ۳۷۔ تصوف اور سیاست ۳۸۔ علمائے فرنگی محل ۳۹۔ تعارف دار القلم ۴۰۔ تعارف الجامعۃ الاشرفیہ ۴۱۔ اہالیان نجد و حجاز کا تاریخی جائزہ ۴۲۔ تجویز انہدام گنبد خضریٰ کا تاریخی پس منظر ۴۳۔ خلیج کا بحران ایک تحقیقی جائزہ ۴۴۔ امریکی اہانت قرآن ۴۵۔ عمرانہ اور مسئلہ مصاہرت ۴۶۔ عرفان حقائق (مذہب اہل سنت و فقہ حنفی کے رہنما (اصول) وغیرہ

علامہ مصباحی صاحب نے صرف کتابیں اور مقالات ہی نہیں سپرد قلم کیے بلکہ ہندوستان میں قائم کئی ملی، سیاسی اور مذہبی تنظیموں کی سرپرستی بھی فرمائی اور کئی ایک تنظیمیں خود آپ کی جد وجہد سے بھی وجود میں آئیں جن کے پلیٹ فارم سے آپ نے ملت کی فلاح وبہبود کا کارنامہ انجام دیا۔ ایسی تنظیموں کی ایک فہرست ذیل میں دی جارہی ہے جن سے بحیثیت ایک ذمہ دار کے آپ کی وابستگی رہی:

۱۔ بانی رکن المجمع الاسلامی مبارک پور (قائم شدہ ۱۹۷۶ء)
۲۔ نائب صدر کل ہند مسلم پرسنل لا کانفرنس (قائم شدہ ۱۹۸۵ء)
۳۔ بانی ومہتمم دار القلم دہلی (قائم شدہ ۱۹۹۱ء)
۴۔ محرک جامعۃ الفرقان گوونڈی ممبئی (قائم شدہ ۱۹۹۴ء)
۵۔ بانی رکن مسلم کنونشن اتر پردیش (قائم شدہ ۱۹۹۵ء)
۶۔ محرک دار العلوم قادریہ غریب نواز لیڈی اسمتھ ساؤتھ افریقہ (قائم شدہ ۱۹۹۷ء)
۷۔ بانی وصدر مسلم مشاورتی بورڈ (قائم شدہ ۱۹۹۸ء)
۸۔ بانی وصدر مسلم فاؤنڈیشن لکھنؤ (قائم شدہ ۱۹۹۹ء)
۹۔ رکن درگاہ کمیٹی اجمیر شریف (نومبر ۱۹۹۷ء تا نومبر ۲۰۰۰ء)
۱۰۔ سرپرست اہل سنت اکیڈمی ذاکر نگر (جون ۲۰۰۳ء سے تاحیات)
۱۱۔ بانی رکن المجمع الاسلامی ملت نگر مبارک پور
۱۲۔ ناظم تعلیمات مدرسہ اسلامیہ بیت العلوم خالص پور قصبہ ادری ضلع مئو
۱۳۔ رکن مجلس شوریٰ مدرسہ ضیاء العلوم قصبہ ادری ضلع مئو
۱۴۔ رکن مجلس شوریٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ

مصباحی صاحب متعدد بار حج وزیارت سے بھی مشرف ہوچکے ہیں۔ ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۴ء کے درمیان آپ نے متعدد حج ادا کیے۔ اس کے علاوہ امام اہل سنت حضرت علامہ شاہ احمد رضا فاضل بریلوی (وفات ۱۹۲۱ء) کے فرزند گرامی ذی المجد والمعالی تاجدار اہل سنت مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مفتی محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری بریلوی (وفات ۱۹۸۱ء) علیہ الرحمۃ والرضوان سے بیعت کا شرف بھی حاصل کیا اور فضیلۃ الشیخ سید محمد بن علوی بن عباس المالکی المکی علیہ الرحمۃ والرضوان سے کئی سلاسل کی اجازت اور اسانید کی سعادت بھی حاصل ہوئی ہے۔

آپ سے استفادہ کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے مگر جن طلبہ نے علم وفن اور دین حق کی نشر واشاعت میں نمایاں خدمات انجام دیں، ان میں درج ذیل حضرات بطور خاص قابل ذکر ہیں:

۱۔ راقم السطور پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم (صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ یافتہ)
سابق ڈین کلیہ انسانی وسماجی علوم وسابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ ہمدرد نئی دہلی۔ ۶۲
۲۔ مولانا معین الحق علیمی (وفات ۲۰۲۱ء) صدر اعلیٰ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی ضلع بستی
۳۔ مولانا محمد حنیف خاں رضوی ڈائرکٹر امام احمد رضا اکیڈمی، باقر گنج بریلی
۴۔ مولانا صغیر احمد جوکھن پوری بانی وسربراہ الجامعۃ القادریہ رچھا بریلی۔ ۵۔ مولانا مفتی مجاہد حسین مصباحی دار العلوم غریب نواز الہ آباد یوپی
۶۔ مولانا قمر الحسن قمر بستوی خطیب وامام مسجد النور ہوسٹن (امریکہ) ۷۔ حضرت مولانا سید علیم الدین مصباحی (ساؤتھ افریقہ)
۸۔ مولانا فتح احمد مصباحی عیش بستوی (ساؤتھ افریقہ)۔ ۹۔ حضرت مولانا حافظ عبد المجید رضوی مصباحی ممبئی
۱۰۔ مولانا محمد علی فاروقی رائے پوری، چھتیس گڑھ۔ ۱۱۔ مولانا محمد حسین ابو الحقانی، مدھوبنی، بہار
۱۲۔ مولانا بدر عالم مصباحی پرنسپل جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔ ۱۳۔ مولانا شفیق الرحمٰن عزیزی سربراہ اعلیٰ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی (ہالینڈ)
۱۴۔ مولانا فروغ احمد اعظمی سابق پرنسپل دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی۔ ۱۵۔ مولانا سید آل رسول حبیبی، بھدرک اڑیسہ
۱۶۔ مولانا مرشد القادری سابق پرنسپل مدرسہ مدینۃ العلم بھدوہی یوپی۔ ۱۷۔ مولانا نظم علی مصباحی پرنسپل مدرسہ عربیہ، مرزا پور
۱۸۔ مولانا عین الدین چشتی خانقاہ چشتیہ شیخوپورہ، نوادہ (بہار)۔ ۱۹۔ مولانا احمد القادری مصباحی (امریکہ)
۲۰۔ مولانا نصیر الدین حیدر آبادی (کراچی) وغیرہم

حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی سے منسوب عربی، اردو زبان میں نثر نگاری کے علاوہ نعت ومناقب کے اشعار اور نظمیں بھی ملتی ہیں۔ علامہ فضل حق خیر آبادی اور امام احمد رضا فاضل بریلوی کے تعلق سے مناقب بھی لکھے ہیں، جامعہ اشرفیہ کا ترانہ بھی آپ نے لکھا ہے۔ ایک زمانے میں

اشرفیہ کا ترانہ میں بھی لکھ رہا تھا لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ اشرفیہ کا ترانہ پہلے سے ہی موجود ہے تو پھر میں نے اس ترانہ کا رخ اور کسی دوسرے مدرسہ کی طرف موڑ دیا۔

حضرت مصباحی کا وصال دہلی میں ۱۶ر شوال ۱۴۴۴ھ مطابق ۷ رمئی ۲۰۲۳ء کو آل انڈیا میڈیکل سائنس (AIMS) میں شب ۹ ربج کر ۵۰ منٹ پر ہوا۔ جنازہ آبائی وطن خالص پور ضلع مئو لے جایا گیا جہاں ان کی ذاتی زمین بعد نماز مغرب قریب ۸ ربجے شب ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں تدفین عمل میں آئی۔ جنازہ کی نماز عزیز ملت حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے پڑھائی۔ اس جنازہ میں اساتذہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے علاوہ قرب وجوار کے سیکڑوں علماء نے شرکت کی اور تدفین کا یہ عمل دس بجے رات تک جاری رہا۔ **انا اللہ وانا الیہ راجعون**

کیا لوگ تھے جو راہ وفا سے گذر گئے　　جی چاہتا ہے نقش قدم چومتے چلیں

پروفیسر غلام یحییٰ انجم مصباحی (صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ یافتہ) پروفیسر ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز جامعہ ہمدرد نئی دہلی

”۔۔۔اداریہ یا تو میں لکھتا تھا یا پھر آپ لکھتے ہیں“

ہندوستان کی وہ مہتم بالشان شخصیات جن کا شمار اکابرین اہلسنت اور اساطین امت میں ہوتا ہے، رئیس التحریر، یادگار اسلاف، استاذ گرامی حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ کی ذات ستودہ صفات ان میں سے ایک تھی اور عظمت کی بات یہ ہے کہ قیادت وسیادت کا تاج زریں جو آپ کے زیب فرق تھا وہ آپ کو وراثت میں حاصل نہیں ہوا تھا بلکہ علمی تبحر، فکری کمال اور دین متین کی ہمہ جہات خدمات کے سبب قیادت وسیادت کے شہ نشین نے آپ کو اپنی پلکوں پر لیا، عزت وعظمت کے تاج نے آپ کی جبین سعادت کو بوسہ دیا اور مسلمانان ہند نے آپ کو اپنا رہبر ورہنما تسلیم کیا۔ جگر مراد آبادی کی زبانی

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہل دل　　ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا

استاذ گرامی حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب قبلہ صاحب فضیلت نہیں بلکہ مجمع الفضائل والکمالات تھے۔ آپ متدین عالم دین، با کمال مدرس، حق گو صحافی، صاحب طرز ادیب، شریف النفس خطیب، ممتاز ناقد، بے مثال محقق، کثیر التصانیف صاحب قلم، ہزار ہا علما وفضلا کے استاذ ومربی، ذی استعداد اور قابل افراد کی ذہن سازی کر کے انہیں خدمت لوح وقلم پر لگانے والے نباض قوم وملت اور جہاں بانی سے دور کارِ جہاں بینی میں ہمہ تن مصروف رہنے والے مدبر امت وخیر خواہ اہل سنت تھے۔

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی　　جگر خوں ہوں تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ حضرت علامہ یسین اختر مصباحی صاحب قبلہ رحمہ اللہ ہر فن مولا تھے، انہوں نے علم وفن اور دعوت و تبلیغ کے جس میدان میں بھی قدم رکھا، اس میں بے مثال اور یکتائے روزگار نظر آئے۔ جہاں گئے وہاں علم وحکمت کا چراغ روشن ہوگیا اور جس جگہ ٹھہرے وہاں فکر وفن کی انجمن قائم ہوگئی۔

ان کا سایہ اک تجلی، ان کا نقش پا چراغ　　وہ جدھر گزرے اُدھر ہی روشنی ہوتی گئی

تدریس کی بات کیجیے تو ممدوح مکرم حضرت مصباحی صاحب قبلہ کی ذات بے مثال ثابت ہوئی، مادر علمی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی مسند تدریس کو آپ نے زینت بخشا تو ہر چہار جانب آپ کی تدریس کا غلغلہ برپا ہوگیا، ایک عرصہ تک آپ قال اللہ وقال الرسول کے نغموں سے طلبہ علوم اسلامیہ کے قلوب کو منور ومجلی کرتے رہے۔ اشرفیہ کے اکابرین آج بھی آپ کی تدریسی صلاحیت کے مداح اور قدرداں ہیں۔ آپ کی اعلی تدریسی صلاحیت ہی کا نتیجہ ہے کہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی مسند تدریس کو الوداع کہے زمانہ گزر گیا، اس درمیان ہزار ہا طلبا آئے گئے لیکن مصباحی صاحب رحمہ اللہ کی عظمت تدریس کا شہرہ کم نہ ہوسکا۔ آج بھی جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں پڑھنے والے ابتدائی درجات کے طلبہ بھی دہلی والے حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی

صاحب کے مناقب فاخرہ سے ضرور آگاہ ہوتے ہیں اور اُن کی بارعب علمی وفکری شخصیت سے بے حد متاثر نظر آتے ہیں۔

تحریر وقلم کے تو حضرت مصباحی صاحب قبلہ رحمہ اللہ شہنشاہ تھے۔زبان و بیان کی پاکیزگی، فکر وخیال کی بالیدگی، انداز واسلوب کی عمدگی اور علم وتحقیق کی فراوانی آپ کی تحریر کی خصوصیات سے تھیں جس کا زمانہ قائل ہے۔حق اور سچ ہے کہ خالص علمی فکری فقہی اور مذہبی عناوین میں ادبی رنگ بھرنے کا سہرا مناظر اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے بعد آپ ہی کے سر ہے۔خود اس کا اعتراف علامہ ارشد القادر رحمہ اللہ نے اِن الفاظ میں کیا تھا:

''اپنی جماعت میں اداریہ یا تو میں لکھتا تھا یا پھر آپ لکھتے ہیں'' (نقوش فکر)

حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب قبلہ کو صرف اردو زبان وادب پر ہی ید طولی حاصل نہ تھا بلکہ عربی وفارسی زبان وادب پر بھی آپ کو کامل دستگاہ تھی۔ فصیح وبلیغ عربی میں بے تکان گفتگو کی صلاحیت رکھتے۔دار العلوم قادریہ غریب نواز (ساوتھ افریقہ) کے پہلے تاریخی اجلاس میں حضرت علامہ مصباحی صاحب رحمہ اللہ راقم الحروف کی دعوت پر حاضر ہوئے تھے۔اس موقع پر ہندوستان و پاکستان کے علاوہ عرب ممالک کے عالمی شہرت یافتہ علما ومشائخ موجود تھے۔ان عظیم الشان علما ومشائخ کی موجودگی میں حضرت رئیس التحریر علیہ الرحمہ نے میری گزارش پر عربی زبان میں ایک گھنٹے تک فصاحت وبلاغت سے لبریز علمی وفکری خطاب فرمایا تھا جسے اہل علم وفضل نے تحسین کی نظروں سے دیکھا تھا۔

قیادت ورہبری کی بات کیجیے تو حضرت مصباحی صاحب قبلہ کا کردار معاصرین میں منفرد وممتاز نظر آتا ہے۔حضرت مصباحی صاحب قبلہ کا سامنا داخلی وخارجی ہر دو فتنوں سے رہا۔داخلی فتنوں کے سدباب میں بھی آپ پیش پیش رہے اور خارجی فتنوں کی بیخ کنی میں بھی آپ نے کلیدی کردار ادا کیا۔ہندوستان کے نقشے پر اٹھنے والے ہر فتنے کے سدباب کے لئے آپ پوری زندگی مستعد رہے۔تاریخ گواہ ہے کہ حکومتی سطح پر جب جب اسلام مخالف سرگرمیاں سامنے آئیں تو مصباحی صاحب اپنی سیاسی بصیرت کے ساتھ میدان عمل میں نظر آئے۔

اور سچ یہ ہے کہ جس طرح ملک کی سیاست کے اتھل پتھل میں ہندوستانیوں کی نگاہیں راج دھانی دہلی کی طرف ہوتی ہیں ویسے ہی خارجی فتنوں نے کے ظہور پر بھی اہل سنت کی نظریں دہلی کے اسی مرد قلندر کی طرف اٹھتی تھیں اور یہ مرد قلندر، ارباب اہل سنت کی توقعات کے مطابق آواز حق بلند کرتا نظر آتا تھا۔امت مسلمہ کی خاطر سیاسی میدان میں آپ کی تگ و دو نے آپ کو سیاست کے اسرار و رموز سے آگاہ کر دیا تھا۔اس طرح آپ ایک عالم وادیب ہونے کے ساتھ ساتھ عالمی منظر نامہ پر گہری سیاسی نظر رکھنے والے عظیم مدبر ورہنما بھی ہو گئے تھے۔لاریب اس دور قحط الرجال میں آپ کا سیاسی وجود کسی نعمت عظمی سے کم نہ تھا۔

۱۹۷۸ء میں راقم الحروف کا داخلہ از ہر ہند جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ہوا۔اس وقت حضرت جامعہ اشرفیہ میں شیخ الادب کے منصب جلیلہ پر فائز تھے اور سینٹرل بلڈنگ میں آپ کی درسگاہ لگتی تھی۔اسی درسگاہ میں ایک جانب آپ کا تخت اور سامان رکھا ہوتا گویا وہ درسگاہ بھی تھی اور آپ کی آرام گاہ بھی۔داخلے کے بعد مجھے آپ کی سرپرستی میں دے دیا گیا اور تقریبا دو سال تک میں اسی روم میں آپ کی خدمت میں رہا۔آپ شفقت فرماتے اور سید ہونے کا لحاظ فرماتے تھے۔اس وقت آپ کی عمر چالیس سال کے قریب رہی ہوگی لیکن عادات واطوار آپ کے بزرگوں جیسے تھے ،نماز باجماعت کے التزام کے ساتھ ساتھ سنن ومستحبات کا اہتمام فرماتے۔خوش خصال، بلند اخلاق، منکسر المزاج، وضع دار، پاکباز، متقی، پرہیز گار، تصنع سے پاک، کم سخن، کام کے دھنی، علم دوست اور ہر دل عزیز تھے۔علوم وفنون میں یکتائے روزگار ہونے کے باوجود کبھی بھی پندارِ علم کو پاس بھٹکنے نہیں دیتے بلکہ سارا فضل وکمال لباس سادگی میں چھپائے رکھتے تھے۔

حضرت مصباحی رحمہ اللہ کا شہرہ گوکہ ایک عالم دین کی حیثیت سے تھا لیکن حقیقت میں آپ ایک صوفی طبیعت انسان تھے اور آپ کے باطن پر قبضہ تصوف واہل تصوف کا تھا۔کہتے ہیں **التصوف کله ادب** تصوف کل کا کل ادب ہے اور یہ بات حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب کے اندر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود تھی۔آپ اکابرین امت کا ادب اور مشائخ طریقت کا احترام کرتے اور اپنے تلامذہ کو بھی ادب واحترام کی تلقین وتاکید فرماتے تھے۔مجھے یاد آتا ہے کہ ایک دفعہ دوران درس ایک شاگرد نے حضرت سے کہہ دیا ہے کہ حضرت! اساتذہ طلبہ پر ظلم کرتے

ہیں، اس جملے پر حضرت مصباحی صاحب سخت ناراض ہو گئے۔ کہنے والے طالب علمی کی گوش مالی کرتے ہوئے خوب جم کر انہیں ڈانٹ پلائی اور پھر نصیحت کے پیرائے میں فرمایا کہ اساتذہ والدین کی طرح اپنے طلبا پر رحیم وشفیق ہوتے ہیں، ان کی جناب میں ظلم کی اصطلاح استعمال کرنا نادانی ،حرماں نصیبی بلکہ بے باکی اور جسارت ہے، اس قسم کا جملہ طالب علم کو وہ بھی مذہبی طالب علم کے لئے روا نہیں۔

سبحان اللہ! کہنے کو تو یہ ایک بات ہے لیکن سچ یہ ہے کہ اس اظہار غضب اور نصیحت بھرے جملے سے حضرت مصباحی کی بہت سی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب رحمہ اللہ مجھ خاکسار کے استاذ تھے اور شفیق ومہربان استاذ تھے، ہمیشہ کرم فرماتے اور دعاوں سے نوازتے۔ فراغت کے بعد جب خاکساری نے ساوتھ افریقہ کی سرزمین کو اپنی دعوتی وتبلیغی مشن کا مرکز بنایا تو اس وقت بھی آپ ساوتھ افریقہ میں خادم کے مہمان بنے اور مسلسل کئی روز تک خاکسار کے گھر پر آپ کا قیام رہا، فراغت کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ جب آپ کی صحبت میں طویل وقت گزارنا نصیب ہوا، یہ آپ کے عروج کا زمانہ تھا، ہر طرف آپ کے علم وفضل اور فکر وفن کا دور دورہ تھا لیکن طبیعت میں سادگی، مزاج میں انکساری پہلے سے زیادہ تھی، اگر یہ سچ ہے کہ پھل دار درخت جھکا ہوتا ہے تو یقینا حضرت مصباحی صاحب فضل وکمال اور علم وفن کے شجر برگ بار تھے اس لئے طبعاً متواضع و منکسر تھے۔ آپ کی متواضع طبیعت نے آپ کو حلقہ اہل سنت میں مقبول ومحبوب بنا دیا تھا گویا آپ اس شعر کی چلتی پھرتی تصویر تھے کہ

زمیں کی طرح جس نے عاجزی و انکساری کی
خدا کی رحمتوں نے اس کو ڈھانپا آسماں بن کر

حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب علیہ الرحمہ سے خاکسار کی بہت سی علمی وفکری اور ذاتی یادیں وابستہ ہیں آپ کے اچانک انتقال سے دل افسردہ ہے اور وہ یادیں دل ودماغ پر چھائی ہوئی ہیں۔ آپ کا اعلیٰ کردار، بلند اخلاق، علم وفضل ،خلوص وللّٰہیت ،اہل سنت کے فروغ کے لئے نیک مشورہ اخلاص محبت، شفقت ساری باتیں یاد آرہی ہیں اور دل کو تڑپا رہی ہیں:

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں　　　اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے۔ قبر پر رحمت وانوار کی بارش فرمائے اور آپ کے امثال اہل سنت میں پیدا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین

سید محمد علیم الدین اصدق مصباحی، دارالعلوم قادریہ غریب نواز ساوتھ افریقہ

مجھ سے چھوٹے تھے لیکن میرے ہم عصر تھے

تقریباً ۱۹۷۰ء میں جامعہ اشرفیہ میں جب نائب ناظم بنا کر بلایا گیا تو، اُس وقت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب وہاں مدرس تھے۔ اسی وقت سے ان کا ہمارا رابطہ شروع ہوا۔ اس وقت مولانا افتخار احمد بھی وہاں مدرس تھے۔ چند ہی سال بعد وہ دونوں حضرات سعودی عرب چلے گئے اور ایک سال بعد واپس آ گئے۔ مولانا افتخار احمد وہاں سے ساؤتھ افریقہ چلے گئے اور مولانا مصباحی صاحب اشرفیہ نہ جا کر دہلی میں قیام پذیر ہو گئے۔

ہاں شاید کسی کو حیرت ہوگی کہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ساتھ میرا نام اور مولانا یٰسین اختر مصباحی کا نام عام طور پر لوگ یکجا دیکھتے ہیں۔ ہم لوگ فرزندان اشرفیہ میں مصباحی ہیں تو ایک ساتھ نام لکھا ہی جائے گا۔ حالاں کہ میرے نام کے ساتھ مصباحی کا لاحقہ کم ہی لوگ دیکھتے ہوں گے۔ ہر شخص اپنے مادر علمی سے گہرا تعلق رکھتا ہے تو نام ایک ساتھ لکھا ہی جائے گا۔ ہم دونوں سیاسی اور سماجی زندگی میں ایک جیسی سوچ اور یکساں حرکت وعمل سے پہچانے جاتے رہے لیکن سیاسی تحریکوں سے ہم لوگوں کا کوئی خاص گہرا تعلق نہیں تھا۔ ہاں سماجوادی پارٹی کے وجود میں آنے کے بعد جب تک ملائم سنگھ یادو اُس کے سربراہ تھے تو اس پارٹی سے وابستہ رہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کا میں تاسیسی ممبر ہوں اور مولانا مسلم پرسنل لا کانفرنس کے نائب صدر تھے۔ میرے اور مصباحی صاحب میں فکری ہم آہنگی تھی اور جو بھی مسائل سامنے آتے، اس میں پیش پیش رہتے تھے۔

اس کے علاوہ عقائدی طور پر بد مذہبوں کی تکفیر کے سلسلہ میں فاضل بریلوی نے جن شرطوں پر تکفیر فرمائی ہے، ہم لوگ اُسی کے قائل

رہے۔ مطلب یہ کہ اعلیٰ حضرت نے تکفیر اُسی وقت کی ہے جب کفری عبارتوں میں کوئی بعد اطلاع عام وبغیر فہم کامل، ان عبارتوں کے، اس کو سمجھ لیں۔ جو صحیح سمجھے اور ہٹ دھرمی کرے اس کی تکفیر ہوگی نہ یہ کہ ہر اس شخص کی تکفیر کردی جائے جو اُن عبارتوں کو جانتا بھی نہ ہو اور ان مسائل کو سمجھتا بھی نہ ہو۔ اس معاملے میں ہم دونوں اعلیٰ حضرت کے پابند رہے۔

سب سے پہلے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ لکھنؤ، سنی سینٹرل وقف بورڈ کے حالات اچھے ہوئے اور ملائم سنگھ یادو نے بھری محفل میں اعلان کیا کہ بستوی جس کو کہیں گے، اسی کو ہی اس کا سی ای او بنایا جائے گا اور عمل درآمد بھی کیا گیا جس کی لمبی تفصیل ہے۔ اسی مسئلہ پر چار باغ رویندر لا یہ میں جلسہ ہو رہا ہے۔ ایک مشہور نامہ نگار نے مجھ سے پوچھا کہ اگر ملائم سنگھ یادو آپ کے مطالبات مان لیں تو آپ اپنی تحریک کو ختم کردیں گے؟ میں نے کہا بالکل۔ جب وہ ہماری بات مان لیں گے تو ہم کیوں تحریک چلائیں گے۔ اس پر نامہ نگار موصوف سخت برہم ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے بارہا دیکھا ہے کہ جب آپ کوئی مطالبہ کرتے ہیں اور جب وہ منظور ہو جاتا ہے تو بھی تحریک واپس نہیں لیتے تو میں نے ہنس کر کہا کہ آپ جیسے عقل مند لوگ مطالبات کی منظوری کے بعد بھی تحریک چلاتے ہوں گے جو عقل سے بعید اور سمجھ سے دور ہے۔ دار القلم میں جو، اب تک خدمات کی ہیں وہ قابل ستائش ہیں اور میری خواہش ہے کہ اُنھی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جماعت اہل سنت کے صاحبان قلم دار القلم کو روز بروز ترقی دینے میں لگے رہیں اور جس نہج سے مصباحی صاحب نے تحریریں قوم کے سامنے پیش کی ہیں ان میں روز بروز اضافہ کرتے رہیں۔ یہ ان کے لئے سچا خراج عقیدت بھی ہوگا۔

مصباحی صاحب مجھ سے ۲۰۔۱۸ سال چھوٹے تھے لیکن بالکل میرے ہم عصر معلوم ہوتے تھے۔ جب وہ جامعہ اشرفیہ تشریف لاتے تو قیام میرے ہی پاس ہوتا تھا۔ ۱۹۹۱ء میں جب میں ملائم سنگھ یادو کی پارٹی سے ایم ایل سی کا الیکشن لڑا تھا تو اس میں بھی انہوں نے سیاسی دلچسپی دکھائی اور دو ہفتہ مہنداول میں رہ کر الیکشن بھی دیا تھا۔ ماہ نامہ حجاز بہت ہی وقیع ماہنامہ تھا کچھ دشواری کی وجہ سے مل نہیں چل سکا۔ اس کے مضامین یادگار ہیں۔ حافظ قمر الدین صاحب والا ماہ نامہ بھی یادگار رہے جس کے مصباحی صاحب ایک زمانے تک مدیر تھے۔

(۶) مصباحی صاحب کا انتقال جماعت کا ناقابل نقصان ہے جن کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اب اس جگہ کو پر کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ افسوس ہے کہ مہینوں پہلے ان سے بات ملاقات ہوئی، میری بھی طبیعت ایسی نہیں کہ پہلے کی طرح سفر کے لئے نکل پڑیں۔ اخیر وقت میں ملاقات نہیں کر سکے اور عیادت کرنے کی مہلت میسر نہیں آئی لیکن ملاقات تو بہر حال ہو کر رہے گی۔

(مولانا) محمد ادریس بستوی، مہنداول، سنت کبیر نگر، (نائب ناظم جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

گفتگو کا خلاصہ (زیادہ تر اُن کے الفاظ میں منظور الحق جلال نظامی

مولانا یاسین اختر مصباحی اپنے حسنات کی بدولت ہمیشہ زندہ رہیں گے

رئیس التحریر حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کا سانحۂ ارتحال ایک ناقابل تلافی نقصان کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ محض عالم دین ہی نہیں بلکہ اردو کی مذہبی صحافت کے سرخیلوں میں سے ایک تھے۔ ان کی بیش بہا مذہبی تصنیفات مقدار کے ساتھ ہی اپنا ایک اعلیٰ معیار بھی رکھتی ہیں۔ اہل سنت والجماعت کی تحریک، تاریخ اور عقائد پر اُن کی تحریریں لاجواب بھی ہیں اور لازوال بھی۔ فاضل بریلوی امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ پر انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اور جس جس پہلو پر لکھا وہ انتہائی قابل قدر ہے۔ موصوف ان کے سچے پیروکاروں اور معتقدین میں سے تھے لیکن وہ ان کی تحریک کو کسی ایک شہر سے معنون کرکے لئے تیار نہیں تھے بلکہ اس کو اسلامی تاریخ میں اس تسلسل کا حصہ مانتے تھے جو کہ اسلام کی روح کی حیثیت سے جاری وساری رہی ہے۔

انہوں نے ماہ نامہ ''حجاز جدید'' اور ماہ نامہ کنز الایمان کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے جو خدمات انجام دی ہیں، وہ ناقابل فراموش ہیں۔ کنز الایمان کو تو آپ نے تحریک اہل سنت کا جیتا جاگتا ترجمان بنا دیا تھا اور آج بھی وہ اس شناخت کو باقی رکھے ہوئے ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا

ہے کہ وہ نرے مولوی نہیں تھے بلکہ ملت اسلامیہ ہند کے ایک نقیب وترجمان تھے جوحق کی سربلندی اور ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود سے کبھی غافل نہیں رہے۔ وہ محض قلم ہی کے دھنی نہیں بلکہ ادارہ ساز بھی تھے۔ نئی دہلی کے ذاکرنگر میں اُن کا قائم کردہ ادارہ ''دارالقلم'' ملی، دینی اور تدریسی سرگرمیوں کا ایک ایسا مرکز ہے جواُن کی بیدار مغزی اور قلبی لگاؤں کا آئینہ دار ہے۔

حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی اس کے باوجود کہ وہ ایک خاص مسلک ومشرب سے وابستہ تھے لیکن ان کے یہاں جو توسع اور شخصیت کا فکری وعملی توازن پایا جاتا تھا، وہ غیر معمولی تھا۔ یہ بات میں اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں کیوں کہ مجھے ان کے ساتھ نہ صرف جامعہ نگر میں رہنے اور اکثر ملنے کا موقع ملا بلکہ درگاہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کی منتظمہ کمیٹی میں بھی پانچ سال رہنے کا موقع ملا جہاں حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب کی موجودگی سے جب کبھی کوئی پیچیدہ مسئلہ سامنے آتا تو اُن کو حل کرنے میں ان کی رائے اور مشورے بہت کارآمد ہوتے۔ وہ ہر مسئلے کا ایسا حل پیش کرتے جو سب کے لئے قابل قبول ہوتا اور شریعت وطریقت کے معیار پر بھی پوری طرح کھرا اترتا۔ ملت اسلامیہ ہند پر جب بھی کوئی ناگہانی آفت آپڑی تو وہ بغیر کسی مسلکی تفریق وامتیاز کے پوری جرأت وہمت کے ساتھ سوادِ امت کی آواز بن جاتے۔

جو آیا ہے، وہ جائے گا۔ موت کا ایک دن سب کے لئے معین ہے، اس لئے حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی کو بھی ان کے رب نے اپنے پاس بلا لیا لیکن ان کی موت کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ''عالم کی موت عالم کی موت ہوتی ہے'' لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جسم کی موت کوئی موت نہیں ہوتی۔ جسم مرجانے سے انسان نہیں مرتا۔ مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب کے حسنات اتنے ہیں کہ وہ انہیں ہمارے بیچ ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔

خدائے بزرگ وبرتر سے دعا ہے کہ وہ اپنے محبوب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقے وطفیل میں انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ ان کے پسماندگان اور معتقدین کو صبر جمیل عطا فرمائے بلکہ ان کی علمی ودینی وراثت وفراست کو آگے بڑھانے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ آمین یا اللہ العالمین

پروفیسر اختر الواسع، سابق وائس چانسلر، مولانا آزاد یونیورسٹی، جودھ پور۔ پروفیسر ایمرٹس ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ

مولانا یٰسین اختر مصباحی ایک بلند پایہ مفکر

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ہر عالم دین اہل قلم نہیں ہوتا اور ہر اہل قلم عالم دین نہیں ہوتا۔ ایسے خوش نصیبوں کی تعداد بہت کم ہے جو عالم دین بھی ہوں اور صاحب تحریر وتصنیف بھی۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی کا شمار ایسے ہی خوش بختوں میں ہوتا ہے جو ایک وسیع المطالعہ عالم دین، ممتاز دانشور اور بلند پایہ مفکر ہونے کے ساتھ ہی درجنوں کتابوں کے مصنف ومؤلف کی حیثیت سے آفاقی شہرت کے حامل ہوئے اور جن کی بنیاد پر اہل علم ودانش نے ان کو ''رئیس التحریر'' کا لقب دیا جس کی موزونیت وصداقت پر زمانے نے اپنی مقبولیت کی مہر لگادی۔ ان کی تحریروں میں موضوعات کا بڑا تنوع ملتا ہے مگر ''رضویات'' سے ان کو خصوصی دلچسپی رہی ہے مگر افکارِ رضا کی ترویج واشاعت سب سے بڑا مشن اور اہم نصب العین رہا ہے۔ اس موضوع پر مقدار اور معیار دونوں لحاظ سے انہوں نے جتنا کام کیا ہے کسی اور ہندوستانی عالم واہل قلم کے نامۂ اعمال میں اس کا پاسنگ بھی نہیں ملتا۔ پورے برصغیر کے علمائے دین اور مصنفین کے حوالے سے گفتگو کی جائے تو پروفیسر مسعود احمد مظہری علیہ الرحمہ سب سے بڑے ''ماہر رضویات'' کی حیثیت سے جانے اور پہچانے گئے اور اُن کے بعد بلاخوف تردید مولانا یٰسین اختر مصباحی کو ایک ''ماہر رضویات'' کی حیثیت سے تسلیم کرلیا گیا ہے، اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے — تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

یوں تو ان کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن یہاں ان سب کا احاطہ ومطالعہ مقصود نہیں۔ سر دست میں ان کی کتاب ''امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات'' کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو، رضویات کے موضوع پر ایک زبردست پیش کش ہے۔ ایک ایسے دور میں جب امام احمد رضا علیہ الرحمہ کو اُن کے مذہبی حریف ''مجدد البدعات ومنکرات'' کہہ کر بدنام کررہے تھے اور ایک فقیہ اسلام کی حیثیت سے ان کی بے مثل خدمات کو نظرانداز کررہے تھے اور ان کے تجدیدی کارناموں پر پردے ڈالنے کی کوشش کررہے تھے۔ ایسے پراگندہ ماحول میں ع جس قیس کوئی اور نہ آیا بروئے کار

یعنی دین وسنیت کے پر جوش مجاہد، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے سچے شیدائی وسپاہی اور مسلکی غیرت وجماعتی حمیت کے پیکر حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی میدان عمل میں کود پڑے اوران کے خامۂ زرنگار نے وہ شاندار کارنامے انجام دیئے جس کی ان کے ہم عصروں میں کوئی مثال نہیں ملتی۔انہوں نے ''امام احمد رضا اور ردِ بدعات ومنکرات'' نامی کتاب لکھ کر مخالفین کا ناطقہ بند کردیا، ان کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور کردیا پھر ہر طرف ''فکر رضا'' کا اجالا پھیل گیا۔ہندوستان وپاکستان کے علمی اور دینی حلقوں میں اس کتاب کا پر جوش خیر مقدم ہوا۔آج بھی اس کا شمار زندہ وپائندہ کتابوں میں ہوتا ہے۔اس کتاب کی زبان اتنی پاکیزہ اور اسلوب تحریر ایسا سنجیدہ وشریفانہ ہے جس کی داد اغیار نے بھی دی اور اپنوں میں جو لوگ ''کورِ مادر زاد'' تھے، یا ہیں ان کو اس کتاب کی اہمیت وافادیت کا احساس تک نہیں ہوا۔ٹھیک ہی کہا گیا ہے:

ع آنکھیں اگر ہوں بند تو پھر دن بھی رات ہے

اس کتاب کے علاوہ حضرت مصباحی نے ''امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں'' جیسی گراں قدر کتاب لکھ کر ''رضویات'' کے سرمائے میں قیمتی اضافہ کیا جس کی بدولت امام احمد رضا کی عالمانہ عظمت وفقیہانہ اہمیت اہل مدارس کے علاوہ عصری دانش گاہوں تک پہنچ گئی اور اس طرح رضا شناسی، کا عرفان عام آگیا۔اسی طرح حضرت مصباحی نے سواد اعظم اہل سنت کا تعارف بھی بڑے عالمانہ انداز میں کرا کر ہندو پاک کے علمی، ادبی حلقوں تک پہنچا دیا۔اس کتاب کی بھرپور پذیرائی ہوئی۔

مقصود نگارش یہ کہ جو شخص امام احمد رضا کا اتنا بڑا عاشق زار، ان کے مسلک ومشن کا علمبردار، حافظ ملت کے فیضان نظر اور مکتب کی کرامت کی پیداوار، حضرت مفتی اعظم ہند جیسے ولی کامل کا مرید ومعتقد ہو، اس کو ندوی المسلک قرار دے کر مطعون کرنا کس قدر بختی اور عاقبت فروشی کی دلیل ہے، محتاج بیان نہیں۔ جہاں تک ان کی ندویت کا تعلق ہے تو عرض ہے کہ خود حافظ ملت علیہ الرحمہ نے عربی ادب کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ان کو اور ان کے رفقائے جماعت کو ندوہ بھیجا تھا۔اسی طرح حضرت مصباحی کو جو لوگ ندوی اور صلح کلی قرار دیتے ہیں اُن کی پرزور مذمت ہونی چاہیے کیوں کہ وہ بالکل ہوا میں تیر اندازی کر رہے ہیں، ان کے فکر ونظر کی کوئی اصل واساس نہیں، خدا اُن کو اچھی سمجھ دے۔ جہاں تک میں نے حضرت مصباحی کے مخالفین ومعاندین کو سمجھا ہے ان کو مصباحی صاحب کی کتاب ''عرفان مذہب ومسلک'' نے بطورِ خاص آتش زیر پا کردیا ہے۔اس کتاب کا محض سرسری اور سطحی مطالعہ کرتے وقت ان کو عبارت ذیل بہت خطرنا معلوم ہوئی:

''آج کل جو لوگ قلت علم ومطالعہ اور ناقص تجربہ ومشاہدہ کی وجہ سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ جب تک اپنے بیان وخطاب کے ذریعہ کسی فرقۂ باطلہ کے اساطین کو بار بار خبیث، مردود، کافر ومرتد نہ کہا جائے اس وقت تک ردفرقۂ باطلہ کا حق ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ایسے حضرات کو اپنی غلط فہمی دور کر کے ردفرق باطلہ کا وہ صحیح اور مفید ومناسب طرز وطریقہ اختیار کرنا چاہیے جس سے مسلک اہل سنت کے مسلک وموقف کی حقانیت وصداقت واضح وثابت ہوسکے اور اہل باطل کے مسلک ونظریے کا بطلان اظہر من الشّمس ہو جائے۔'' (ص ۱۱، عرفان مذہب ومسلک، طبع اول)

میرے نزدیک ہی نہیں تمام صحیح الفکر علما ومشائخ اور دانشوروں کی نظروں میں عبارت بالا بالکل بے غبار اور نظر افروز ہے۔یہ کوئی منطق کی کتاب نہیں، صاف وسلیس اردو میں یہ مخلصانہ پیغام دیا گیا ہے کہ اپنے مذہبی حریفوں کا ابطال کرتے وقت بھرپور دلائل وبراہین پیش کیا جائے مگر طرز بیان بالکل مثبت اور شریفانہ ہونا چاہیے تاکہ قارئین وسامعین مسلک اہل سنت اور بدعقیدوں کے مسلک میں کیا فرق ہے، ٹھیک سے سمجھ لیں۔ آغاز گفتگو میں ہی کافر، خبیث، اور مردود کہہ کر سنجیدہ سامعین کو بدظن نہ کردیں۔اگر ماضی میں ہمارے بعض علماء وخطبا نے یہ جارحانہ انداز اختیار کیا ہے اور دشنام طرازی کو ہی اصلاح وتربیت کا مؤثر ترین ذریعہ سمجھ لیا تھا تو گستاخی معاف! اُن کی حمایت نہیں کی جاسکتی کیوں کہ۔

کم ظرفیٔ گفتار ہے دشنام طرازی تہذیب کو شائستگی دیدۂ فن ہے

حضرت مصباحی نے اسی منفی ذہنیت پر کاری ضرب لگائی ہے، اس کو صلح کلیت کا نام دے کر بعض بدبختوں نے غلط فہمیاں پھیلانے کی منصوبہ بند کوششیں کی ہیں جیسا کہ ایک کتابچے سے ظاہر ہے۔

اُس کتابچہ میں اور بھی ہرزہ سرائیاں الزام تراشیاں، بلکہ بدمعاشیاں ہیں، ان سب کا یہاں دہرانا ممکن نہیں۔غلاظت کا تذکرہ بار بار ہونا بھی

نہیں چاہیے۔ان الزام تراشیوں کے تعلق سے مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ ’’مولانا یٰسین اختر مصباحی‘‘ کیا واقعی ایسے تھے؟نہیں، ہرگز نہیں۔ساری دنیائے سنیت حلفیہ بیان دے گی کہ یہ سب جھوٹ اورافترا پردازی ہے۔اب تمہیں بتلاؤ کہ

کیا حساب جرم بلکہ حساب جرائم دوگے تم خدا کے سامنے۔قیامت قریب ہے:اِن بطش ربك لشديد

اس کتابچہ کے لکھنے والے اوراُن کے جملہ اعوان وانصار کوحضرت مصباحی نے اپنی زندگی میں ہی ’’جھنڈا بردار‘‘ گروپ قرار دیا تھا جوکسی کے اشارے پراُن کی کردارکشی کررہے تھے۔اس سلسلے میں اپنی کتاب’’عرفان مذہب ومسلک‘‘طبع جدید مع اضافۂ مفید کے ص ۱۵۳ پر بہت ہی فکر انگیز شعرنقل کیا ہے وہ حیرت بالا سے حیرت افسوس صدافسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اہل محفل ہوں گے کیا اہل بصیرت اے شفیق　　　میر محفل ہی کو بے فکر ونظر پاتا ہوں میں

یہاں’’میر محفل‘‘ کا اشارۂ لطیف’’جھنڈا بردار گروپ‘‘ کے کن کن سرپرستوں کی طرف رہتا ہے،اہل نظر بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں۔ع

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

مختصر یہ کہ مولانا یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ عہد حاضر میں اسلام کے بطل جلیل،سنیت کے وکیل،اور بلند پایہ مفکر تھے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے　　　سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

پروفیسر فاروق احمد صدیقی،امرود بگان،مظفر پور(بہار)

وہ ایک شخص نہیں مستقل ادارہ تھا

(مولانا یاسین اختر مصباحی کی یادیں)

اب کوئی ربع صدی ہونے کو آئی۔نومبر کی ایک خوشگوار شام تھی اور شعبان کی کوئی تاریخ۔ذاکرنگر کی مشہور مسجد قادری میں ’دارالقلم‘ کے مدرسہ قادریہ کا سالانہ جلسہ تھا۔دارالقلم کے بانی مولانا یٰسین اختر مصباحی سے اپنی ذہنی وفکری مناسبت اوران کی عالمانہ شخصیت وقلندرانہ طبیعت کے لئے دل میں غیر معمولی احترام کے زیراثر تیمورنگر سے کھنچا چلا آیا۔یادنہیں آتا کہ ان سے میری ملاقاتوں کا سلسلہ کب شروع ہوا‘ شاید ۱۹۹۳ء میں جب بہ سلسلہ تعلیم جے این یو آیا، یا شاید ۱۹۹۹ء میں جب ہفت روزہ ’نئی زمین‘(ہندی) کے شعبہ ادارت میں شامل ہوا۔اب ان ملاقاتوں میں سے کسی کی تفصیلات بھی یادنہیں جواس سے قبل ہوئی تھی۔ہاں! یہ خوب یاد ہے کہ ان سے میری شناسائی ان ملاقاتوں سے بھی برسوں پرانی تھی جس کا ذریعہ ان کے وہ مضامین تھے جومختلف ورسائل وجرائد کی زینت بنتے تھے اور یہ تعلق اس وقت اور زیادہ مضبوط ہوگیا تھا، جب وہ ’حجاز جدید‘ شائع کرنے لگے جس کے مستقل لکھنے والوں میں ہمارے استاد ومربی علامہ شبنم کمالی بھی شامل تھے۔

مولانا ہم جیسوں میں گہری دلچسپی رکھتے تھے،وہ باخبر لوگوں کو بڑی محبت سے دارالقلم بلاتے،ملی امور میں ان سے مشورے کرتے،نہایت غیر محسوس اورخالص درویشانہ انداز میں ان کے ذہن وفکر پراثرانداز ہوتے،بڑے تحمل سے ان کی باتیں سنتے اورایک ایسا دائمی مکالمہ قائم کرلیتے جو دیرتک اور دورتک قائم رہتا۔اس طرح ان کے گرد اہل علم وقلم کا ایک ایسا وسیع حلقہ بن گیا تھا جس کا دائرہ دنیا کے دوردراز علاقوں تک پھیلا ہوا تھا۔وہ خلوت درانجمن اورانجمن درخلوت کانمونہ تھے اور یہ انجمن بہت ہی مختلف الجہات تھی۔نوجوانوں پران کی خصوصی توجہ تھی۔

اس دن بھی وہ دارالقلم کے جس کمرے میں مہمانوں کا استقبال کررہے تھے نوجوانوں سے گھرے ہوئے تھے۔جلسہ شروع ہونے میں ابھی تھوڑا وقت تھا اور مہمانان خصوصی کا انتظار ہورہا تھا جن میں خانقاہ مارہرہ کے صاحب سجادہ پروفیسر محمد امین میاں قادری اورخطیب الہند مولانا عبیداللہ خان اعظمی شامل تھے۔اتنے میں دونو جوان علما کے کندھوں کا سہارا لیتے ہوئے ایک بزرگ داخل ہوئے،حاضرین ان کے احترام میں کھڑے ہوگئے۔مولانا نے بڑھ کران کا استقبال کیا۔دونوں خوشگوار حیرت کی تصویر نظر آرہے تھے۔نہ مولانا کوتوقع تھی کہ وہ اس عالم ضعف ونقاہت میں تشریف لائیں گے اورنہ اُن کوامید تھی کہ وہ جہاں جارہے ہیں وہاں اتنی اچھی عمارت اورایسا وسیع وعریض احاطہ ان کا استقبال کرے گا۔ان کی زبان

سے بے ساختہ نکلا ”ارے! آپ نے اتنا کچھ کرلیا اور مجھے خبر نہ ہوئی“۔
یہ کوئی اور نہیں علامہ ارشد القادری تھے جن کی ساری عمر ادارہ سازی میں گذری تھی، مساجد و مدارس اور تنظیمات و تحریکات کا قیام جن کی عملی زندگی کا غالب ترین حصہ تھا اور جو لوگوں کے ذہنوں اور صلاحیتوں کو پڑھنے کا بڑا خوب ملکہ اور بہت وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ ان کے لئے یقین کرنا مشکل تھا کہ ایک ایسے خالص ادیب و محقق قسم کے قلم کتاب میں مشغول رہنے والے کم آمیز شخص کے لئے یہ کیونکر ممکن ہے۔ مولانا یٰسین اختر مصباحی کی قلندرانہ طبیعت، سیر چشمی، خودداری، خود اعتمادی اور استقامت و عزیمت کے لئے ان کی یہ حیرانی ایک جہاندیدہ بزرگ کا غیر معمولی خراج تحسین تھی۔ ابھی کوئی دس سال بھی نہیں ہوئے تھے جب ’حجاز جدید‘ کے ایک اداریے میں دار القلم اور اس کے ذیلی شعبوں کے قیام کا اعلان پڑھ کر وہ بالفاظ خود ”حیران و ششدر رہ گئے تھے“ اور ایڈیٹر کے نام اپنے ایک بے ساختہ مکتوب (یکم جولائی ۱۹۹۱) میں لکھا تھا کہ آپ کے متعلق میرا سب سے بلند تصور یہ تھا کہ آپ ایک بہت اچھے صاحب قلم اور صاحب طرز ادیب ہیں اور یہ کہ ”خدائے قادر و قیوم آپ کی ان انگلیوں کی حفاظت فرمائے جو، اب تک صرف قلم پر تھیں لیکن اب ایک شکستہ حال قوم کی نبض پر ہیں“ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس راہ کی مشکلات کیا ہیں اور آج وہ دار القلم کی عمارت، اس کی لائبریری، قادری مسجد کے گنبد و مینار اور اُن کے انتظامات دیکھ کر مزید حیران تھے۔
مولانا سے میری آخری ملاقاتیں ابھی چند ماہ پیشتر ہوئی تھیں۔ یہ فروری کی کوئی تاریخ تھی، جب چند دنوں کے وقفہ سے دوسری بار اپنے مخدوم زادہ برادرم ڈاکٹر محمد ظفر صادق صاحب کے ساتھ حاضر ہوا تھا۔ دار القلم میں کمروں اور فرش کی اصلاح کا کام چل رہا تھا اور مولانا پہلی منزل پر اپنے کمرے کی بجائے زیریں منزل کے ایک کمرے میں نشست رکھتے تھے۔ ان کے سامنے اور دائیں بائیں کئی کتابوں کے مسودے پھیلے ہوئے تھے جن پر وہ نظر ثانی کررہے تھے۔ ان میں ایک ان کی مشہور و مقبول کتاب ’امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات‘ بھی شامل تھی۔ میں نے درس نظامی کی نصابی کتب کے متعلق استفسار کیا کہ کیا یہ کتابیں دار القلم کی لائبریری میں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہوں گی لیکن ابھی تو ساری کتابیں کہیں کسی گوشے میں بے ترتیب پڑی ہیں کیونکہ عمارت کی مرمت کا کام چل رہا ہے۔ دوران گفتگو ذکر آیا کہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ دار القلم کی تعمیر میں ان کے جدامجد نے مولانا کی بڑی مدد کی تھی اور میں نے ایسا کہنے والے سے کہہ دیا کہ ”ہرگز نہیں، آنجناب کے اس دعوے کی کوئی بنیاد نہیں“ مولانا ایسی باتوں پر عموماً مسکرا کے رہ جاتے یا زیادہ سے زیادہ کوئی دلچسپ فقرہ ان کی زبان سے اچھل جاتا تھا اور آپ اس سے دیر تک محظوظ ہوتے تھے لیکن خلاف معمول اس دن قادری مسجد اور دار القلم کے قیام، ان کے لئے زمین کے حصول اور عمارتوں کی تعمیر تک اپنی ساری سرگذشت تفصیل سے بتائی۔
کہا کہ ”اس کام میں ایسے کسی مولوی کا کوئی تعاون شامل نہیں۔ جو کچھ ہوا، من جانب اللہ ہوا۔ نہ کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز کیا، روایتی انداز میں چندہ مانگا، نہ کسی دولت مند کی جانب نگاہ امید سے دیکھا۔ خاموشی سے کام کرتے رہے اور وسائل اللہ نے مہیا کرائے۔ اب یہی دیکھیے کہ ادھر کچھ دنوں پہلے ایک صاحب یہاں آئے۔ شاید مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے آئے تھے پھر وہ مجھ سے ملنے آگئے اور دوران گفتگو دار القلم کے تعلق سے کچھ استفسار کیا اور میں نے مجمل سے بتایا۔ اس کے بعد وہ چاہتے تھے کہ میں ان سے کہوں کہ وہ اس ادارے کی مالی مدد کریں، وہ بار بار پوچھ رہے تھے کہ کوئی ضرورت ہو تو بتائیں اور یہ کہ میں کیا کرسکتا ہوں۔ وہ پھر دوبارہ سہ بارہ بھی آئے اور اپنی خواہش کا اظہار کیا لیکن میں اپنی عادت کے مطابق ان سے یہی کہتا رہا کہ میں کیا کہہ سکتا ہوں ہمارے پاس تو بقدر ضرورت اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے۔ آپ اگر کچھ کرنا کرانا چاہتے ہیں تو آپ خود دیکھ لیں کہ کیا کرسکتے ہیں۔ اب جو یہ کام ہوتے ہوئے آپ دیکھ رہے ہیں، وہ اور ان کے رفقا کرا رہے ہیں۔ یہاں سارے کام اسی طرح ہوتے آئے ہیں“۔
یہ بھی کہا کہ حضرت حافظ ملت کہا کرتے تھے ”یک در گیر محکم گیر“، میں نے اس اصول کو اپنایا۔ آپ جب کوئی کام اپنے ذمہ لیتے ہیں اور استقلال و استقامت کے ساتھ کام کرتے ہیں، ہمت نہیں ہارتے تو مشکل سے مشکل کام آسان ہوجاتا ہے۔ لوگوں کا اعتماد آپ پر قائم ہوجاتا ہے اور اللہ ان کے دلوں میں ڈال دیتا ہے کہ وہ آپ کا تعاون کریں۔ ہم اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ سکتے تھے کہ یہی ان کے ساتھ ہوا کہ اس وقت بھی کچھ لوگ اپنے اعلیٰ ذوق اور معیار کے مطابق عمارت کے فرش اور زینے وغیرہ بنوا رہے تھے۔ خود مولانا کے کمرے کی بھی انہوں نے تزئین و آرائش

کرائی، فرنیچر وغیرہ تبدیل کیا اور اب یہ کمرہ مزین ہے لیکن آہ! اُس کی رونق ہمیشہ کے لئے رخصت ہو چکی۔

اتوار (۷ مئی ۲۰۲۳ء) کی رات کوئی دس بجے یہ خبر پھیلی کہ مولانا اب ہمارے درمیان نہیں رہے تو لگا کہ شہر کا شور سناٹے میں بدل گیا، دہلی کی بھیڑ میں ہم تنہا ہیں اور کانوں میں سائیں سائیں کی آوازیں آرہی ہیں اور ایک ایک کر کے بے شمار واقعات و مشاہدات نگاہوں کے سامنے پھرنے لگے۔ اف رے یہ خود فریبی! ہم ابھی تک یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ کسی وقت بھی اٹھیں گے اور اس بار بھی دارالقلم کے اس کمرے میں کتابوں اور مسودات کے درمیان اسی درویشانہ شان کے ساتھ آبیٹھیں گے اور وہ چلے بھی گئے۔ بے چین ہو کر میں نے مولانا محمد ظفر الدین برکاتی کو کال کی جو اُس وقت بھی آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف مڈیکل سائنسز (ایمس) میں ان کے پاس موجود تھے۔ وہ آزردہ و دل گرفتہ تھے، بتایا کہ جسد خاکی کو یہاں سے دارالقلم کے لئے نکلنے میں ابھی گھنٹے دو گھنٹے لگیں گے۔ ابھی کل کی بات ہے جب انہوں نے اطلاع دی تھی کہ ''اب مولانا کی طبیعت بہتر ہے، عیادت کو پہنچا تو دیکھتے ہی پہچان لیا، بولنے کی سکت تو نہیں لیکن اب وہ آکسیجن اور وینٹی لیٹر پر نہیں ہیں۔ ہم سلام کر کے چلنے لگے تو لگا کہ کچھ بول رہے ہیں۔ کان لگایا تو فرما رہے تھے کب نکلنا ہے، کیسے چلنا ہے؟ ہم نے کہا کہ واپس آتے ہیں تو دیکھ لیں گے تو فرمایا کہ کسی چکر میں نہیں پڑنا ہے، ٹکٹ نکال لیجیے اور چلتے ہیں''۔ کسے خبر تھی کہ یہ زندگی کا آخری سنبھالا ہے، اب وہ چراغ سحر ہیں، ارادہ کہیں اور کا نہیں، یہ چل چلاؤ وہاں کا ہے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔

خوش رہو اہل چمن ہم تو سفر کرتے ہیں	در و دیوار پر حسرت سے نظر کرتے ہیں

سفید پاجامہ کالی شیروانی، بھرا بدن، کشادہ پیشانی، آنکھوں پر موٹے فریم کی عینک اور سر پر اونچی مخملی ٹوپی، جو دیکھتا ہے دور سے پہچان لیتا ہے، کبھی کا تیز گام آج ہر قدم سنبھل سنبھل کر اٹھانے والا ئی منزلوں کا یہ مسافر بے شک اپنے پیچھے ایک بہت بڑا کارروان چھوڑ گیا لیکن آج وہ تنہا جا رہا تھا، اُسے اب جانے کی جلدی تھی، اپنے حصے کی سانسیں اور اپنے ذمہ کا کام پورا کر چکا تھا لیکن اب ہمارے درمیان ان جیسا کون ہے۔

وہ خلا کون پورا کرے گا جو مولانا مصباحی دارالقلم کی پہلی منزل پر اس کے پہلے کمرے میں چھوڑ گئے ہیں۔ ہمارے زمانے کی سب سے بڑی ٹریجڈی یہی ہے کہ جانے والے جا رہے ہیں لیکن ان کی جگہ لینے والے پیدا نہیں ہوتے۔ مرحوم کی زندگی کے شب و روز پر نظر ڈالیں تو آپ پاتے ہیں کہ وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، احیائے سنت اور عظمت نبوت کی اس تحریک کا ایک بڑا مضبوط ستون تھے جس کو امام احمد رضا خاں قادری بریلوی سے منسوب کیا جاتا ہے اور اس میں بھی اس کی علمی اساس کو اجالنے اور جدید زبان و اسلوب میں دنیا کے سامنے پیش کرنے میں ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات جانا۔ اسی کام کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ ایک احساس تھا جس نے دور طالب علمی سے آخری سانسوں تک ان کو بے چین رکھا۔ حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مبارک پوری کا یہ شاگرد رشید اُس مشن سے ایک لمحہ کو بھی غافل نہیں ہوا۔ آپ جب جاتے، مولانا کو کتابوں اور مسودوں کے انبار کے درمیان پاتے۔ ایک جہازی سائز کی چوکی پر بیٹھے ہیں جس کے دو تہائی حصے پر کتابیں پڑی ہیں۔ اسی پر بقدر ضرورت تھوڑی دیر سو لیتے ہیں۔ وہیں ملک و بیرون ملک سے آنے والے مہمانوں کا استقبال کرتے ہیں۔ کمرے میں ایک سال خوردہ صوفہ اور چند پرانی کرسیاں پڑی ہیں۔ ان میں سے بھی بعض پر کتابوں کا انبار پڑا ہے۔ شریف بھائی وہیں ان کو اور ان کے مہمانوں کو چائے ناشتہ پیش کرتے ہیں۔ اگر آپ ذوق رکھتے ہیں تو وہ خود پان سے آپ کی تواضع کریں گے جس کے لئے ایک بہت ہی پرانا خاصدان موجود ہے۔ کھانے کا وقت ہوا تو شریف بھائی وہیں دال روٹی لے آئے۔ گوشت یا سبزی ہے تو اتنی اور ایسی سادہ جس کا تصور اب عام طور پر مدرسوں کے مطبخ میں بھی نہیں کیا جاتا۔ آپ موجود ہیں تو آپ کو بھی اسی میں شریک کر لیا، کسی تکلف سے کام نہیں لیا۔

پچھلے دنوں ایک صاحب ملک کے کسی دور دراز شہر سے یہاں ان سے ملنے آئے۔ قادری مسجد میں وضو کیا، نماز ادا کی اور مولانا سے ملے تو کہا کہ یہاں کا پانی تو بہت کھارا ہے۔ مولانا نے ان سے کہا کہ آپ نے جس پانی سے وضو کیا ہے، میں نے ۷۱ برسوں تک یہی پانی پیا ہے اور ان کا منھ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا کہ کیا کسی اتنے بڑے عالم اور مصنف سے جو برسوں جامعہ اشرفیہ کا شیخ الادب رہ چکا تھا، اس زمانے میں ایسے مجاہدے کی توقع کی جا سکتی ہے؟

یہ کوئی دس سال ادھر کی بات ہے۔ شب برات کا دن تھا۔ میں نے خواہش ظاہر کی کہ آج وہ رات کا کھانا ہمارے ساتھ تناول فرمائیں۔ کہنے لگے 'اس میں کوئی ہرج تو نہیں تھا، خوشی ہوتی لیکن اس دعوت کو کسی اور دن پر اٹھا رکھیں۔ دہلی میں آج میرے لئے پہلا موقع ہے جب کسی تہوار کے دن اہل خانہ کے ساتھ کھانا کھاؤں گا۔ آپ جانتے ہیں کہ برسوں سے میری کوئی مستقل ذاتی آمدنی نہیں نہ کوئی اپنا مکان تھا۔ ابھی چند ماہ ہوئے ہیں کہ بیٹے نے ملازمت شروع کی ہے اور اس وقت بیگم بھی ساتھ ہیں۔'' اس ایثار اور ایسی عزیمت واستقامت کا نام تھا مولانا یٰسین اختر مصباحی اور یہ وہ عظمت ہے جو خداوند قدوس ہر کس و ناکس کو نہیں بخشتا۔ اس فقر و درویشی میں بھی ان سے جلنے والوں کی کمی نہیں تھی۔ ایک گروہ نے تو ان کے خلاف مہم چھیڑ رکھی تھی کہ وہ 'مسلک اعلیٰ حضرت' کے خلاف ہیں۔ قصور صرف یہ تھا کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کی تعلیمات وافادات کے فروغ واشاعت کے لئے اپنی ذاتی زندگی تج دی تھی، 'عرفان مذہب ومسلک' اور 'امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات' جیسی معرکۃ الارا تحقیقی کتب لکھیں اور ان کا اصرار تھا کہ ہم اہل سنت وجماعت ہیں نہ کہ کوئی نیا فرقہ۔ لیکن اہل علم ودانش کے دلوں میں ان کی قدر ومنزلت بھی کچھ کم نہ تھی۔ چند سال پیشتر وہ شدید علالت سے دوچار ہوئے تو مارہرہ شریف کے مشائخ نے قدم قدم پر ان کا ساتھ دیا۔ وہ اس گوہر تابدار کو ہرگز کھونا نہیں چاہتے تھے۔ ان کی علالت کی خبر پھیلی تو ملک وبیرون ملک ان کے ہزاروں قدرداں بے چین ہو اٹھے۔ ان کی وفات پر بہت سے عالموں اور دانشوروں نے لکھا کہ یہ وہی تھے جن کی کتابوں کے مطالعہ سے ہم نے جانا کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کون اور کیا تھے ورنہ وہ ان کو بدعات کا داعی ومحرک سمجھتے تھے۔

مولانا مصباحی کی شخصیت کے اس پہلو سے کچھ خاص خاص لوگ ہی واقف تھے کہ وہ جتنے بڑے مصنف ومحقق تھے، ملک وملت کے سیاسی امور میں بھی اتنی ہی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ اس سلسلے میں مختلف لوگوں سے مشورہ کرتے، پھر کوئی رائے بناتے۔ اس امر میں اپنے پرائے اور چھوٹے بڑے کی کوئی تخصیص نہ تھی، مخاطب کا مسئلے کی باریکیوں سے باخبر ہونا شرط تھا۔ وہ آسانی سے کوئی رائے نہیں بناتے تھے لیکن جب بنا لیتے تو آسانی سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ آخری ملاقات میں وہ مجھ سے ملک کی سیاسی صورت حال میں تبدیلی کے امکانات پر میری رائے جاننا چاہتے تھے۔ میں نے کچھ اس طرح کی بات کی جس کا مفہوم امید وبیم کے درمیاں تھا۔ مثبت ومنفی دونوں پہلو رکھا، گویا جناب 'شیخ کی رائے' یوں بھی ہے اور یوں بھی لیکن وہ اس کے دوسرے پہلو پر زور دیتے ہوئے کہنے لگے کہ ملک کی سیاسی وسماجی فضا عنقریب کروٹ لے گی۔ ان کو ملک کے پسماندہ اور دلت طبقات کے نوجوانوں میں آنے والی بیداری سے بڑی امید تھی اور وہ مسلم نوجوانوں اور اپنی قیادتوں کے لئے اس ظاہرے (Phenomens) کی تقویت کے کام کرنے کا مشورہ رکھتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج وہ ہمارے درمیان ہوتے تو ضرور فرماتے کہ دیکھا، میں نے کہا تھا نہ، کرناٹک سے اس تبدیلی کی ابتدا ہوگئی۔ جن دنوں ڈاکٹر طاہر القادری ہندوستان کے دورے پر تھے، ایک ملاقات کے دوران کہنے لگے کہ انہوں نے لاکھوں روپے میں کناڈا کا ویزا پھر اس کی شہریت خریدی ہے۔ مجھے ان کی اس سادگی پر ہنسی آ گئی۔ وہ مولانا طاہر القادری کو ہندوستان پاکستان کے عام علما پر قیاس کر رہے تھے اور کناڈا کے تعلق سے یقیناً ان کو کسی نے گمراہ کیا تھا کہ وہاں کی شہریت یا ویزا فروخت ہوتا ہے۔ میں نے ان کو تفصیل سے بتایا کہ ڈاکٹر قادری ایک وظیفہ یاب پروفیسر ہیں، ان کی اچھی خاصی پنشن ہے، ان کا ذریعہ معاش اس کے علاوہ تجارت ہے جس میں ۱۹۸۰ء کے عشرے میں انہوں نے سرمایہ لگایا تھا تاکہ تحریک منہاج القرآن چلانے کے لئے ان کو نذرانہ یا چندے پر انحصار نہ کرنا پڑے۔ وہ تو اپنی کتابوں اور خطابات کی رائلٹی تک کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ چونکہ پاکستان میں ان کے عقیدت مندوں کی بڑی تعداد ہے، وہ کس کس کو منع کرتے کہ ان کو علمی کاموں کے لئے سکون اور خلوت چاہیے۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ مدینہ منورہ یا دمشق میں رہ کر یہ کام کریں لیکن بہ حالت مجبوری کناڈا کا انتخاب کیا کیونکہ کسی اسکالر کے لئے دنیا میں سب سے آسان وہیں کا ویزہ حاصل کرنا تھا۔ وہ بات سمجھ تو گئے، کسی حد تک اپنی رائے تبدیل بھی کر لی لیکن مولانا قادری کے تعلق سے ان کے تحفظات کا اب بھی ازالہ نہ ہوا۔ کہنے لگے کہ میری بصیرت کہتی ہے 'خدانخواستہ وہ دعوی نبوت نہ کر بیٹھیں'۔ مجھے لگتا ہے کہ ان کے کانوں میں 'طاہر القادری مجدد رواں صدی' کا نعرہ گونجتا تھا، اس لئے وہ آسانی سے اس کو ہضم نہیں کر پا رہے تھے۔ ان کے بعض قریبی عزیز ان کی اس ادا کو ان کی ضد تصور کرتے ہیں، وہ ان سے روٹھ گئے تھے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ ان کا مسلکی تصلب تھا جس نے ان کو بریلی اور مبارکپور سے باندھے رکھا۔ وہ اس حال میں بھی اپنے ان اکابر پر ہی اعتماد کرنا چاہتے تھے جن سے کئی مسائل میں شدید اختلاف رکھتے تھے

یا وہ جن کے معتوب مفضل تھے۔

یٰسین اختر مصباحی کا تعلق اعظم گڑھ کے خالص پور ادری سے تھا (اب یہ مئو ضلع میں ہے) جو خطہ کی ایک بڑی مردم خیز آبادی ہے۔ تعلیم کے رجحان کا اندازہ یہاں آپ مدرسہ بیت العلوم خالص پور، جامعہ ضیاء العلوم ادری اور چھوٹے بڑے بہت سے دوسرے مدارس کے وجود سے لگا سکتے ہیں جہاں ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوئی۔ اعظم گڑھ، مئو، گھوسی اور مبارکپور کے وہ مدارس جو دنیا بھر میں جانے جاتے ہیں، وہ بھی خالص پور کے اطراف میں ہی ہیں۔ انہوں نے مقامی مدارس کے بعد پہلے جامعہ ضیاء العلوم خیر آباد پھر مبارکپور کے جامعہ اشرفیہ میں داخلہ لیا جہاں حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مبارک پوری، مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی، مولانا محمد شفیع مبارکپوری اور مفتی عبدالمنان اعظمی جیسے نابغہ روزگار اساتذہ موجود تھے۔ وہ کچھ دنوں لکھنؤ میں بھی رہے جہاں دارلعلوم ندوۃ العلماء سے استفادہ کیا اور عربی زبان و ادب میں اپنے اعلیٰ ذوق کی تسکین و تکمیل کی۔ یہ ایک حسن اتفاق تھا کہ فراغت کے بعد موصوف نے درس و تدریس کا باضابطہ آغاز دارالعلوم غریب نواز الہ آباد سے کیا جس کے بانی و مہتمم مولانا مشتاق احمد نظامی جیسے ناقدانہ ذہن کے عالم دین اور شہرہ آفاق ادیب و خطیب عالم تھے جن کی ادب و صحافت کے فروغ اور اصلاح عقائد و اعمال میں غیر معمولی دلچسپی تھی۔ وہ الہ آباد سے مولانا ابوالوفا فصیحی غازیپوری کے ساتھ ماہنامہ 'پاسبان' جیسا معیاری رسالہ نکالتے تھے پھر جلد ہی وہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور آگئے جہاں ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۲ء تک شیخ الادب تھے۔ اس کے بعد دو ڈھائی سال وہ بیرون ملک تھے۔ غالباً سعودی عرب کی کسی لائبریری کو ان کی خدمات حاصل تھیں۔ ۱۹۸۴ء میں وہ دہلی آئے اور اپنی اس تحریک کا ازسر نو آغاز کیا جس کی بنیاد اپنے چار رفقا کے ساتھ مبارکپور کے قیام کے زمانے میں 'المجمع الاسلامی' کی صورت میں رکھی تھی۔ ۱۹۸۴ء میں انہوں نے ماہنامہ 'حجاز جدید' جاری کیا جو تقریباً دس سال جاری رہا پھر ماہنامہ 'کنزالایمان' کی ادارت سنبھالی جو ان کی تحریک پر رضوی کتاب گھر دہلی نے جاری کیا لیکن ان کی اصل منزل دہلی میں اہل سنت و جماعت کے ایسے علمی مرکز کا قیام تھا جس کا خاکہ 'حجاز جدید' کے ایک اداریے میں دیکھ کر علامہ ارشد القادری جیسے نباض قوم پکار اٹھے تھے کہ اللہ ان انگلیوں کی حفاظت فرمائے جواب تک قلم پر تھیں اور اب جو ایک خستہ حال قوم کی نبض پر ہیں۔ بغور دیکھیں تو مولانا نے اپنی پوری زندگی اسی مشن کو دے دی حتی کہ انہوں نے اپنے اہل خانہ کو بھی بہت کم وقت دیا۔ جو آگ ان کے سینے میں طالب علمی کے زمانے میں لگی تھی، تاحیات سلگتی رہی اور اس نے آخری سانسوں تک ان کو بے چین رکھا۔

مولانا مصباحی کی شخصیت کے تین پہلو ہیں: درس و تدریس، تحقیق و تصنیف اور تحریک و تنظیم۔ اگر چہ ان کا اصل میدان علم و ادب اور تحقیق و تصنیف تھا جس سے وہ کبھی ایک لمحہ کے لئے غافل نہیں ہوئے۔ اپنے آپ پر ایسا جبر و تحدید آسان نہیں جیسا اُن کے یہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ نام و نمود اور شہرت و مقبولیت کس کو عزیز نہیں لیکن اس کے سارے آسان اور سستے راستوں سے ان کو حد درجہ پرہیز تھا، ان کو اپنے اوپر سختی سے بند رکھا۔ وہ جلسے جلوس، لفاظی اور اخبار سے حتی الامکان دور رہتے۔ کسی جلسے یا سیمینار میں اسی وقت شامل ہوتے یا خود اس کے کرنے پر توجہ دیتے جب ملت کے مفاد میں اس کی سخت ضرورت سمجھتے۔ جمہوری معاشرے میں ذرائع ابلاغ کی اہمیت و معنویت کا ان کو بڑا گہرا احساس تھا لیکن سستی بیان بازی یا اخبار چھپنے چھپانے پر ان کی طبیعت کبھی آمادہ نہیں ہوئی کیونکہ سنجیدہ دینی علمی کاموں سے توجہ ہٹنے کا جوکھم لینا نہیں چاہتے تھے۔

میں جن دنوں روزنامہ 'ہندوستان ایکسپریس' کا ایڈیٹر تھا، ان سے ہر ہفتے ایک مضمون دینے کی گذارش کی لیکن کیا مجال ہے کہ میرے بار بار تقاضے اور اصرار کے باوجود ان کا مراقبہ ٹوٹ جاتا۔ ہاں جب ضرورت سمجھتے، لکھتے اور خوب لکھتے۔ وہ آج کل واٹس ایپ کا بڑا بامعنی اور نتیجہ خیز استعمال کرنے لگے تھے۔ اپنے مضامین اور سنی لٹریچر کی ترسیل تواتر سے کرتے تھے۔ اس کے لئے انہوں نے ایک معاون کی خدمات بھی حاصل کیا ہوا تھا۔ وہ دو وقت خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ ایک جب اسلام اور مسلمانوں کے مفاد پر کوئی حرف آتا نظر آتا اور دوسرے مسلک و مذہب کے تعلق سے کوئی غلط فہمی یا گمراہی راہ پاتی نظر آتی۔ آپ ان کی سب سے بڑی طاقت کہیں یا کمزوری سمجھیں، یہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی تھے۔ حانکہ ان کے متقدمین و متاخرین میں بہت سے علما و ائمہ کی ایک فہرست ان کے سامنے رہتی تھی اور وہ اپنی فکر کو یک رخی نہیں ہونے دیتے تھے۔ ہندوستان کے مختلف مسالک و مکاتب فکر کے علما میں مولانا بریلوی کا اختصاص و امتیاز عشق رسول کو مانا جاتا ہے اور مولانا یٰسین اختر مصباحی کا

اختصاص وامتیاز مولانا بریلوی تھے۔ وہ علمی اور عملی ہر دو اعتبار سے اس امر میں بڑے حساس ومحتاط تھے لیکن ملک میں مسلمانوں کے اجتماعی مفادات پر لوگوں کا اتحاد فکر وعمل ان کو بے حد عزیز تھا۔ وہ یوپی مسلم کنونشن کے بانی ومحرک تھے اور مولانا ادریس بستوی کے ساتھ اس تنظیم کی قیادت کی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا کانفرنس کے نائب صدر تھے جس نے شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف مسلمانوں کی تحریک کو طاقتور بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اسی طرح بابری مسجد کی بازیابی کی تحریک میں بھی حصہ لیا۔

وزیر اعظم نرسمہا راؤ کے دور اقتدار میں جب پنڈت این کے شرما نوٹوں کی گڈیاں لے کر مسلم علما وقائدین کے ضمیر کا سودا کرتا پھر رہا تھا، بار بار مولانا کی قیمت لگانے کی کوشش کی لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ یاد آتا ہے کہ یوپی اے دور حکومت میں جب دہشت گردی کی تلوار مسلم نوجوانوں پر لٹک رہی تھی، ملک کے مشہور ملی لیڈر جاوید حبیب نے ایک بار ان سے کہا تھا کہ اس وقت کسی مسلم لیڈر یا مولوی کی اچھل کود سے کچھ نہیں ہوگا۔ ہاں! آپ یا آپ جیسے کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوں تو کچھ اثر ہو جن کی دم پر سرکاری ایجنسیوں کا پیر نہیں اور مولانا اپنی سادہ طبیعت اور غیر سیاسی مزاج کے باوصف حیران تھے کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔

۲۰۰۶ء میں انقلاب ۱۸۵۷ کے ۱۵۰ سال پورے ہوئے ہوئے اور اس موقع پر سرکاری غیر سرکاری جلسے جلوسوں کا سلسلہ شروع ہوا تو مولانا نے تحریک آزادی کی تاریخ اور اس میں علمائے دین کے کردار پر تصنیف وتالیف اور سنجیدہ علمی غور وفکر کی تحریک چھیڑ دی، خود بھی کئی کتابیں لکھیں، اپنے حلقہ اثر میں بھی کئی لوگوں کو ایسا کرنے پر آمادہ کیا، کئی کانفرنس اور سیمینار بھی کروائے اور تاریخ کے اس موضوع پر وہ کئی کتابیں چھوڑ گئے ہیں۔ وہ اپنے آپ میں ایک اکیڈمی، ایک انجمن اور ایک ملک گیر تنظیم تھے۔ وہ جماعت اہل سنت میں اب ایک ہی ایسی شخصیت رہ گئے تھے جن کا ملک بھر کے علما ومشائخ سے براہ راست رابطہ رہتا تھا۔ وہ ان پر اعتماد بھی کرتے تھے کہ کسی مسئلے میں کیا موقف اختیار کریں۔ ان کے جانے سے ایک ایسی کڑی ٹوٹ گئی ہے جس کی کمی دہائیوں محسوس کی جائے گی۔

یادوں کا ہجوم ہے جو رہ رہ کر ذہن کو گھیر لیتا ہے۔ خداوند عالم ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند کرے، ملت میں ان کے سچے جانشین پیدا کرے اور ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کی تکمیل کا سامان غیب فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

احمد جاوید، ایڈیٹوریل اڈوائزر، ثقافت انٹرنیشنل، نئی دہلی- ahmadjwd@gmail.com

مذہبی نثر کے جدید نہج کا موجد

علم وفہم وتدبر، متانت، شرافت ودانائی کا ایک مجسم شاہکار کس آسانی کے ساتھ ہماری انجمن کو سونا کر کے جس آہستگی کے ساتھ ہمارے درمیان سے رخصت ہوگیا سوچا نہ تھا۔ رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی اپنی شخصیت میں ایک دبستانِ ادب کی حیثیت رکھتے۔ یوں تو حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ کے گلستان کا ایک ایک گل گل تر ہے اور اپنی تبحر علمی کی خوشبو سے چمن سنیت کو اپنے اپنے طریقے سے معطر کر رہا ہے لیکن رئیس التحریر کی بات اس گلستان اشرفیت میں مزید انفرادیت کا حامل ہے۔

حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کی پہلی تحریر نا نا حضور احسن العلماء قدس سرہٗ کے چالیسویں پر شائع ''اہل سنت کی آواز'' میں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے نثری اسلوب نے بے حد متأثر کیا۔ بڑے شائستہ انداز میں حضور احسن العلماء قدس سرہٗ کے حوالے سے آپ نے کچھ تاریخی پہلو اُس سوانحی خاکے میں لکھے جس میں نہ غلو تھا اور نہ بیانیہ میں کسی قسم کی خِسّت۔ حق گوئی کے ساتھ اظہارِ عقیدت، وہ شاہکار مضمون جسے پڑھ کر اُن سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔

طالب علمی کے دور میں ایک سنی تنظیم سے وابستگی تھی اور جوان العمری میں مسلکی خدمات انجام دینے کا ایک جنون بھی تھا کیوں کہ علی گڑھ کی زمین سواد اعظم اہل سنت کے موقف کا برملا اظہار کرنے کے لئے کچھ سخت بھی تھی اور ہم اراکین تنظیم ایک پڑھے لکھے انداز میں اپنے عقیدے کی ترویج واشاعت کے کام میں عازمِ سفر تھے۔ لہٰذا متحرک وفعال ہونے کے ساتھ ساتھ مسلکی حقانیت کو پڑھنا اور سمجھنا ضروری تھا، اس حوالے سے

سب سے پہلے حضرت ہی کی کتاب ''امام احمد رضا اور ردِ بدعات و منکرات'' کو ایک گائڈ کی شکل میں پڑھا۔ کتاب کے مطالعہ کے بعد بے حد کام کی باتیں اور عقیدے کے متعلق کام کی باتیں منکشف ہوئیں جو ہمارے مسلک و مذہب کے دفاع کے لئے نہ صرف مؤثر تھیں بلکہ ہماری طاقت اور عقیدے کی حقانیت کی عکاس بھی تھیں۔ ہمت بڑھتی گئی کہ ہماری جماعت میں جب ہمارے بڑے اتنے جرأت مند ہیں کہ ان کے سامنے کسی بھی قسم کی مصلحت آڑے نہیں آتی ہے تو ہمیں بھی مصلحتوں کے منھ کا نوالہ نہیں ہونا ہے۔ بات ایسے ہی کرنی ہے جیسے مولانا یٰسین اختر مصباحی کرتے ہیں، وہ چاہے اپنوں سے ہو یا اغیار سے۔

رئیس التحریر کے بعد رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کی ''زلزلہ'' اور ''زیر و زبر'' پڑھی تو ایسا لگا کہ ہماری جماعت کی علمی نمائندگی بھی کسی سے کمزور نہیں پھر تو یہ سلسلہ چل نکلا۔ مارہرہ مقدسہ کے اعراس میں حضرت مصباحی صاحب قدس سرہٗ سے پہلی ملاقات کا شرف ''فکر و تدبیر کانفرنس'' میں ہوا۔ ذہن میں ان کی پرسنالٹی کا جو نقشہ تھا، جیسا کہ صاحبانِ قلم کے حوالے سے ہوتا ہے کہ مزاج میں ایک ٹڑک بھڑک ہوگی، گفتگو میں ایک خود پرستی ہوگی، اپنے آپ میں سرشار ہوں گے۔ جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے، اِلا ماشاء اللہ۔ لیکن سارے خیالات مسمار ہو گئے۔ ایک سادہ سپاٹ وضع قطع، چہرے پر مسکراہٹ اور تواضع و انکسار کے ساتھ ایک عبقری قلم کار سے ملاقات ہوئی۔

ان سے پہلی ملاقات جامعہ البرکات کے ایک سیمینار کے موقع پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی آرٹس فیکلٹی کے لاؤنج میں ہوئی، یہ سیمینار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جامعہ البرکات کے نصاب کی نہج کے تعین کے حوالے سے منعقد ہوا تھا جس کی ایک نشست علمائے کرام کے اظہارِ خیال کے لئے مختص تھی۔ موضوعِ گفتگو تھا ''ادارے میں دینی تعلیمات کے نصاب کا تعین''۔ بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی قدس سرہٗ کی صدارت میں یہ نشست منعقد ہوئی۔ سراج الفقہاء حضرت مفتی نظام الدین رضوی صاحب، حضرت مولانا محمد عبد المبین نعمانی صاحب وغیرہم تشریف رکھتے تھے۔ حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب اپنے مقالے کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ راقم نے اس جلسے کی نظامت کی تھی۔ لہٰذا نشست سے پہلے میں حضرات علمائے کرام کی خدمت میں حاضر رہا، ان سے تخاطب کا شرف حاصل ہوا پھر ملاقات میں توقف ہوا لیکن فکر و تدبیر کانفرنس کا سلسلہ عرس قاسمی شریف کے موقع پر جب شروع ہوا تو حضرت سے خط و کتابت اور ٹیلی فون پر گفتگو کا سلسلہ باقاعدہ ہو گیا اور ''اہل سنت کی آواز'' کی اشاعت نے اس تعلق کو مزید استوارگی بخشی، پھر یہ تسلسل وہاٹس ایپ کے ذریعہ ایک مستقل صورت اختیار کر گیا۔ یہ سلسلہ حضرت علامہ مصباحی صاحب کے وصال سے کچھ پہلے تک رہا، اپنی ہر قلمی کاوش کو پی۔ڈی۔ ایف کی شکل میں وہاٹس ایپ پر ارسال فرماتے تھے۔

اس جلسے میں حضرت نے بے حد مبسوط و مربوط گفتگو فرمائی۔ اہل سنت کی آواز کے سلسلے میں حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب سے ملاقاتوں اور گفتگو کا سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ وہ البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں بھی بحیثیت Resource Person تسلسل کے ساتھ ہمارے علمائے کرام کو تحریری و تصنیفی کاموں میں مہارت حاصل کرنے کے حوالے سے تعلیم و تربیت کے لئے مدعو کیے جاتے۔ ان سے ملاقات کے بعد ان کی شخصیت کے بہت سے پہلو کھل کر سامنے آئے جن سے میں نہ صرف متأثر ہوا بلکہ بہت کچھ سیکھنے کا موقع بھی ملا۔

ان کی شخصیت کا سب سے روشن پہلو اُن کی سادگی تھی جو آخری سانس تک ان کی طاقت بنی رہی۔ سفید گول گلے کا بنگالی کرتا، بڑے پائنچے کا پاجامہ، کسی کانفرنس یا سیمینار میں گئے تو بہت سے بہت ایک صدری اور جاڑوں کی شیروانی۔ دھیمی دھیمی چال سے کامیاب قدم رکھنے والے مصباحی صاحب ایک جرأت مند حق گو قلم کار تھے۔ ان کا قلم اتنا مضبوط اور مربوط تھا کہ اس میں مصلحت پسندی اور خوشامد کا کوئی Software آخری دم تک کام نہ کر سکا۔ ہمیشہ دن کو دن اور رات کو رات کہا، اعتراضات کرنے والوں اور دشنام طرازیوں کے جواب میں ایک بہترین اور مدلل تصنیف منظر عام پر لایا کرتے تا کہ مخالفین کو آرام کرنے کا موقع نہ ملے، میں ان کو اُن کے اس وصف سے دیکھتا تھا تو یہ شعر ذہن میں گردش کرتا تھا۔

یہ اور بات کہ ہم تیز رو نہیں لیکن — قدم جو رکھتے ہیں وہ کامیاب رکھتے ہیں

علامہ یٰسین صاحب سے جب جب گفتگو ہوئی تب تب ان کی شخصیت کا کوئی نہ کوئی پہلو کھل کر سامنے ضرور آیا تھا۔ تصنیف و تالیف کے کام سے انہیں جنون کی حد تک دلچسپی تھی اور اس جنون نے بڑے بڑے خردمندوں کو اُن کے قریب لانے میں بڑی مدد کی۔

یٰسین صاحب By choice ایک مصنف اور محقق تھے اور اسی مشق اور جنون نے ان کو اپنے معاصر قلم کاروں میں بے حد ممتاز و مقبول کیا۔ انہوں نے خوب لکھا، منفرد لکھا اور مقبول و معروف لکھا۔ ایک اچھی نثر میں جو تسلسل، روانی اور معنویت متوقع ہوتی ہے وہ سب ان کے یہاں بدرجہ اتم موجود تھی۔ سماجی اور اسلامی تاریخ پر گہری نظر تھی جوان کے نثری اسلوب کا ایک عمیق جز بنتی چلی گئی۔ وہ واقعات و حکایات کو Chronology میں ڈھالنے کا فن بخوبی جانتے تھے۔ عام طور پر تاریخی واقعات کے حوالے سے جو تحریرات ہوتی ہیں ان میں لطف کی آمیزش نسبتاً کم ہوتی ہے لیکن علامہ مصباحی صاحب اس معاملے میں بھی اوروں سے منفرد نظر آتے ہیں، وہ تاریخی حقائق اور واقعات بیان کرنے میں بھی ایسا لطیف اندازِ بیان پیدا کرتے کہ قاری کے پاس محو ہونے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا تھا۔

علامہ موصوف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوری زندگی تصنیف و تالیف کے نام وقف کردی، ساری کتب کے حوالے سے گفتگو کی جائے تو یہ مضمون طویل ہو جائے گا لہٰذا ایک دو کتابوں کے حوالے سے گفتگو کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

تعارف اہل سنت کا مطالعہ کرنے کے بعد احساس ہوا کہ حضرت نے کتنی عرق ریزی کے ساتھ اہل سنت و جماعت کا منظر اور پس منظر پیش کیا۔ اس کتاب میں سب سے کمال کی بات یہ ہے کہ یہ ایک تعارف ہی نہیں بلکہ اہل سنت کے عقائد کے حوالے سے جو سواد اعظم کے بنیادی عقائد میں تحریفات کرکے اغیار نے نئے عقائد گڑھ کر اپنے فضل و فہم کی بنیاد پر جدید عقائد ہی کو بنیادی عقائد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس کا ردِ بلیغ بھی ہے بلکہ ان کی تحریرات پڑھ کر یہ شعر مصباحی صاحب کی نظر کرنے کو جی چاہتا ہے کہ

میں دشمنوں کی مدارات کرتا رہتا ہوں انہیں کی شہ سے انہیں مات کرتا رہتا ہوں

غرضیکہ یہ پوری کی پوری کتاب اہل سنت کے تعارف میں نہ صرف ایک خوشگوار اضافہ ہے بلکہ اہل سنت کے دفاع میں ایک مضبوط و مربوط دستاویز بھی۔ ہمارے مسلک و مشرب کے خلاف باقاعدہ تبلیغ و تحریر و تقریر کے ذریعے منصوبہ بند تحریکات چلائی گئیں جس نے امت مسلمہ بالخصوص سوادِ اعظم اہلِ سنت کو اُن کے بنیادی اور احسن عقیدوں سے بدظن کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئیں اور اس طرح وہابی تحریک نے ہندوستان میں اپنے پیر پسارے۔ یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ وہابیت، سلفیت اور دیوبندیت کے رد میں جتنا کام خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ اور اس خانقاہ کے خلفائے گرامی کے ذریعے کیا گیا اس کی دوسری مثال عنقا ہے۔ ہندوستان میں اسماعیل دہلوی کی زندگی میں اس کے اور اس کے عقیدہ کے خلاف جو اوّلین کتابیں لکھی گئیں ان میں سے ایک بہت مضبوط کتاب حضورِ شمس مارہرہ کے احب الخلفاء حضرت شاہ عین الحق عبد المجید بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''ہدایت الاسلام'' کے نام سے لکھی۔ اس کے بعد ان کے صاحبزادے حضور سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ نے ''سیف الجبار'' کے ذریعے اہل توہب کا بھرپور ردّ کیا پھر حضور تاج الفحول بدایونی قدس سرہٗ حضور مجدد برکاتیت سید شاہ اسماعیل حسن صاحب قدس سرہٗ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی انفرادی اور اجتماعی تحریکات سے باطل کے ایوان متزلزل ہوئے۔ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے ان سب بزرگوں کی نمائندگی کرتے ہوئے ردِ باطلہ کو اپنی زندگی کا مشن بنایا اور اس حوالے سے اتنا کام کیا کہ زمانے نے سوادِ اعظم کے مسلک کو ان کے نام سے منسوب اور معنون کرنے میں خوشی حاصل کی۔ نتیجتاً بدعقیدہ فرقوں نے غیر ضروری الزامات اور بہتان کا سب سے زیادہ نشانہ بھی حضرت فاضل بریلوی کو بنایا بلکہ ان کی مخالفت ہی کو اپنی تحریک کا محور بنالیا۔

ماضی قریب میں حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ اور اہل سنت کے موقف کے خلاف جب یہ بازار زیادہ گرم ہوا تب حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب نے ''امام احمد رضا ردِ بدعات و منکرات'' لکھ کر پوری جماعتِ اہل سنت کی جانب سے فرض کفایہ ادا کیا۔ اس کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ یہ کتاب کتنے منصوبہ بند طریقے سے مخالفین کو دیا گیا جواب ہے جس کی ایک ایک سطر میں دلائل کے انبار لگے ہیں۔ دلائل بھی ایسے ہیں جو اپنے مکمل حوالوں کے ساتھ حق کو اجاگر کرتے ہوئے بے حد کامیاب طریقے سے معترضین کا تعاقب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی اور علامہ مرحوم کی علمی مہارت یہ ہے کہ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے افکار و نظریات کا وہ اس طرح دفاع کرتے ہیں کہ ان پر لگائے گئے الزامات کا جواب بھی ظاہر ہو جائے اور مسلک اہل سنت کا صحیح موقف بھی جلی حروف میں بلا کسی مصلحت کے واضح ہو جائے تاکہ سوادِ

اعظم اہل سنت کے افراد بھی اپنی اصلاح کر کے زمانے میں رائج بدعات ومنکرات سے اجتناب کریں۔

حضرت علامہ کے قلم کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کے قلم کا توازن اُن کے مزاج کی طرح معتدل تھا۔ ان کے اس علمی استقلال و استحکام ہی نے ان کو زمانے میں نہ صرف مقبول ومعروف کیا بلکہ ان کے کثیر الجہات نثری اسلوب کے سبب اہل علم نے ان کو مذہبی نثر کے جدید نہج کا موجد بھی تصور کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ ان کے تمام علمی کاموں کی فہرست دیکھ کر ایک اور خوشگوار انکشاف یہ ہوا کہ وہ کتنی مستقل مزاجی کے ساتھ ایک بامقصد اور کامیاب علمی تحریک کو اپنے دم پر چلانے کے متحمل تھے۔ مولانا مصباحی کتنے کثیر المطالعہ اور وسیع المشاہدہ علمی صلاحیتوں کے مالک تھے، اس کا اندازہ ان کی کتب کی تعداد اور موضوعات کے تنوع سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ انہوں نے نہ صرف مذہب ومسلک کے حوالے سے تحریرات رقم کیں بلکہ ملّی اور سیاسی موضوعات پر بھی بے حد مدلل اور تاریخی حقائق کے پیرائے میں ڈھلی ہوئی قلمی نگارشات رقم فرمائیں۔

حضرت مصباحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف خود کو بحیثیت مؤلف، محقق، مؤرخ اور ناقد اہل سنت وجماعت کا ایک نمائندہ صاحب قلم ثابت کیا بلکہ موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لئے اپنی ذات کو نمونۂ عمل بھی بنایا۔ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ خانقاہِ برکاتیہ ایک علم دوست خانقاہ ہے۔ مشائخ مارہرہ نے علم اور اہل علم کی توقیر اور تالیفِ قلب کو ہر دور میں اپنے لئے مقدم رکھا ہے۔ اس کی تفصیل مضمون کو طویل کردے گی لہٰذا یہاں چند سطروں میں حضرت رئیس التحریر کے مارہرہ سے روابط کو قلم بند کر کے راقم رخصت لے گا۔

حضرت مصباحی صاحب کا تعلق مارہرہ مقدسہ سے قدیم بھی تھا اور قریب بھی۔ اگر میں یہ کہوں کہ حضرت ان چند افراد میں سے تھے جو ارا کین خانوادۂ برکاتیہ کے لئے معتمد اور مستند تصور کیے جاتے ہیں تو یہ حق بجانب ہوگا۔ حضرت احسن العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان کے دورِ حیات سے لے کر اب تک ہم نے ان روابط میں تسلسل ہی تسلسل دیکھا بلکہ مراسم میں خلوص کے سبب خانقاہ میں ان کے مراتب میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ اس کا سب سے بڑا سبب ان کا خلوص نیت اور وفاداری کے ساتھ سنیت کی خدمات انجام دینا تھا۔ خانقاہ برکاتیہ کے اراکین سے ان کا محبت کا رشتہ اور حسن ظن جلسوں اور عرسوں کے اسٹیج تک محدود نہیں تھا بلکہ یوں کہوں کہ وہ جلسوں اور جلوسوں کے تو عادی ہی نہیں تھے، وہ جلوت وخلوت میں خانقاہ برکاتیہ کے روحانی اور علمی مشن کے معترف اور اراکین خانوادۂ برکات کے ہر مثبت اور مفید موقف کے حامی اور معاون تھے۔ فکر وتدبیر کانفرنس ہو یا سالنامہ اہل سنت کی اشاعت یا البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں نوجوان علما کی تحریری میدان میں مہارت حاصل کرنے کی ورکشاپ میں تعاون ہو، ان کو ہر مرحلے اور ہر کام میں پیش پیش دیکھا بلکہ مشیر غالب بھی۔

اہل سنت کی آواز کی اشاعت کے سلسلے میں راقم ان کو اکثر زحمت دیتا تھا۔ موضوعات کا انتخاب ہو یا صاحبان قلم کے ناموں کے انتخاب کا معاملہ ہو حضرت کی جانب سے ہمیشہ کشادہ قلبی کے ساتھ وقت کی فراہمی ہوئی۔ مجھے یاد ہے کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوا کہ ایک ہفتہ کا وقت دے کر ہی گزارش کی جاتی اور مصباحی صاحب اپنے مخصوص انداز میں فرماتے کہ وعدہ نہیں ہے کوشش کروں گا لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے کمزور کوشش کی ہو، وعدہ وفا نہ کیا ہو اور اسی کو دلی وابستگی اور سچی محبت کہتے ہیں جو مخلص عمل سے ظاہر ہوتی ہے ورنہ عقیدت اور محبت کے دعوے کرنا تو لوگوں کا عام مشغلہ ہوتا ہے۔ گزشتہ سالوں میں اکثر حضرت سے گفتگو کا شرف حاصل ہوا۔ بڑی پر لطف اور سہل انداز میں توقف فرما کر گفتگو فرماتے۔ وہ ہر طبقے، ہر عمر اور ہر منصب کے انسان سے گفتگو کرنے پر قادر تھے اور یہ کام وہی کرسکتا ہے جس نے معاشرے کی نبض پر ہاتھ رکھا ہو اور ملنسار ہو، خود سے زیادہ دوسروں سے محبت کرنے والا ہو۔

میری حضرت سے اکثر ملاقات رہتی اور فون پر بھی رابطہ رہتا تھا۔ کبھی بھی ایسا نہ ہوا کہ ان سے کوئی نیا اور دل کو خوش کرنے والا جملہ نہ ملا ہو، کبھی ایسا نہ ہوا کہ انہوں نے خانقاہ شریف کے حوالے سے معلومات میں اضافہ نہ کیا ہو، کبھی ایسا نہ ہوا کہ انہوں نے اہل سنت میں انتشار اور نا اتفاقی کا نوحہ نہ پڑھا ہو اور ملت اسلامیہ اور سنیت کی شیرازہ بندی کی خواہش ظاہر نہ کی ہو۔

خانقاہ برکاتیہ کے اعراس میں خصوصی طور پر عرس قاسمی اور عرس نوری کے موقع پر ان کی شرکت یقینی ہوتی۔ بیت العلماء میں قیام ہوتا۔ بڑا اچھا لگتا ہے کہ عرس قاسمی کے موقع پر بیت العلماء میں علمائے کرام کی ایک کہکشاں سجی ہوتی ہے اور جس میں سیارگان اشرفیہ کثرت سے روشن ہوتے

ہیں، وہیں حضرت مصباحی صاحب اپنی پرلطف اورتازہ ترین واقعات پر مبنی گفتگو سے حاضرین کو متوجہ اور محظوظ کرتے ہوئے مستفید کرتے۔

وہ سوادِاعظم اہل سنت میں اتحاد کے حامی تھے اورتادم آخرکوشاں رہے کہ لوگ اپنے ذاتی مفاد پر ملت اور مسلک کے مفاد کو ترجیح دیں اس کے لئے انہوں نے علمی، قلمی اور عملی کوششیں بھی کی جس کے لئے کچھ ناعاقبت اندیش افراد نے ان کو برا بھلا بھی کہا لیکن انہوں نے وہی کیا جو پڑھے لکھے سمجھدار لوگ جاہلوں کے سلوک پر کیا کرتے ہیں، یعنی خاموش رہنا۔

مولانا مرحوم بین المشارب اتحاد کے کس درجہ خواہش مند تھے اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ جس رسالے کنزالایمان کے مشیر و مدیر اعلیٰ تھے وہ رسالہ شرانگیزیوں اور منفی رویوں سے خود کو بہت دور رکھتا ہے جب پہلی مرتبہ ماہنامہ کنزالایمان نظر نواز ہوا تب دل یہ دیکھ کر باغ باغ ہوگیا کہ اس کے پہلے صفحے پر جو، روحانی سرپرستوں کی فہرست تھی اس میں اہل سنت کے اجل علماء و مشائخ کے نام بلاتعصب بالترتیب دیے ہوئے تھے۔ مجھے ایسی مثال اب تک کسی دوسرے رسالے اور جریدے میں دیکھنے کو نہیں ملی۔ دراصل ایسا کر کے مصباحی صاحب ہماری جماعت کو یہ پیغام دے رہے تھے کہ ان کا نصب العین جوڑنا ہے توڑنا نہیں۔ میں نے ان کے رسالے میں تمام خانقاہوں اور مدارس کی بھرپور نمائندگی دیکھی، نہ کبھی کسی پر چھینٹا کشی دیکھی اور نا ہی اس رسالے کے ذریعے فساد برپا کرنے کے لئے مصرعۂ طرح دیا گیا۔ یقینا یہی وہ تمام اعلیٰ اقدار تھیں کہ جنہوں نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے بڑوں میں انہیں محبوب کیا۔

خاندان برکات میں وہ بے حد مقبول ومعروف تھے۔ خانقاہ شریف کی خوشی اور غم میں شریک وسہیم رہتے۔ حضور احسن العلماء قدس سرہٗ کے دور سے موجودہ دور تک ان کو مارہرہ شریف میں بے حد احترام اور قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھا گیا، بلکہ خانقاہِ برکاتیہ کے افراد نے ان کا اکثر استقبال ''سوادِاعظم کے سفیرِعلم'' کی حیثیت سے بھی کیا۔

پیرومرشد حضور امین ملت دامت برکاتہم العالیہ کو حضرت مصباحی صاحب سے خصوصی لگاؤ تھا اور اب بھی ہے۔ حضرت امین ملت زبان اردو کے استاد بھی ہیں، لہٰذا وہ مصباحی صاحب کے ادبی مرتبہ کو خوب سمجھتے ہیں اور ہمیشہ ہمارے حضرت رئیس التحریر قدس سرہٗ کی علمی جلالتوں کا تذکرہ اعراس اور علمی مجالس میں بے حد خندہ پیشانی سے فرماتے ہیں اور بذات خود ان کی ادبی اور تحریری خدمات کے معترف بھی ہیں۔

خال محترم حضور شرف ملت مدظلہ العالی سے حضرت مصباحی صاحب کے بڑے والہانہ مراسم تھے اور یہ مراسم ہونا فطری بات ہے کیوں کہ ایک صاحب قلم دوسرے صاحب قلم سے محبت ہی کرتا ہے، اگر علم ہی محبت کی بنیاد ٹھہرے۔ خانقاہ میں کبھی بھی کوئی قلمی، تحریری، ملی، سیاسی یا تنظیمی معاملات میں قدم اٹھانے کی بات ہوتی تو حضرت شرف ملت حضرت علامہ یٰسین صاحب کا نام سرفہرست رکھتے۔

جانشین سرکارِنور حضرت رفیق ملت دامت برکاتہم العالیہ کا ہمیشہ سے علماء و مشائخ سے ملاقاتوں کا سلسلہ بے حد مضبوط اور وسیع رہا ہے کیوں کہ حضرت رفیق ملت ہی کے حصے میں مارہرہ مطہرہ میں مسلسل مقیم رہنے اور خانقاہ کے رابطۂ عام کو مضبوط بنانے کی سعادت آئی ہے۔ رفیق ملت ایک سادہ لوح درویش طبیعت انسان ہیں اور اپنے جیسے سادہ طبیعت انسانوں سے بے حد مانوس ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا یہی وجہ ہے کہ حضرت علامہ یٰسین صاحب سے ان کو بے حد محبت اور الفت تھی جس کا برملا اظہار ہوتے ہوئے ہم نے مصباحی صاحب کے پیٹھ پیچھے بھی دیکھا ہے اور خانقاہِ برکاتیہ کے اکابر واصاغر کی یہ محبت مصباحی صاحب سے ان کی سادہ لوحی، منکسر المزاجی اور ان کی مخلص دینی، علمی خدمات کی بنیاد پر تھی جس کا اکثر اعتراف اعراس کے موقع پر اعزازات اور ایوارڈس کے ذریعے بھی کیا گیا، تحریری تقریری سپاس ناموں کے ذریعے بھی کیا گیا اور ان کے علمی کارناموں کا تذکرہ متوسلین ومتعلقین کے مجمعے میں کل بھی ہوتا تھا اور آج بھی ہوتا ہے یعنی مصباحی صاحب کے قلم اور اُن کے دارالقلم دونوں کی پذیرائی خانقاہ برکاتیہ کی جانب سے ہمیشہ ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی ان شاء اللہ۔

ابھی ماضی قریب میں حضرت علامہ یٰسین صاحب سے خانقاہِ برکاتیہ کا یہ رشتہ روحانی طور پر بھی مستحکم اور مضبوط ہوگیا کہ جب خالِ محترم حضور رفیق ملت مدظلہ العالی نے ان کو ان کی مذہبی، دینی، علمی، ملّی اور مسلکی خدمات کے اعتراف اور خانقاہ برکاتیہ سے ان کی محبت، وفاشعاری، نیازمندی اور عملی وابستگی کے سبب جامعہ احسن البرکات میں ختم بخاری کی ایک محفل میں سلسلہ قادریہ برکاتیہ کی خلافت واجازت سے مجاز وماذون فرمایا۔

حضرت علامہ مرحوم ومغفور کی علالت کے دوران دعاؤں کا جو سلسلہ برادر عزیز سید محمد امان میاں، ولی عہد آستانہ برکاتیہ نے ایک تحریک کی شکل میں شروع کیا بلکہ سوشل میڈیا پر دعا کی درخواست کرنے کا ایک معمول سا بنالیا، کیوں کہ امان میاں کو بھی حضرت سے ایک خاص لگاؤ تھا اور ہے۔ خانقاہ کے ہر فرد کو ان کے صحت یاب ہونے کی خواہش تھی کہ حضرت جلد اچھے ہوکر مسند تصنیف پر متمکن ہوجائیں لیکن رب کریم کو ہمارا اور ان کا اتنا ہی ساتھ منظور تھا۔ حضرت علامہ کے ساتھ ساتھ ایک اچھی خاصی علمی ریاست بھی منتقل ہوگئی۔ ان کا نعم البدل لانے میں دعا کے ساتھ ساتھ بڑی مخلص اور متحرک سعی کی ضرورت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے علمی فیضان کو خوب خوب عام فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ جغرافیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

حضرت مصباحی صاحب اپنی یادوں کے نقوش چھوڑ گئے

رئیس التحریر علامہ یٰس اختر مصباحی علیہ الرحمہ (ولادت 12 فروری 1953ء، وفات 7 مئی 2023ء) کی شخصیت اہل علم کے درمیان محتاج تعارف نہیں۔ جماعت اہل سنت کی عبقری شخصیات میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ نے تعلیمی، تبلیغی، ملی اور سیاسی خدمات کے ذریعے سواد اعظم اہل سنت و جماعت کی بہترین نمائندگی کی، آپ کا قلم بہت مضبوط تھا، اسی لئے اہل علم و دانش نے کہا کہ آپ تحریر و قلم کے بادشاہ تھے، آپ نے کئی علمی یادگار چھوڑی ہیں جن سے تشنگان علم استفادہ کرتے رہیں گے۔ آپ کے وصال سے جو، رنج و غم ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ بس یہی دعا ہے کہ اللہ رب العزت جماعت اہل سنت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف سے آپ کا بہت گہرا تعلق تھا، آپ خانقاہ شریف میں ہمیشہ تشریف لاتے اور ارباب خانقاہ سے امت مسلمہ کی تعلیمی، سماجی اور سیاسی صورت حال پر گفتگو فرماتے اور اُن کی بہتری کے لئے مشوروں سے نوازتے، مختلف سیمینار اور میٹنگ میں بھی شرکت کرتے اور اہم اہم گوشوں پر اظہارِ خیال کرتے۔ جامعہ احسن البرکات کے اساتذہ اور طلبہ پر بڑی شفقت فرماتے، علم و عمل اور فکر و دانش کے حوالے سے نصیحت فرماتے۔ البرکات علی گڑھ میں اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ سینٹر کا قیام عمل میں آیا تو بہت خوش ہوئے اور دعاؤں سے نوازا۔ ایسی شفقت فرماتے کہ ایک گزارش پر تشریف لے آتے اور مضمون نگاری جو کہ طلبہ کے تربیتی کورس کا ایک اہم حصہ ہے اُس کے تحت ہمارے طلبہ کے مضامین چیک کرتے اور تحریر و قلم کے میدان میں ان کی بہترین رہنمائی کرتے۔

حضرت کی محفل میں جب بھی بیٹھنے کا اتفاق ہوتا تو دین وسنیت کی خدمات کے حوالے سے روشن ہدایات ملتیں اور اپنی عالمانہ گفتگو سے ہماری پیچیدہ افکار کی گتھیاں سلجھاتے اور ہمارے علم میں اضافہ فرماتے۔ حضرت تو چلے گئے لیکن ہمارے قلب وجگر پر اپنی یادوں کے نقوش چھوڑ گئے۔

یہ بڑے فکر کی بات ہے کہ اکابر علمائے کرام ہمارے درمیان سے رخصت ہورہے ہیں اور قابل علما کم پیدا ہورہے ہیں، اس لئے پوری امت مسلمہ سے میری گزارش ہے کہ اپنے گھر یا خاندان میں ضرور عالم بنائیں، جب قابل اور باصلاحیت علما پیدا ہوں گے تو اِن علما کے رخصت ہونے کا غم کچھ ہلکا ہوسکے گا، اور علما پیدا کرنا ہی ان کے لئے بہترین خراج عقیدت ہوگا۔

فقیر خادم خانقاہ برکاتیہ آپ کے پسماندگان اور متعلقین کو پرسہ دیتے ہوئے صبر واجر کی تلقین کرتا ہے اور بلندی درجات کے لئے دعا گو ہے۔

سوگوار و غم زدہ: سید محمد امان قادری، ولی عہد سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف، ایٹہ یوپی

مولانا یٰسین اختر مصباحی: ہمارے عہد کا مفکر

زمانہ طالب علمی میں ایک معروف ادارے کا اشتہار نگاہ سے گزرا تھا جس میں ایک مولانا صاحب کو شہنشاہ فکر و تدبر لکھا ہوا تھا۔ اُن صاحب کے حدود اربعہ سے زمانہ واقف تھا پھر بھی ایک معتمد ادارہ کے اشتہار میں ایسے شخص کو فکر و تدبر کا شہنشاہ لکھا دیکھ کر افسوس ہوا کہ جو لوگ فکر کی شہنشاہی تو

کجا اُس کے سایہ سے بھی کوئی علاقہ نہ رکھتے ہوں اُنہیں اتنا بڑا لقب دینا، ملت اور لفظوں کے ساتھ بھدا مذاق نہیں تو اور کیا ہے۔

فکر صرف ایک لفظ نہیں بلکہ انسانی غور وفکر کے اس نتیجے کا نام ہے جسے انسان مسلسل غور وفکر کرنے کے بعد حاصل کرتا ہے۔فکر اُس سوچ کو کہتے ہیں جس کے اندر انفرادی اور اجتماعی امور میں تبدیلی لانے کی قوت موجود ہو۔حضرت امام غزالی کے نزدیک فکر وتدبر دو معرفتوں کو دل میں اس طرح جگہ دینا ہے کہ تیسری معرفت حاصل ہوجائے، جب کہ مناطقہ کے نزدیک فکر، امورِ معلومات کو اس طرح ترتیب دینا ہے جس کے ذریعے امورِ مجہولات کا علم حاصل ہوجائے۔بہر صورت فکر کا لفظ اُنہی حضرات کی قامت زیبا پر جچتا ہے جن کے پاس ایسا ذہن ہو جو نہ صرف گرد وپیش کے حالات کا اندازہ لگا سکے بل کہ اپنے وقت سے آگے کے معاملات کو بھی پہچان سکے۔

کسی بھی قوم/ جماعت/تحریک اور ادارہ کے لئے فکر کی وہی اہمیت ہوتی ہے جو جسم کے لئے روح کی ہوا کرتی ہے۔جس طرح بغیر روح کے جسم کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔اسی طرح جس قوم/ جماعت اور تحریک کے پاس فکر رسا اذہان نہ ہوں دنیا میں اس قوم کی وقعت سلامت رہتی ہے نہ وقار! ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں:

قوت فکر وعمل پہلے فنا ہوتی ہے ۔۔۔ پھر کسی قوم کی شوکت پہ زوال آتا ہے

اس لیے کسی قوم کی ترقی وتنزلی کا اندازہ لگانا ہو تو یہ دیکھ لیا جائے کہ اس قوم میں فکر وتدبر رکھنے والے افراد ہیں کہ نہیں، ہیں تو کتنے اور قوم ان کا کتنا اور کیسا استعمال کرتی ہے؟ انہی چند امور سے کسی بھی قوم اور جماعت وتحریک کا سارا حال معلوم ہوجائے گا۔خوش نصیب ہوتی ہیں وہ قومیں جنہیں ایسے افراد میسر ہوتے ہیں جن کے پاس خداداد فکر کی دولت ہوتی ہے۔مولانا یاسین اختر مصباحی (1953-2023) انہی چنندہ افراد میں شامل ہیں جو بارگاہ ایزدی سے فکر وتدبر کی گراں مایہ دولت لے کر پیدا ہوئے۔تعلیم وتدریس اور تجربات کی بھٹی میں تپ کر یہ جوہر مزید نکھرا پھر اُسی کی روشنی میں اس مرد حریت نے زندگی کی آخری سانس تک قومی وقار اور ملی سربلندی کا کارنامہ انجام دیا اور اپنے عہد میں وہ ایک اسلامی مفکر کے طور پر مشہور ہوئے جو، ان کی قامت زیبا پر جچتا بھی تھا۔

فکر اسلامی کیا ہے؟ فکر اسلامی کو سمجھنے کے لئے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ فکر کی تشکیل کیسے ہوتی ہے اور اس کے بنیادی عناصر کیا ہوتے ہیں۔کسی بھی فکر کی تشکیل میں دو چیزیں بنیادی ہوتی ہیں جو اس فکر یا نتیجہ فکر کو ایک شناخت اور پہچان فراہم کرتی ہیں:

1۔وہ موضوع جس پر غور وفکر کرنے کے بعد انسان کسی نتیجہ تک پہنچا ہو۔

2۔وہ بنیاد جس پر غور وفکر کی پوری عمارت قائم ہو۔

اگر کوئی شخص سیاست سے متعلق غور وفکر کر کے کوئی نتیجہ یا خلاصہ پیش کرتا ہے تو اُسے اس شخص کی سیاسی فکر کہا جائے گا۔اسی طرح اگر کسی نے معاشیات کے متعلق کوئی فکر پیش کی تو اُسے معاشی مفکر کہا جائے گا۔اس غور وفکر کے لئے انسان جن مصادر ومراجع کا استعمال کرتا ہے وہ مصادر اس کی نسبت کے طور پر استعمال ہوں گے۔مثلاً کوئی شخص کسی قوم کے متعلق غور وفکر کرتا ہے تو وہی اس کی پہچان اور نسبت بن جاتی ہے۔اگر کسی مفکر کا انحصار بھارتی تناظر میں دلت قوم کے اردگرد ہے تو اُس شخص کو دلت مفکر (दलित चिंतक) کہا جاتا ہے۔اسی طرح پس ماندہ قوموں کے مفکر ओबीसी चिंतक کہلاتے ہیں۔بس اسی طرح جو مفکر، ملت اسلامیہ کے امور پر غور وفکر کرتا ہے تو یہ فکر، فکر اسلامی اور وہ مفکر، مفکر اسلام کہلاتا ہے۔

ہمارے عہد کا مفکر: مولانا یاسین اختر مصباحی بلاشبہ ہمارے عہد کے مفکر ومدبر تھے جنہوں نے نہ صرف اپنے عہد کی ضرورتوں کا بروقت ادراک کیا بل کہ اپنی فکری بصیرت وتدبر سے ضرورتوں کو پورا بھی کیا۔ان کے فکر رسا ذہن ہی کا کمال تھا کہ ستّر سالہ زندگی میں کئی مواقع ایسے آئے جب انہوں نے اپنی فکری بصیرت کا استعمال کرتے ہوئے پوری قوم کے ذہن وفکر کو متاثر کیا۔کئی بڑے کارنامے انجام دِیے اور دِلائے۔یہ بلاشبہ ان کی بصیرت مندانہ فکر ہی کا کمال تھا۔یوں تو مصباحی صاحب کی پوری زندگی فکر وتدبر سے عبارت ہے لیکن ہم اختصار کے پیش نظر چنندہ نظائر ہی پیش کرتے ہیں تاکہ ایک عام قاری بھی کم وقت میں ان کے فکری خدوخال سے اچھی طرح واقف ہوجائے۔

مصباحی صاحب کی زندگی میں تین ایسے موڑ آئے جب انہوں نے اپنی فکری قوت کا استعمال کر کے پوری قوم کی جانب سے فرض کفایہ ادا کیا

اور پوری قوم کو ایک فکری نکتے پر لا کھڑا کیا۔اُن مواقع پر جن موضوعات پر کام ہوا وہ یہ تھے:

1۔امام احمد رضا کی ذات سے الزام بدعات کا ازالہ

2۔فضل حق شناسی مہم (تحریک اسلاف شناسی)

3۔سرکاری صوفیا سے قوم کی حفاظت

آئیے اب اِن کی قدرے تفصیل بھی جان لیں تا کہ مصباحی صاحب کی فکر اور اثر پذیری کا اندازہ لگانے میں دشواری نہ ہو۔

ذات رضا اور ازالہ الزام: امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (1272-1340) چودہویں صدی کے وہ مرجع اَنام عالم دین تھے جن کے فکر و فن نے برصغیر کے ساتھ ساتھ اہل عرب کو بھی متاثر کیا۔آپ کی علمی گہرائی و گیرائی اور فکری جولانیت پر ہزار سے زائد کتابیں شاہد ہیں۔آپ کے نوک قلم سے جہاں فقہ و افتا کی تب و تاب میں اضافہ ہوا، وہیں ایک طبقے کا ناطقہ بھی بند ہوا۔یہ وہ طبقہ تھا جس نے الوہیت کی آڑ میں تنقیص رسالت کا مذموم اور گھناؤنا کام انجام دیا۔امام احمد رضا نے جہاں فقہی گتھیوں کو سلجھایا وہیں ناموس رسالت کی پاسبانی کا مقدس فریضہ بھی انجام دیا۔اسی فریضے کی انجام دہی میں وہ گروہ آپ کے قلم کی زد پر آیا جو اہانت مصطفےٰ کا بازار گرم کیے ہوئے تھا۔تمام تر کوششوں کے بعد بھی جب قلم کی برق رفتاری کا مقابلہ نہ کیا جا سکا اور گلو خلاصی نہ ہوسکی تو امام احمد رضا کی ذات کو مشکوک بنانے کے لئے جھوٹے پروپیگنڈے کا سہارا لیا گیا اور عوام میں بے سر و پا باتیں پھیلائی گئیں:

1۔بدعات و منکرات کا حامی و ناصر کہا	2۔تکفیر مسلم کا الزام دیا گیا	3۔مبتلائے کفر و شرک کہا گیا
4۔انگریز نوازی کا الزام دیا	5۔نئے فرقے کا بانی کہا گیا	

اس طرح کے درجنوں الزامات اور جھوٹے پروپیگنڈے کے بل پر علمی دنیا میں یہ جھوٹ اتنی کثرت اور شدت کے ساتھ پھیلایا گیا کہ ایک بڑا طبقہ یہ مان بیٹھا کہ واقعی امام احمد رضا نے بدعات و منکرات کی اشاعت و حمایت کی ہے۔ویسے تو یہ کام غیر منقسم بھارت میں بھی جاری تھا لیکن تقسیم وطن کے بعد جب اس گروہ کو کانگریسی سرپرستی حاصل ہوئی تو امام احمد رضا کے خلاف مہم میں بلا کی شدت آئی۔مشہور کانگریسی لیڈر مولانا حسین احمد مدنی (سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) نے اپنی کتاب الشہاب الثاقب میں کذب و خیانت کے وہ گل کھلائے کہ خدا کی پناہ! اب تک اس جماعت نے جو کیا سو کیا لیکن مدنی صاحب نے دس ہاتھ آگے جاتے ہوئے فرضی کتابیں اور مطبع تک گڑھ ڈالے اور انہیں سے فرضی اقتباسات تیار کیے۔مزید اپنی مادری زبان میں کلام کرتے آپ کو چھ سو گالیاں بھی دیں۔اس طرز عمل سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امام احمد رضا کے خلاف پروپیگنڈے کی شدت اور نفرت کا عالم کیا تھا۔ایسے وقت میں ضرورت تھی کہ سنجیدہ اور علمی اسلوب میں عصری تقاضوں کے مطابق ازالہ الزام کا کام کیا جائے۔قدرت نے اس کام کے لیے کئی خوش نصیبوں کو منتخب کیا۔انہی خوش نصیبوں میں پاکستان سے پروفیسر محمد مسعود احمد نقش بندی اور بھارت سے مولانا یاسین اختر مصباحی کا نام نمایاں اہمیت کا حامل ہے۔اِس مقام پر علامہ ارشد القادری کا یہ تبصرہ بڑا حقیقت پسندانہ ہے:

''اِس گراں قدر خدمت (ذات رضا سے ازالہ الزام) کے لئے پاکستان میں پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب مجددی مظہری اور ہندوستان میں حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی کو قدرت نے ایسا لگتا ہے چُن لیا ہے۔'' (تقدیم علامہ ارشد القادری بر امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات ص30 مطبع دارالقلم دہلی)

مولانا یاسین اختر مصباحی نے امام احمد رضا پر لگائے گئے جھوٹے الزامات کے رد میں ''امام احمد رضا۔اور۔رد بدعات و منکرات'' نامی کتاب لکھی۔ہمارے پاس اس کتاب کے دو نسخے ہیں۔ایک رضا اکیڈمی ممبئی اور دوسرا دارالقلم/ رضوی کتاب گھر دہلی کا۔نسخہ اول 2008 جبکہ نسخہ ثانی 2009 میں شائع ہوا۔نسخہ اول میں نگاہ اولیں کے نام سے مولانا یاسین اختر مصباحی نے جو تحریر لکھی ہے، اس میں 16 اکتوبر 1980 کی تاریخ درج ہے۔علامہ محمد احمد مصباحی صاحب نے تقریب کے نام سے جو تحریر لکھی ہے اس میں بھی تاریخ 1400ھ مطابق 1980 ہی لکھی ہے۔اس سے لگتا ہے شاید یہ کتاب پہلی مرتبہ 1980 میں شائع ہوئی۔جب کہ دارالقلم دہلی سے شائع شدہ نسخے میں اس کا پہلا سن اشاعت 1981 لکھا ہوا

ہے۔اس فرق کی وجہ شاید یہ ہو کہ مصباحی صاحب نے نگاہ اولیں 16 اکتوبر 1980 کو لکھی لیکن کسی وجہ سے شاید نومبر دسمبر میں کتاب کی اشاعت نہ ہوسکی اور اگلے ہی مہینے میں سال تبدیل ہوگیا۔اس طرح غالباً یہ کتاب پہلی مرتبہ 1981ء ہی میں منظر عام پر آئی۔حالانکہ اس کتاب کا خاکہ 1975 میں تیار ہو چکا تھا اور 1978 میں یہ گراں قدر کام مکمل ہوگیا لیکن اشاعت کی منزل تک پہنچنے میں مزید دو سال لگ گئے۔علامہ محمد احمد مصباحی لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات کا خاکہ پانچ برس پہلے تیار ہوا۔مؤلف محترم نے حصہ دوم رد بدعات ومنکرات کا مسودہ بھی انہی دنوں تیار کرلیا پھر خیال ہوا کہ امام احمد رضا کی خدمات اور علوم ومعارف کا بھی تذکرہ شامل ہو۔یہ کام وقتاً فوقتاً ہوتا رہا اور جہاں تک مجھے یاد آتا ہے تین سال پہلے اس کی تکمیل ہوگئی۔'' (تقریب بر کتاب امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات ص45 مطبع دار القلم دہلی)

علامہ محمد احمد مصباحی نے یہ تحریر 1980 میں لکھی تھی جس میں آپ نے بتایا کہ کتاب ہذا کا خاکہ پانچ سال قبل یعنی 1975 میں تیار اور تین سال بعد یعنی 1978 میں کتاب کی تکمیل ہوگئی۔علامہ محمد احمد مصباحی کی بات کی تائید پروفیسر مسعود احمد کی تقدیم سے بھی ہوتی ہے جس پر 16 اپریل 1978 کی تاریخ درج ہے، یعنی 1978 میں یہ کتاب مکمل ہو چکی تھی۔

یہ ساری تفصیلات ہم نے اس لیے درج کی تاکہ قارئین مولانا یاسین اختر مصباحی کی فکری گہرائی کا اندازہ کرسکیں۔مصباحی صاحب کا سن پیدائش 1953ء ہے۔کتاب کا خاکہ 1975 میں بنا، اس وقت آپ کی عمر 22 سال تھی، 1978 میں کتاب مکمل ہوئی تو اُس وقت عمر کے پچیس سال پورے ہو چکے تھے۔یعنی جس وقت یہ کتاب منظر عام پر آئی، مصنف کتاب ایک نوعمر نوجوان تھے۔اس نوعمری میں لکھی گئی کتاب نے حاسدین کے برسوں کے پھیلائے ہوئے پروپیگنڈے کا پردہ بری طرح سے چاک کیا۔جن علمی حلقوں میں امام احمد رضا کی ذات کے متعلق بدگمانیاں پائی جاتی تھیں اس کتاب نے ان تمام بدگمانیوں کو دور کیا۔حقیقت وسچائی کے سورج نے مکروفریب کے بادلوں کو اڑا کر رکھ دیا۔رئیس القلم علامہ ارشد القادری نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

''اس مقام پر حضرت مصنف کی قلمی فراست اور فکری شعور کو داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کتاب کا یہ نام (امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات) رکھ کر انہوں نے ایک بہت بڑے جھوٹ کا پردہ فاش کیا ہے۔ایک ایسا جھوٹ جو اتنی بار دہرایا گیا اور اتنی قوت سے دہرایا گیا کہ لوگوں کو اُس پر سچ کا گمان ہونے لگا۔'' (تقدیم بر کتاب ہٰذا ص30)

اختتامہ پر لکھتے ہیں: ''حضرت مصنف نے یہ کتاب لکھ کر ایک عظیم الشان خدمت انجام دی ہے اور اب ہمیں امید ہی نہیں بل کہ یقین ہے کہ وہ......دین وملت کی گراں قدر خدمات کا دائرہ وسیع کر کے وہ توقعات پوری کرسکیں گے جو قوم نے ان سے وابستہ کر رکھی ہیں۔'' (ایضاً ص37)

پچیس سال کی عمر میں لکھی گئی جس کتاب کو جماعت کے صف اول کے مفکرین ومصنفین نے اس قدر سراہا ہو۔فاضل مصنف کے فکری شعور کی داد دی ہو اور ملی توقعات باندھ لی ہوں، یقیناً اُس نوجوان میں ضرور ایسا کچھ تھا کہ وہ عہد شباب ہی میں اکابرین کی نگاہوں کا تارا بن چکا تھا اور اس کی کتاب ازالہ الزام کے حوالے سے میل کا پتھر ثابت ہو چکی تھی۔یہی وجہ تھی کہ کتاب کی اشاعت کے پانچ سال بعد جانشین مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ مفتی اختر رضا قادری ازہری نے اس کتاب کی تقریظ لکھتے ہوئے تحریر فرمایا تھا:

''آپ نے اپنی اس تصنیف لطیف کے ذریعے ایک عظیم علمی اور مذہبی خدمت انجام دی ہے........مولائے کریم اس کتاب کو شرف قبول سے نوازے اور آپ کو برکات دارین سے بہرہ مند اور مدارج عالیہ پر فائز فرمائے۔'' (تقریظ بر کتاب ہٰذا ص11)

تاج الشریعہ کی دعا بارگاہ مولیٰ میں قبول ہوئی اور اس کتاب کو مقبولیت عامہ کا درجہ حاصل ہوا۔ہندو پاک سے اس کے درجنوں ایڈیشن شائع ہوئے اور اب تک یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔

کتاب کی اثر پذیری: اس کتاب نے دانش وران کو کس حد تک متاثر کیا، اس پر کافی کچھ لکھا جاسکتا ہے لیکن یہاں مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ایک مثال لکھی جاتی ہے جس سے قارئین اس کتاب کی اثر پذیری کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔دہلی میں ہمارے ایک عزیز ایم حسنین

صاحب (MBA) رہائش پذیر ہیں۔عمر تقریباً 65 سال اور آبائی وطن جمشید پور ہے۔ جارج شیٹ اور دی میڈیا پروفائل جیسے ہفت روزہ اخبار کے ایڈیٹر رہے ہیں۔فی الحال ایک ملی اور سیاسی تنظیم قومی پارٹی آف انڈیا کے صدر ہیں۔موصوف oratory colub of English اور ایک لا سینٹر کے ڈائریکٹر بھی ہیں۔آپ نے اس کتاب کی اثر پذیری سے متعلق مجھ سے بیان کیا:

''نعیمی صاحب! میں ایک خانقاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔میرے والد علامہ ارشد القادری کے مصاحبین اور فیض العلوم جمشید پور کے اولین خدمت گاروں میں سے ایک تھے۔گھر کا پورا ماحول خالص سنی ماحول تھا۔گھریلو ماحول اور خاندانی روایات ہماری زندگی میں بھی اسی طرح شامل تھیں جس طرح کسی بھی سنی گھرانے میں ہوا کرتی ہیں لیکن جب میں جاب کے سلسلے میں دہلی آیا اور kirloskar کمپنی میں بڑے عہدے پر مقرر ہوا۔اُس وقت میرے حلقہ احباب میں بڑے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات تھے۔دوست واحباب کے ہمراہ دہلی کے مزارات پر جانا ہوتا تو آستانوں کی خرافات سے پالا پڑتا جسے دیکھ کر بڑی کڑھن ہوتی۔دوستوں میں تبصرہ بازی ہوتی کہ بھئی یہ ساری بدعات مولانا احمد رضا خاں کی دین ہیں۔انہوں نے ہی اپنی قلمی مہارت کے ذریعے مزارات، کرامات اور تصرفات کے نام پر ہر بدعات کو جائز کر دیا ہے۔ابتداً میں اس کی تردید کرتا لیکن آہستہ آہستہ مجھے بھی یہ لگنے لگا کہ واقعی ان بدعات کے سب سے بڑے حامی اور مددگار مولانا احمد رضا ہی ہیں کیوں کہ خانقاہی مراسم ومعمولات کے ثبوت میں ہر جگہ فاضل بریلوی ہی کے حوالے سننے کو ملتے۔حالانکہ ہمیں خود پڑھنا چاہیے تھا کہ مگر ملازمت کی بھاگ دوڑ میں اتنا موقع نہیں ملتا کہ باضابطہ پڑھ کر چیزوں کو سمجھا جائے، آنکھ بدعات دیکھتی گئی، کان بدعات کے بارے میں سنتے رہے اور اس طرح میرا دل امام احمد رضا سے بدظن ہوتا گیا۔

شاید ہماری تقدیر اچھی تھی کہ ایک بار ایک مکتبے پر مولانا یاسین اختر مصباحی کی یہی کتاب نظر آئی۔عنوان دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ جس شخصیت نے پوری زندگی بدعات ومنکرات کی حمایت وحفاظت کی ہو، اُس نے کب اور کہاں بدعات کا رد کیا تھا؟ خیر کتاب خریدی اور مطالعہ شروع کیا، جوں جوں کتاب پڑھتا گیا دل کی دنیا پر لگے، بدگمانی کے جالے صاف ہوتے گئے۔کتاب پوری بھی نہ ہوسکی تھی کہ دل سے بدظنی اور بدگمانی کا سارا اندھیرا دور ہو چکا تھا۔

پہلی بار معلوم ہوا کہ پروپیگنڈہ کس طرح پڑھے لکھے لوگوں تک کو اپنا شکار بناتا ہے اور کس طرح دن کے اجالے میں سچائیوں کا خون کیا جاتا ہے۔اللہ بھلا کرے مولانا یاسین اختر مصباحی کا کہ جن کی بدولت مجھ جیسا باغی مزاج انسان راہ راست پر لوٹا اور ایک عالم ربانی کے متعلق سوءظنی سے توبہ کی۔بعدہ میں نے یہ کتاب دیگر دوستوں تک بھی پہنچائی۔جہاں جہاں یہ کتاب پہنچی حقیقت وصداقت کا اجالا پھیلا۔لوگوں نے سابقہ رائے اور نظریے سے رجوع کیا۔بعض لوگ رجوع تو نہ کر سکے لیکن بدعات ومنکرات کے حوالے سے ان کی الزام تراشیاں بند ہوگئیں۔میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر مولانا مصباحی اس کے علاوہ کچھ بھی نہ لکھتے تب بھی یہی ایک کتاب ان کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ کہلانے کے لائق تھی۔''

اِس اقتباس کے بعد کتاب کی اثر پذیری کے تعلق سے کچھ کہنے کی حاجت نہیں رہ جاتی، ایسے کتنے ہی افراد ہیں جنہوں نے اپنی فکر کا قبلہ اسی کتاب کی رہنمائی میں درست کیا۔اس کتاب کا سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اس نے تعلیم یافتہ طبقے کی ذہنی تطہیر کا کام انجام دیا جس کی وجہ سے کتنے ہی افراد کو امام احمد رضا کی پاکیزہ فکر سے استفادہ کا موقع ملا اور انہیں مدینہ طیبہ سے عشق وعرفان کی نسبت رکھنے کا شرف حاصل ہوا۔

اس کتاب کے علاوہ آپ نے امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، بارگاہ خواجہ میں امام احمد رضا کی حاضری، فقہ حنفی اور امام احمد رضا، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، انگریز نوازی کی حقیقت جیسی کتابیں لکھ کر آپ کی ذات پر لگائے گیے الزامات کے تاروپود بکھیر کر رکھ دئے۔آپ کی قلمی کاوشوں نے عصری اداروں میں پیر پسارے بیٹھے جھوٹے پروپیگنڈے کا ہر تار اکھاڑ دیا اور آج امام احمد رضا کی تصنیفات وتعلیمات سے عصری دانش وران بھی افادہ واستفادہ کر رہے ہیں۔اس بڑی تبدیلی میں یوں تو کتنے ہی افراد کی محنتیں اور کاوشیں شامل ہیں لیکن مولانا یاسین اختر مصباحی خصوصی اہمیت کے حامل ہیں کہ ان کے مسلسل قلمی جہاد نے جھوٹ کے بادل دور کیے اور سچائی کا چراغ روشن کیا۔

فضل حق شناسی مہم: قائد حریت علامہ فضل حق خیرآبادی (متوفی 1861ء) وہ بطل جلیل ہیں جن کے فتوی جہاد نے ایک وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیادوں کو ہلا دیا تھا۔اگر منافقین کا مکر اور اپنوں کی بے اعتنائی نہ ہوتی تو شاید بھارت کی تقدیر غلامی کے داغ سے آلودہ نہ ہوتی۔انقلاب

1857 تاریخ ہند کا وہ موڑ ہے جہاں ظالم وغاصب انگریزوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑی گئی۔اس لڑائی کے بنیادی کرداروں میں ایک نام علامہ فضل حق خیر آبادی کا بھی ہے۔عبدالشاہد شیروانی علی گڑھی کا یہ اقتباس آج بھی جنگ آزادی کے اس دور کا بہترین نقشہ کھینچتا ہے، لکھتے ہیں:

’’علامہ فضل حق خیر آبادی سے جنرل بخت خاں ملنے پہنچے۔مشورے کے بعد علامہ نے ترکش سے آخری تیر نکالا۔بعد نماز جمعہ جامع مسجد دہلی میں علما کے سامنے تقریر کی، فتوی پیش کیا۔مفتی صدرالدین آزردہ صدرالصدور دہلی، مولوی عبدالقادر، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبرآبادی، سید مبارک شاہ رام پوری نے دستخط کیے۔اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش بڑھ گئی۔دہلی میں نوّے ہزار سپاہ جمع ہوگئی تھی۔‘‘

حالانکہ ابتدائی کامیابی کے بعد آزادی کے جیالوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا جس کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے وہ ظلم وستم کیے جس کے ذکر سے آج بھی تاریخ کے صفحات خون خون ہیں۔آخری مغل تاج دار بہادر شاہ ظفر کے شہزادوں کا سر کاٹ کر طشت میں سجا کر شہنشاہ کو پیش کیا گیا۔توپ کے منہ پر باندھ کر اڑا دیا گیا۔پیڑوں سے باندھ کر زندہ جلایا گیا۔پھانسیاں دی گئیں اور علامہ فضل حق خیر آبادی کو سزائے کالا پانی دی گئی۔جہاں اس قدر اذیتیں دی گئیں کہ انسان کی روح تک کانپ جائے۔کئی مرتبہ کوشش کی گئی کہ آپ فتوی جہاد واپس لے لیں یا کم از کم اظہارِ ندامت یا اظہارِ لاتعلقی ہی کر دیں لیکن بطل حریت نے عزیمت کو رخصت پر ترجیح دی اور انگریزی ظلم وستم سہتے ہوئے اگست 1861 میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔خیر آباد کی زمین پر پیدا ہونے والا یہ امام حریت کالا پانی جیل کے باہر ہمیشہ کے لیے محو آرام ہوگیا۔اسی کے ساتھ انقلاب 1857 کی ساری مہم بھی دفن ہوگئی۔اس ناکام جنگ آزادی کے بعد کوئی ہاتھ ایسا نہ تھا جو ظلم کی کلائی تھامنے کا جگرا رکھتا ہو۔اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے پورے طور پر ملک کو اپنی تحویل میں لے لیا اور بھارت پر تاج برطانیہ کا قبضہ ہوگیا۔

اس لڑائی کے ٹھیک نوّے سال بعد بھارت کو آزادی ملی۔اس آزادی کے لئے بھی بھارت کے سپوتوں نے بڑی جدوجہد کی۔اسے تاریخ کا المیہ کہا جائے کہ اسلام اور مسلمانوں سے تعصب کا اظہار، یہ کہ آزاد بھارت میں جتنی اہمیت اور توجہ 1947 کی تحریک کو دی گئی اور دی جاتی ہے، اس کا عشر عشیر بھی انقلاب 1857 کے حصے میں نہیں آیا جب کہ انقلاب 1857 کسی بھی طور پر 1947 کی تحریک سے کم نہیں بل کہ ہر اعتبار سے اس سے بڑھ کر ہے۔یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ انگریزوں کے خلاف یہی ایک لڑائی اصل لڑائی اور جنگ تھی جس میں تیر وتلوار اور ہتھیاروں کا استعمال باقی انفرادی لڑائیاں تھیں یا جمہوری نظام کے تحت کی گئی کاروائیاں تھیں۔مولانا یاسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

’’1857ء اور 1947ء کی صحیح تاریخ سے بیش تر اہل ہند و پاک ناواقف ہوتے جا رہے ہیں حتی کہ ان دونوں کے فرق اور ان کے اثرات وغیرہ کا بھی اُنھیں بل کہ اچھے اچھے علما اور دانش وروں کو بھی علم نہیں، یا بہت سرسری اور سطحی علم ومطالعہ ہے۔1857 میں باضابطہ عملی جنگ ہوئی اس لیے اُسے جنگ آزادی کہنا زیادہ مناسب ہے بل کہ ضروری ہے جب کہ 1947 سے قبل بیان وقرارداد واحتجاج ومظاہرہ کی سیاست ہوئی، اس لئے اسے تحریک آزادی کہنا زیادہ مناسب ہے۔‘‘(ممتاز علمائے انقلاب 1857 ص18 مطبع دارالقلم دہلی)

ہمیں یاد نہیں پڑتا کہ مولانا یاسین اختر مصباحی سے قبل کسی مؤرخ نے 1857 اور 1947 کی جدوجہد کے درمیان اتنا دانش ورانہ اور حقیقت پسندانہ فرق ظاہر کیا ہو۔یہ یقیناً مصباحی صاحب کی بالغ نظری اور دور اندیشی ہی تھی کہ آپ نے دونوں دور کے لیے جنگ آزادی اور تحریک آزادی جیسی حقیقت پسندانہ تعبیر وضع کی۔اہل علم وقلم کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان اصطلاحی تعبیرات ہی کا استعمال کرے تاکہ نسل نو تک ہماری تحریک کا تعارف صحیح طور پر پہنچے۔

سن 2007 میں انقلاب 1857 کے 150 سال مکمل ہوئے جس کے لیے مصباحی صاحب نے اسے بڑے پیمانے پر منانے کا بیڑا اٹھایا۔اس سلسلے میں مفتی اعظم اکیڈمی دہلی نے اکیس مئی 2007 کو غالب اکیڈمی دہلی میں جشن آزادی کنونشن کا انعقاد کیا۔اس کے بعد اُسی نہج پر ممبئی اور لکھنؤ میں بھی ایسی تقریبات منعقد کی گئیں۔سال 2011 میں علامہ فضل حق خیر آبادی کے وصال کو ڈیڑھ سو سال پورے ہو رہے تھے، اس لیے علامہ کے فکر رسا ذہن نے اُس سال کو ’’فضل حق شناسی مہم‘‘ کا نام دیا اور حکومت کو مجاہدین آزادی کی خدمات کا نوٹس لینے کے لیے بڑی حکمت عملی کے ساتھ نہایت سنجیدہ پروگرام ترتیب دیے گئے۔مصباحی صاحب اچھی طرح جانتے تھے کہ کسی بھی تحریک کی مضبوطی کے لیے دو چیزوں کا ہونا

بے حد ضروری ہے؛

اول لٹریچر کا ہونا۔ دوسرے اس کی تشہیر وتعارف: اِن دونوں میں بھی لٹریچر کو اولیت حاصل ہے کیوں کہ جب تک بتانے کے لیے کوئی مواد نہ ہو، تب تک تشہیر وتعارف بے معنی اور بے مقصد ہے۔ جب کچھ پاس ہی نہ ہو تو تعارف کس چیز کا کرایا جائے اور کس چیز کی تشہیر ہو؟ اس لیے مصباحی صاحب نے اس اہم کام کا بیڑا خود اٹھایا اور اپنے زرنگار قلم کو جو حرکت دی تو قلم ایسا چلا کہ چند ہی ماہ کے اندر ممتاز علمائے انقلاب 1857 (صفحات 208 اشاعت اُول) 1857 پس منظر وپیش منظر (صفحات 304) قائدین جنگ آزادی 1857 (صفحات 56) علامہ فضل حق اور انقلاب 1857 (صفحات 208) جیسی تحقیقی کتابیں لکھ ڈالیں۔ یہ ساری کتابیں ایک ہی سال کے اندر معرض تحریر میں آئیں۔ اس سے آپ مصباحی صاحب کی رفتار اور مقصد کے تئیں ان کی لگن، دُھن اور دیوانگی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

لٹریچر کا کام ہو چکا تھا، اب ضرورت تھی کہ اس لٹریچر کو سامنے رکھ کر ملکی سطح پر تعارف وتشہیر کی مہم شروع کی جائے۔ مصباحی صاحب اس حوالے سے ساری منصوبہ بندی کر چکے تھے، آپ نے اس کے لیے اولاً اخبارات وسائل میں مضامین لکھنے اور لکھوانے کا کام کیا۔ دہلی، ممبئی، کلکتہ جیسے شہروں میں سیمینار/سمپوزیم اور عوامی جلسوں کا انعقاد کرایا۔ اس سال مدارس میں ہونے والے جلسوں کا مرکزی عنوان علامہ فضل حق خیرآبادی کی ذات کو بنانے کی اپیل کی گئی جس پر جماعت کی جانب مثبت جواب ملا اور اس طرح بڑے اجلاس سے چھوٹے اور درمیانی سطح کے جلسوں میں بھی علامہ فضل حق کے نام کی گونج سنائی دینے لگی۔ اس طرح سال 2011 پوری طرح علامہ فضل حق خیرآبادی کے نام رہا۔ یہ بلاشبہ مولانا یاسین اختر مصباحی کے فکر وتدبر اور ان کے اخلاص ہی کا اثر تھا کہ پورے ملک میں فضل حق شناسی کی گونج سنائی دی، حتی کہ مسلکی اختلاف کے باوجود طبقہ دیوبند نے بھی کئی مقامات پر علامہ فضل حق پر اجلاس کر کے اس مہم میں شرکت کی۔ اگرچہ اس کے پیچھے ان کے سیاسی مقاصد تھے، لیکن ایک مفکر کی یہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ اپنی فکر کو اس طرح پیش کرے کہ اغیار نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی فکر کے مطابق چلنے پر مجبور ہو جائے۔ اس لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مصباحی صاحب نے تن تنہا اس کام کا بیڑا اٹھایا اور آہستہ آہستہ نوجوان علما، مشائخ اور اکابر اہل علم اس کارواں کا حصہ بنتے گئے اور عرصہ دراز کے بعد ملک میں ایسا نظارہ دیکھنے کو ملا کہ ملکی سطح پر علمائے اہل سنت نے کسی بڑی تحریک کو کامیابی کے ساتھ لیڈ کیا اور میڈیا سے لے کر ارباب اقتدار تک اس کا واضح اثر محسوس کیا گیا۔

سرکاری صوفیا سے قوم کی حفاظت: وہ سال 2013 تھا جب آر ایس ایس نے لگاتار دو عام انتخابات (2004 اور 2009) میں ناکامی کے بعد بی جے پی کا چہرہ بدلنے کا فیصلہ لیا اور ایل کے اڈوانی جیسے سینئر اور طاقت ور لیڈر کی ناراضگی کو درکنار کرتے ہوئے گجرات کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی کو 2014 کے لوک سبھا انتخاب کے لیے بی جے پی الیکشن کمیٹی کا سربراہ متعین کیا۔ اس کے بعد 2014 کے عام انتخاب کے لیے مودی ہی کو وزیر اعظم کا امیدوار بھی بنایا گیا۔ میڈیائی یلغار/ انا ہزارے فیکٹر اور کرپشن کے پے در پے الزامات نے کانگریس کو بے حد کمزور کر دیا تھا، اس لیے بی جے پی نے تاریخ ساز جیت حاصل کرتے ہوئے پہلی مرتبہ لوک سبھا میں اکثریت حاصل کی۔ اس یادگار جیت کا سارا کریڈٹ نریندر مودی کو دیا گیا جنھوں نے سینئر لیڈران کی ناراضگی اور مخالفت کے باوجود شاندار جیت حاصل کی۔ اس لیے آر ایس ایس کی نگاہوں میں مودی کا قد مزید بلند ہو گیا اور اس طرح نریندر مودی نے بھارت کے پندرہویں وزیر اعظم کے طور پر حلف لے کر اپنے دم پر حکومت سازی کا کام انجام دیا۔

نریندر مودی کا وزیر اعظم بننا سیکولر حلقوں خصوصاً مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑا جھٹکا تھا کیوں کہ ان کے دورِ وزارت ہی میں گجرات میں بدترین فساد ہوا تھا جس میں تقریباً تین ہزار مسلمانوں کا قتل عام ہوا تھا۔ فساد کی ہولناکی اور نریندر مودی کی کارکردگی سے ہر انصاف پسند شہری نالاں تھا۔ بین الاقوامی سطح پر بھی مودی کے تئیں نہایت ناپسندیدگی پائی جاتی تھی۔ امریکی حکومت نے تو اُن کے امریکہ آنے پر پابندی بھی عائد کر دی تھی، اس لئے وزیر اعلیٰ رہتے ہوئے وہ چاہ کر بھی امریکہ نہیں جا سکے۔

داخلی وخارجی سطح پر ایسا ماحول ہونے کے باوجود نریندر مودی کی جیت نے مخالفین کے ساتھ ساتھ موافقین کو بھی حیران کر دیا۔ اس حیران کن کامیابی کے بعد بھی بی جے پی کی اندرونی صفوں میں ایک بے چینی تھی کیوں کہ وزیر اعظم ہونے کے بعد بھی ملک کی سب سے بڑی اقلیت اور نریندر

مودی کے مابین ایک خاص قسم کی دوری بنی ہوئی تھی۔ یہ دوری بی جے پی سے نہیں بل کہ خاص نریندر مودی سے تھی، ورنہ اسی دلی میں ایسے تنظیمیں اور ایسے لوگ بھی موجود تھے جو بی جے پی کے سب سے سینئر لیڈر اور پہلے وزیر اعظم اٹل بہاری باجپئی کے نام پر" باجپئی حمایت کمیٹی" بنا کر اُن کا پرچار تک کر چکے تھے۔ دلی میں جا بجا قوم فروشی کا کاروبار کرنے والے لوگ اپنا بینر لگائے بیٹھے رہتے ہیں اور ہر حکومت کی کاسہ لیسی کر کے داد عیش دیتے ہیں لیکن گجرات فساد کی بنا پر مسلمانوں کا عمومی رویہ حد درجہ تلخ تھا، اس لیے تبدیلی حکومت کے ساتھ قبلہ وفاداری بدلنے والے بھی مودی کے قریب جانے کی ہمت نہیں جٹا سکے۔ بڑے بڑے سوداگر بھی شش و پنج میں تھے کہ صوفیوں کے ایک گروہ نے اس سناٹے کو توڑا اور چالیس لوگوں کا بھاری بھرکم وفد لے کر وزیر اعظم مودی سے ملاقات کی اور انہیں نیک خواہشات پیش کیں۔

27 اگست 2015 کو اُس وفد نے وزیر اعظم مودی سے ملاقات کی۔ انہیں چادر پہنائی اور طغری غریب نواز پیش کیا۔ اس غیر متوقع ملاقات سے عام مسلمانوں خصوصاً سنی مسلمانوں کو بہت دھکا لگا۔ حالانکہ بعد میں صفائیاں بھی دی گئیں کہ ملاقات ذاتی نہیں بل کہ وزیر اعظم ہونے کی حیثیت سے کی گئی ہے وغیرہ وغیرہ لیکن یہ صفائی عذر گناہ بدتر از گناہ کے قبیل سے تھی۔ اس ملاقات کو بھاجپا کا ماسٹر اسٹروک کہا گیا کیوں کہ کانگریس کے ساتھ جمیعۃ جیسی تنظیمیں نظر آتی تھیں لیکن بھاجپا اس معاملے میں اچھوت نظر آ رہی تھی۔ حکومت سازی کو پندرہ مہینے گزر چکے تھے لیکن ملک کی دوسری سب سے بڑی آبادی سے براہ راست حکومت کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ ایک بڑا ملک ہونے کے ناطے حکومت کو بین الاقوامی سطح پر بھی بہت سارے امور دیکھنا تھے۔ پچاس سے زائد مسلم ممالک سے رشتے بھی تھے ایسے میں اس ملاقات نے بھاجپا کو بڑی راحت پہنچائی کیوں کہ ملاقات کرنے والوں کا تعلق مسلمانوں کے اکثریتی طبقے سے تھے۔ اراکین وفد بہت خوش تھے کہ وزیر اعظم سے ملاقات ہو گئی، تصویروں میں بعض چہروں کی خوشی دیدنی تھی، لیکن وزیر اعظم ان سے کئی گنا زیادہ خوش تھے کہ وہ سب کی امیدوں کے برخلاف کئی معروف چہروں کو لانے میں کامیابی حاصل کر چکے تھے۔

یہ ملاقات رسمی واتفاقی نہیں تھی اس لیے بات یہیں ختم نہیں ہوئی بل کہ وزیر اعظم کو لے کر مسلمانوں میں موجود جھجک کو پورے طور پر ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا گیا اور ایک بین الاقوامی کانفرنس کا اعلان کیا گیا۔ اس ملاقات کے چھ مہینے کے اندر سرزمین دلی پر چار روزہ انٹرنیشنل صوفی کانفرنس منعقد ہوئی۔ ابتداً کئی ساری باتیں چھپائی گئیں لیکن جیسے جیسے وقت آتا گیا پردہ ہٹتا گیا کہ کانفرنس کا مقصد احیائے تصوف نہیں بل کہ وزیر اعظم کی امیج کو سافٹ بنانا ہے تاکہ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مودی جی امیج کو پالش کیا جا سکے۔

اگر یہ کام اسی عنوان سے کیا جاتا تو عوام کے برگشتہ ہونے کا خطرہ تھا، اس لیے غریب تصوف کا کندھا استعمال کیا گیا اور اُسے امید دلائی کہ اب تک کانگریس جیسی تصوف بیزار پارٹی کا راج تھا، اس لیے تمہیں پھلنے پھولنے کا موقع نہیں ملا۔ اب مرکز میں تصوف نواز پارٹی کا اقتدار ہے، اس لیے اب ہر صوبے میں صوفی میوزیم/چیئر/کلچر قائم کیا جائے گا۔ حالانکہ وہ خود اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ سب خیالی باتیں ہیں مگر:

دل نے دنیا سے دوستی کر لی　　　　بھول شاید بہت بڑی کر لی

ایسے موقع پر ضرورت تھی کہ کوئی مرد میدان اس سیاسی کھیل سے مسلمانوں کو خبردار کرے۔ مسلمانان ہند اور تصوف وصوفیا کی عزت وغیرت کو پامال ہونے سے بچائے۔ حسن اتفاق کہیے اس کا قرعہ فال اس انسان کے نام نکلا جو علم وتجربہ، دور بینی و دور اندیشی اور کردار کی بلندی و پختگی میں بے حد معتبر و مستند نام تھا۔ اور یہ نام تھا رئیس التحریر مولانا یاسین اختر مصباحی کا جنہوں نے تن تنہا اپنے دم پر اس سیاسی کھیل کو پوری طرح سے ناکام بنا دیا۔

تصوف کا سیاسی کرن اور روک تھام: بی جے پی ایک نظریاتی پارٹی ہے جس کی کمان آر ایس ایس کے ہاتھوں میں رہتی ہے۔ مسلمانوں کے تعلق سے آر ایس ایس کی سوچ جگ ظاہر ہے۔ اس کے باوجود بی جے پی نے مذکورہ کانفرنس کے لیے اپنے خزانے کا منہ کھول دیا۔

- ☐ دہلی میں دو بڑے فائیو اسٹار ہوٹل مکمل طور پر بک کئے گئے
- ☐ سو سے زائد غیر ملکی مہمانوں کو بلایا گیا
- ☐ پروگرام کا افتتاح وِگیان بھون جیسے بے حد مہنگے ہال میں ہوا جہاں آج تک کسی شاید مذہبی تنظیم کا پروگرام نہیں ہوا

☐ انڈیا اسلامک کلچرل سینٹر اور رام لیلا میدان بک کرایا گیا
☐ پروگرام کے چاروں دن نیشنل ٹی وی پر ہر پروگرام لائیو ٹیلی کاسٹ کیا گیا
☐ بیرون ملکی مہمانوں کے ساتھ پولیس نفری کی ڈیوٹی لگا کر وی آئی پی پروٹوکول دیا گیا
مقامی مہمانوں اور تشہیر و پرنٹ کے اخراجات اس پر مستزاد!
ذرا سوچیں! جس تنظیم اور پارٹی کی بنیاد ہی اسلام اور مسلم دشمنی پر رکھی ہو، وہ اچانک ہی احیائے تصوف کے لیے کمربستہ ہو جائے، کیا یہ انہونی ممکن ہے؟ اور اگر ایسا ہوا تو یہ تصوف سے محبت نہیں بل کہ تصوف کا سیاسی کرن تھا جسے ذرا بھی گہری نگاہ رکھنے والا شخص فوراً ہی پہچان جائے گا کہ معاملہ جتنا سیدھا دکھائی دے رہا ہے اتنا ہے نہیں۔ مولانا یاسین اختر مصباحی ایک منجھے منجھائے عالم دین اور مفکر تھے۔ برسوں سے دلی کی گلیوں میں پروان چڑھنے والی سیاست کے داؤں پیچ سے اچھی طرح واقف تھے، اس لیے جیسے ہی ان کے پاس ایسی کانفرنس میں شامل ہونے کا پروپوزل پہنچا، مصباحی صاحب نے فوراً انکار کر دیا۔ آپ لکھتے ہیں:
’’سب کچھ سننے کے بعد میں نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا۔‘‘ (تصوف اور سیاست ص 23)
جب آنے والے نے عدم شرکت کی وجہ جاننا چاہی تو مصباحی صاحب نے جواب دیا ’’دہلی کے 30 سالہ سیاسی و صحافتی تجربات و مشاہدات کی روشنی میں، یہ رائے قائم کی ہے اور یہ فیصلہ میں نے کیا ہے۔‘‘ (کھل کر یہ کہنا، میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ پلاننگ اور فنڈنگ میں مجھے کسی بڑی لابی کا ہاتھ معلوم دے رہا تھا) (ایضاً ص 23)
متصوفین نے بڑی رازداری برتی، نہ تو یہ بتایا گیا کہ کانفرنس کا افتتاح وزیر اعظم مودی کریں گے اور نہ ڈاکٹر طاہر القادری کی شمولیت کا اعلان کیا گیا۔ بعد میں جب طاہر القادری کی شرکت کی بات لیک ہوئی تو منتظمین نے اس بات کا شدت سے انکار کیا۔ زور دے کر کہا کہ بعض حاسدین کانفرنس کو ناکام بنانے کے لیے ڈاکٹر طاہر کی شمولیت کا شوشہ چھوڑ رہے ہیں، لیکن یہ سب غلط بیانیاں تھیں، سارے معاملات طے ہو چکے تھے، جب اہل نظر نے جان لیا کہ تصوف کی آڑ میں کوئی اور ہی کھیل کھیلا جانا ہے۔ تب مولانا یاسین اختر مصباحی کا قلم حرکت میں آ گیا، لکھتے ہیں:
’’خطرہ جتنا بڑا ہو اُس کی مزاحمت بھی اتنی ہی قوت و طاقت کے ساتھ کی جاتی ہے۔ چنانچہ میں نے قلم اٹھایا اور میرا پہلا مضمون مؤرخہ 2 مارچ 2016 کو منظر عام پر آیا۔‘‘ (تصوف اور سیاست ص 100)
بین الاقوامی فورم اور مسلم دنیا کے سامنے اپنی پوزیشن بہتر بنانے کے لیے بڑی تعداد میں ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو مسلمانوں کے درمیان اچھی شہرت و عزت رکھتے ہوں، اس لیے حکومت منشا کے مطابق بڑے بڑے مدارس اور خانقاہوں کو دعوتیں بھیجی گئیں مگر جب مولانا یاسین اختر مصباحی کا مضمون اس سیاسی کرن کی مخالفت میں شائع ہوا تو لوگوں کو حالات کی سنگینی کا علم ہوا۔ اس موقع پر حضرت تاج الشریعہ مفتی اختر رضا قادری ازہری اور شیخ الاسلام علامہ سید مدنی میاں صاحب نے بھی اہل سنت کو اس پروگرام سے دور رہنے کا پیغام جاری کیا۔ اس پیغام نے بھی اہل سنت کو خبردار کیا۔ بعدہ مولانا یاسین اختر مصباحی نے حکومتی مقصد کو بے نقاب کرتے ہوئے اپنی قلمی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ایک طرف مصباحی صاحب نے قلمی محاذ سنبھال رکھا تھا، دوسری جانب آپ نے ذاتی کوششیں شروع کیں اور جو علما و مشائخ لاعلمی کی بنا پر دعوت قبول کر چکے تھے انہیں براہ راست بات کر کے حقیقت حال بتائی اور شرکت کرنے سے منع کیا۔ آپ کی قلمی اور ذاتی کوششوں سے جامعہ اشرفیہ جیسے مؤقر ادارے سے کوئی شخص شریک نہیں ہوا۔ اسی طرح خانقاہ مارہرہ، کچھوچھہ مقدسہ، خانقاہ قادریہ بدایوں، خانقاہ کالپی، خانقاہ بلگرام، خانقاہ نعیمیہ اور مرکز اہل سنت بریلی شریف سے بھی اس پروگرام کا بائیکاٹ کیا گیا۔ یقیناً یہ ان علما و مشائخ کا بہترین فیصلہ تھا مگر یہ بات ضرور ہے کہ مصباحی صاحب کے واضح اور دوٹوک موقف اور کھل کر سامنے آنے سے ان حضرات کو فیصلہ لینے میں آسانی ہوئی۔ ورنہ بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو پرکشش دعوت اور ٹھیک سے نذرانے کی چاہت میں کسی بھی محفل میں جانے تیار رہتے ہیں۔ ان کا حال یہ ہوتا ہے؛ جہاں مال وہاں پال! لیکن حالیہ معاملے میں مولانا یاسین اختر مصباحی کے فکر و تدبر نے تصوف کے سیاسی استعمال کی ہر چال کو ناکام بنا دیا۔

زرخرید مولوی: نظریاتی کشاکش کے اس ہنگامے میں مصباحی صاحب کو امید تھی کہ جو نوجوان اسکالر اُن کے دست و بازو بنے رہتے ہیں، وہ اس مہم میں ان کا ساتھ دیں گے لیکن اقتدار کی چمک اور پیسے کی کھنک نے اکثر کا قبلہ ہی بدل دیا۔ وہ اسکالرز جو دور اندیشی اور عزیمت واستقامت کے نام پر آئے دن رسائل و جرائد کے صفحات کالے کر کے اکابرین کی نیتوں پر سوال اٹھاتے تھے۔ وہی لوگ ایک ہی جھٹکے میں تن خواہ دار بن گئے۔ ان میں سے بعض ہوشیار قسم کے قلم کاروں نے مختلف چیزوں کے ٹھیکے حاصل کیے اور دوسرے اسکالرز کو پرکشش تن خواہ دے کر اُن کے قلم اور زبان کی قیمت ادا کی۔ یہ مصباحی صاحب کے لیے ایک بڑا جھٹکا تھا کیوں کہ یہی وہ گروپ تھا جو اُن کا بے حد قریبی تھا لیکن اسے مصباحی صاحب کی مضبوط قوت ارادی ہی کہا جائے گا کہ انہوں نے اس گروپ کی تمام تر ریشہ دوانیوں کا بھی اچھا علاج کیا۔ مصباحی صاحب نے اس گروپ کو **’’بھاجپا نواز گروپ کے زَرخرید مولوی‘‘** کا ٹائٹل دیا تھا۔ آپ نے ان کی اچھل کود پر لکھا تھا:

’’بھاجپا نواز گروپ کے بعض زرخرید مولویوں کی یاوہ گوئی وہرزہ سرائی کا انجام، ان کی ندامت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔ بھاجپا نواز گروپ کے آدھا درجن سے زیادہ ایسے نوجوان مولویوں کے نام مجھے معلوم ہیں جو تن خواہ دار اور وظیفہ خوار رہ چکے ہیں جن میں سے بعض اب بھی حق نمک ادا کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ اچھل کود کر رہے ہیں۔‘‘

(تصوف اور سیاست ص 104)

اس طرح مصباحی صاحب نے اپنی دور اندیشی اور مومنانہ جرأت سے زرخرید مولویوں کے فتنوں کا بروقت رد کر کے جماعت کی ساکھ کو مجروح ہونے سے بچایا۔ اپنے اس اقدام پر انہیں شرح صدر اور کامل اطمینان تھا، جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے ’’بحمدہ تعالیٰ مجھے اطمینان قلب ہے کہ اپنا فرض میں نے پورا کر دیا۔‘‘ (تصوف اور سیاست ص 100)

اللہ تعالیٰ مصباحی صاحب کی قلمی اور عملی خدمات کو قبول فرمائے۔ اور ان کے نقوش فکر سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

غلام مصطفےٰ نعیمی، ۱۴/ ذوالقعدہ ۱۴۴۴ھ۔ ۵/ جون ۲۰۲۳ء بروز پیر، روشن مستقبل دہلی

رئیس التحریر کی رضویاتی کتب کا تعارف

رئیس التحریر ماہر رضویات علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کی زندگی حرکت وعمل اور جد وجہد سے عبارت رہی جس کا اعتراف ہر خاص وعام کو ہے۔ آپ نے اکثر علمی شعبہ جات کو وقت دیا۔ تدریس کا شعبہ ہو یا تقریر کا، تحقیق و تدقیق کا شعبہ ہو یا تصنیف و تالیف کا لیکن ان تمام میں آپ نے جس شعبہ کو سب سے زیادہ وقت فراہم کیا، وہ تحریر و قلم اور تصنیف و تالیف کا ہے جس کے سبب آپ کی پختہ فکر، سیال قلم۔ مخصوص اندازِ تحریر سے چار درجن سے زائد قابل استفادہ و لائق مطالعہ کتابیں معرض وجود میں آئیں۔

راقم الحروف کا ارادہ یہی تھا کہ رئیس التحریر کی تمام کتب کا تعارف و تبصرہ نوک قلم کرے لیکن وقت کی تنگی اور تدریسی اور دیگر مصروفیات ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچنے سے مانع ہے، اس لئے پھر قلم کو تصنیفات رئیس التحریر میں سے کسی ایک موضوع پر طرف موڑ دیا اور وہ موضوع ہے ’’رئیس التحریر کی رضویاتی کتب کا تعارف‘‘ اس عنوان کے انتخاب وترجیح کی دو وجہ بنی: (ا) خود رئیس التحریر کی زندگی کا خاطر خواہ حصہ رضویات پر لکھنے میں گزرا (۲) اس سے بارگاہ رئیس التحریر کے ساتھ ساتھ بارگاہ امام اہل سنت میں بھی خراج عقیدت پیش ہو جائے گا۔

اب ذیل میں رئیس التحریر کی دستیاب رضویاتی کتب کا تعارف و تبصرہ ضبطِ تحریر کی جا رہی ہے۔

(ا) بارگاہِ خواجۂ ہند میں امام احمد رضا کی حاضری: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی ہمیشہ بے داغ رہی اگرچہ داغ دار بنانے کی بہت کوشش کی گئی اور اس میں اس قدر آگے بڑھیں کہ جہاں کسی شوشہ کی بھی گنجائش نہیں تھی وہاں پورا گوشہ دکھانے پر پورا زور صرف کیا گیا۔ انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ غیروں نے عناد و عداوت میں اور کچھ نا عاقبت اندیشوں اور سطحی معلومات رکھنے والے حاسدوں کی جانب سے امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے بارے میں یہ افواہ پھیلانے کی ناکام و ناپاک کوشش کی گئی کہ آپ کو سیدنا حضرت

خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان سے کوئی عقیدت ومحبت نہیں تھی ، نہ آپ نے کبھی بارگاہ سیدنا حضور خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کی شان ورفعت میں کچھ تحریر فرمایا ہے۔اس شوشہ کے جواب میں کئی ایک مقالات معرض وجود میں آئے اور کچھ کتابیں بھی منصۂ شہود پر آئیں جن میں ''ثنائے خواجہ بزبان امام احمد رضا'' اور ''بارگاہ خواجہ میں امام احمد رضا کی حاضری'' قابلِ ذکر ہیں۔ان میں موخر الذکر کتاب رئیس التحریر علیہ الرحمہ کی ہے۔اس کتاب میں صدائے روح پرور و دل نواز ، نذرِ خواجۂ ہند، سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی ،تصوف وطریقت اور خدمت خلق، ملفوظات وارشادات مشائخ چشت ، وہ آستانہ جہاں شاہ بھی غلام بنے ، بارگاہِ خواجہ ہند میں امام احمد رضا کی حاضری ، مناقب خواجۂ ہند کے ذیلی عناوین کے تحت حضور خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کے حالات زندگی ،تصوف وطریقت کے مسائل ، مشائخ چشت اہل بہشت کے ملفوظات اور پھر بارگاہِ خواجہ میں امام اہل سنت کی حاضری سے متعلق غیروں کو جواب اوراپنوں کے ازالۂ شبہات کا سامان فراہم کیا ہے۔جواب کے لئے دوطریقہ اپنایا گیا ہے:(۱) برسبیل تنزل (۲) برسبیل ترقی۔

(۱) برسبیل تنزل وتسلیم یہ کہ اگراس افواہ کوتھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کرلیا جائے کہ امام اہل سنت کی خواجۂ ہند کی شان میں کوئی تحریر نہیں اور نہ آپ کی بارگاہِ سلطان الہند میں حاضری ہوئی تو بھی امام اہل سنت پر کوئی اعتراض نہیں۔کیوں نہیں رئیس التحریر تحریر فرماتے ہیں:

آپ کے قلب وروح اور پورے وجود پر قادری رنگ اتنا غالب تھا کہ اپنے قادری مشائخ طریقت ہی کو ذریعہ فیضان سمجھ کر اُن سے ہی ہمہ وقت ، استمداد کیا کرتے تھے اوران کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان رہا کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی منظوم محبتیں ،صرف ، مشائخ قادریہ کے اوصاف وکمالات ومحامد ومحاسن پر مشتمل ہیں اور دیگر مشائخ سلاسل سے حسن عقیدت کے باوجود آپ نے ان میں سے کسی کی منظوم منقبت نہیں لکھی۔آپ کی تحریر کردہ کوئی منقبت نہ محض شاعرانہ ہے، نہ ہی پیشہ ورانہ بلکہ سبھی منقبتیں آپ کی قلبی کیفیات وواردات کا آئینہ ہیں،جن میں آپ کے قادری مشائخ کرام بالخصوص، قطب ربانی ، غوث صمدانی محبوب سبحانی ، حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کے انوار وتجلیات کی ضوفشانی ہے۔ جہاں کوئی آورد نہیں ، آمد ہی آمد ہے۔اور آپ کے نہاں خانہ قلب میں کسی طرح کا تکلف وتصنع نہیں بلکہ ہر طرف حسن فطرت کی کرشمہ سازی ہے۔ ہر سمت نوائے حقیقت کا سوز وساز ہے اور ہر چہار جانب صفا ووفا کا پرتو جمال اور رعنا وخیال ہے۔

ہاں اگر آپ نے غیر قادری مشائخ کرام میں سے کچھ کی منقبت لکھی ہوتی اور بعض اہم شخصیات کی منقبتیں نہ ہوتیں ،تو شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ ایسا کیوں ہوا؟ اگر چہ یہ بھی کوئی قابل انگشت نمائی بات نہ ہوتی کیوں کہ جس طرح کوئی عالم ومحقق ومصنف کچھ موضوعات پر داد تحقیق دیتا ہے اور بہت سے موضوعات پر خامہ فرسائی نہیں کر پاتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ :اسے باقی موضوعات کی اہمیت وعظمت سے کوئی اجتناب واحتراز یا کسی طرح کا تردد وانکار ہے، ایسے وساوس واوہام اسی شخص کے دل میں پیدا ہوسکتے ہیں جو بدگمانی کے مرض میں مبتلا اور اس گناہ کے ارتکاب کا عادی ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی ناسمجھی سے ایسی بات سوچ رہا ہو اوراس کا بھی احتمال ہے کہ وہ محض شرانگیزی کی نیت سے اس طرح کے شوشے چھوڑ رہا ہو۔(بارگاہ خواجہ ہند میں امام احمد رضا کی حاضری ،ص ۱۰۶)

(۲) مذکورہ جواب برسبیل تسلیم ہے لیکن تاریخ وحقائق سے رشتہ مضبوط رکھنے والے اہل علم پر مخفی نہیں کہ امام اہل سنت نے خواجہ خواجگان سلطان ہند کی شان میں نہ صرف فتاویٰ لکھے بلکہ آپ کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوئے ، اسی لئے رئیس التحریر نے برسبیل ترقی مذکورہ اعتراض کا انکار کرتے ہوئے بھی جواب رقم فرمایا ،آپ لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا بریلوی ،صرف سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کی دست گیری پر قربان نہیں تھے ، بلکہ عطائے رسول، سلطان الہند حضور سیدنا معین الملۃ والدین خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان غریب نوازی وفیض رسانی کا بھی آپ اپنی مجلسوں اور تحریروں میں چرچا کیا کرتے تھے۔ چناں چہ، ایک استفتاء کے جواب میں آپ ، پورے یقین واذعان کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں: حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ ضرور، دست گیر ہیں اور حضرت سلطان الہند معین الحق والدین ضرور غریب نواز۔''

(ص ۳۳۔فتاوی رضویہ جلد یازدہم ۔مطبوعہ: رضا اکیڈمی کمیٹی)

اپنی بات کو مزید مدلل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: غلام معین الدین اور اجمیر شریف، نہ لکھنے والے کے خلاف آپ کا یہ تیور بھی کتنا پر جلال ہابیت کش اور روح پرور وعقیدت افروز ہے، جسے ذیل کے سوال وجواب میں ملاحظہ فرمائیں:

''مسئلہ ۳۸: از سرکار اجمیر مقدس لنگر گلی مسئولہ حکیم غلام علی صاحب ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

اگر کوئی مولوی اپنے مدرسہ کے دروازے پر اور خلافت کے بورڈ پر اور خلافت کی ٹوپی پر اور خلافت کی رسید پر فقط اجمیر لکھے گیا، اجمیر کے ساتھ شریف نہ لکھنا اور اصلی نام غلام معین الدین پر غلام نہ لکھا، خلاف عقیدہ اہل سنت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: اجمیر شریف کے نام پاک کے ساتھ لفظ شریف نہ لکھنا اور ان تمام مواقع میں اس کا التزام کرنا، اگر اس بنا پر ہے کہ حضور سیدنا خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کی جلوہ افروزی حیات ظاہری ومزار پر انوار کو (جن کے سبب مسلمان اجمیر شریف کہتے ہیں) وجہ شرافت نہیں جانتا تو گمراہ بلکہ عدو اللہ ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ عزوجل فرماتا ہے: **من عادی لی ولیاً فقد اٰذنتہ بالحرب**۔ جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی اس کے خلافت میرا اعلان جنگ ہے۔ (ت) (صحیح البخاری کتاب الرقاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۶۲ و ۹۶۴) اور اگر یہ ناپاک التزام بربنائے کسل وکوتاہ قلمی ہے تو سخت بے برکتا اور فضل عظیم وخیر جسیم سے محروم ہے **کما افادہ الامام المحقق محی الدین ابوزکریا قدس سرہ فی الترضی** (جیسا کہ امام محقق محی الدین ابوزکریا قدس سرہ نے ترضی میں بیان فرمایا ہے۔ت) اور اس کا مبنیٰ وہابیت ہے تو وہابیت کفر ہے، اس کے بعد ایسی باتوں کو کیا شکایت۔

ما علی مثلہ بعد الخطاء (خطاء کے بعد اس کی مثل مجھ پر نہیں۔ت) اپنے نام سے لفظ غلام اس بنا پر ہے کہ حضور خواجہ خواجگان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم کا غلام بننے سے انکار واستکبار رکھتا ہے، تو بدستور گمراہ اور بحکم حدیث مذکورہ عدو اللہ ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم، قال اللہ: **الیس فی جھنم مثوی للمتکبرین** ا۔ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: کیا نہیں جہنم میں ٹھکانا متکبرین کا۔ت) اور اگر بربنائے وہابیت ہے کہ غلام اولیائے کرام بننے والوں کو مشرک اور غلام محی الدین وغلام معین الدین کو شرک جانتا ہے تو وہابیہ خود زندیق، بے دین، کفار ومرتدین ہیں **والکافرین عذاب مھین** ۲۔ (اور کفار کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ص: 187، 188، فتاویٰ رضویہ، جلد: ششم، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی) (بارگاہ خواجہ میں امام احمد رضا کی حاضری، ص: 111-112)

بکھیرے گئے جلوؤں کی صرف جھلکیاں ہیں، تفصیل کے لئے تفصیلی مطالعہ کیجیے۔

(۲) انگریز نوازی کی حقیقت: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے حوالے سے یہ بھی کذب بیانی کی گئی کہ آپ انگریز نواز تھے اور آپ انگریز کے ایجنٹ تھے، حالاں کہ یہ ایسی کذب بیانی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ کذب بھی اس کذب بیانی کو دیکھ کر شرما جائے۔ مذکورہ کتاب اسی کذب کا پردہ چاک کرنے اور حقیقت کو آشکار کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کا پس منظر بیان کرتے ہوئے رئیس التحریر لکھتے ہیں: ''جماعت اسلامی ہند کے ترجمان سہ روزہ دعوت نئی دہلی (شمارہ ۷ ستمبر ۲۰۰۶ء) میں ڈاکٹر مغل فاروق پرواز (علی گڑھ) کا ایک مضمون چھپا جس کے بعض حصے سخت قابل گرفت اور علمائے اہل سنت کی کردار کشی پر مشتمل ہیں۔ ساتھ ہی یہ مضمون ہرگز اس لائق نہیں تھا کہ جماعت اسلامی ہند کے ترجمان کے صفحات پر اسے جگہ ملے۔ زیر نظر کتاب میں اس کے اسباب اور متعلقہ تفصیلات پڑھ کر آپ بھی اسی نتیجے تک پہنچیں گے۔ یہاں ان کی نشان دہی اور کچھ خامہ فرسائی کر کے آپ کا زیادہ وقت لینا ہم مناسب نہیں سمجھتے۔

ہندوستان کے دو جلیل القدر عظیم المرتبت علمائے اہل سنت حضرت علامہ فضل رسول عثمانی بدایونی (وصال ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء) اور فقیہ اسلام امام احمد رضا بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کو بلا کسی دلیل وثبوت وشہادت کے ڈاکٹر مغل فاروق پرواز نے انگریزوں کا ایجنٹ لکھا ہے اور جب ان سے میں نے اپنے ایک اداریہ (ماہنامہ کنز الایمان دہلی۔ شمارہ دسمبر ۲۰۰۶ء) کے ذریعہ کوئی دلیل وثبوت طلب کیا تو وہ اب تک اپنے عائد کردہ الزام کو کسی بھی طرح ثابت کرنے میں ناکام رہے اور اظہار ندامت ومعذرت کی اخلاقی جرات بھی نہ دکھا سکے۔'' کون ہے برطانوی سامراج کا سند یافتہ ایجنٹ؟ مشمولہ کتاب ہذا کا خلاصہ مذکورہ اداریہ ہے۔'' (انگریز نوازی کی حقیقت، ص: 6)

دوسرے مقام پر رقم طراز ہیں ''جماعت اسلامی ہند کے ترجمان سہ روزہ دعوت نئی دہلی مؤرخہ ۷ ستمبر ۲۰۰۶ء'' میں ایک تحقیق ایک نقطہ نظر! برطانوی سامراج کے وفادار اور بھی تھے'' کے جلی عنوان سے ایک مضمون نظر سے گزرا جو حیرت انگیز کم، شرانگیز زیادہ ہے۔ اتحاد بین مسلمین کا راگ الاپنے والے حضرات اندرخانہ کیا سوچتے سمجھتے اور کیسی ذہنیت رکھتے ہیں اس کا یہ شاہکار نمونہ ہے۔ اگر کسی دیوبندی یا غیر مقلد اخبار ورسالہ میں یہ مضمون شائع ہوا ہوتا تو چنداں جائے تعجب نہ تھا مگر جماعت اسلامی ہند کے آرگن جس کے صفحات پر اس طرح کا کوئی مضمون کم از کم میری نظر سے کبھی نہیں گزرا۔ ایسے آرگن میں اس کا چھپ جانا یقیناً افسوس ناک ہے۔ حیرت بالائے حیرت ہے کہ سنی دیوبندی مسالک کے مروجہ اختلافی مسائل سے عموماً دور رہنے یا عدم دل چسپی کا اظہار کرنے والی جماعت اسلامی کو آخر اس مضمون میں کیا خوبی کون سی تحقیق یا ضرورت آن پڑی تھی کہ اس نے اسے شائع کر کے اپنے صفحات کو آلودہ بلکہ اپنے آرگن کی تاریخ کو داغ دار کیا ہے؟ بغیر کسی ثبوت وشہادت کے محض الزامات واتہامات پر مشتمل مضمون ذیل میں مضمون نگار (ڈاکٹر مغل فاروق پرواز ظہیر منزل، دودھ پور علی گڑھ، یوپی) ہی کے قلم سے انھیں کے الفاظ میں نقل کیا جارہا ہے۔ مضمون نگار نے جو بے بنیاد الزامات عائد کیے ہیں وہ نمبر وار اس طرح ہیں۔'' (انگریز نوازی کی حقیقت، ص:49)

حالاں کہ اس الزام اور جھوٹ کو ابوالاعلیٰ مودودی کے معتمد کوثر نیازی نے خود غلط قرار دیا ہے جو مضمون نگار اور جماعت اسلامی ہند والوں کے منہ پر زوردار طمانچہ سے کم نہیں۔ کوثر نیازی صاحب لکھتے ہیں ''یہ کہنا کہ ان (امام احمد رضا بریلوی) کے اقدامات انگریز نوازی پر مبنی تھے، یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو یا تو امام احمد رضا کے مسلک کو سرے سے جانتا ہی نہ ہو یا جانتا ہو مگر جان کر نہ ماننا چاہتا ہو۔

ایک ایسا مرد مومن جسے انگریزی سامراج سے اتنی نفرت ہو کہ وہ اس کی کچہری میں جانا روا نہ سمجھتا ہو۔ جو مقدمہ قائم ہو جانے کے باوجود اس کی عدالت میں نہ گیا ہو۔ جو خط لکھتا ہو تو کارڈ اور لفافے کی الٹی طرف پتہ لکھتا ہو تا کہ انگریز بادشاہ اور ملکہ کا سر نیچا نظر آئے۔ جس نے اپنی وفات سے دو گھنٹے پہلے یہ وصیت کی ہو کہ اس دالان سے ڈاک میں آئے وہ تمام خطوط جن پر ملکہ اور بادشاہ کی تصویر ہے اور روپے پیسے جن پر یہ تصویریں ہیں سب باہر پھینک دیے جائیں تا کہ فرشتہ ہائے رحمت کو آنے میں دشواری نہ ہو۔

جس نے نعت گوئی میں بھی کسی کو نمونہ مانا اور اُسے سلطان نعت گویاں قرار دیا تو وہ حضرت مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی تھے جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ اس سلسلے میں باقاعدہ جدوجہد کی اور ۱۸۵۸ء میں مرادآباد کے چوک میں انھیں برسرعام پھانسی دے دی گئی۔ اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ انگریز کا حامی تھا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ سورج، ظلمت۔ پھول، بدبو۔ چاند، گرمی۔ سمندر، خشکی۔ بہار، پت جھڑ۔ صبا صرصر۔ پانی، حدت۔ ہوا، حبس۔ اور حکمت، جہالت کا دوسرا نام ہے۔'' (امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت از مولانا کوثر نیازی، ص:29)

اس کتاب میں رئیس التحریر نے اولاً مضمون نگار کے قلم سے اس کے عائد کردہ 6/بے بنیاد الزامات نقل کیے او ساتھ ہی مضمون نگار کی وسعت مطالعہ اور مبلغ علم کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: مضمون نگار کا مطالعہ اور مبلغ علم کیا ہے؟ یہ حقیقت ان کی اس تحریر سے صاف عیاں ہے۔ اس تحریر میں بذات خود ان کا کچھ بھی نہیں ہے کیوں کہ ان کا منتہائے علم ومطالعہ ''مطالعہ بریلویت از خالد محمود (مانچسٹر، برطانیہ) اور ''البریلویت از احسان الٰہی ظہیر (متوفی ۱۹۸۶ء لاہور) ہے۔ ان دونوں کتابوں بالخصوص ''مطالعہ بریلویت'' سے نقل کے سوا اس کے اندر واقعۃً کچھ بھی نہیں ہے۔ اور یہ الزامات واتہامات سو سال سے بار بار دہرائے جاتے رہے ہیں اور بار بار ان کے جوابات دیے جاتے رہے ہیں۔ سینکڑوں کتب ورسائل کے ہزاروں صفحات ان التزامات وجوابات کی نذر ہو چکے ہیں۔'' (50-51)

اس کے بعد مضمون نگار کے درج ذیل 11/الزامات کا نمبر وار تحقیقی جائزہ پیش کیا جس سے مضمون نگار اور ان کے سرپرستوں وہمنواؤں کا بنایا ہوا شیش محل اس طرح چکنا چور ہو جاتا ہے کہ اس کے ٹکڑے زمین پر آنے سے پہلے ہی ہوا میں تحلیل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ 11/سوال یہ ہیں:

(۱) مرزا غلام احمد قادیانی (۲) تینوں علمائے اہل سنت یعنی مولانا احمد رضا بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) وعلامہ فضل رسول بدایونی (وصال ۱۸۷۲/ ۱۲۸۹ھ) وشیخ احمد بن زینی دحلان شافعی مکی (وصال ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء) کی مبینہ انگریز نوازی۔ (۳) دارالاسلام اور جہاد

(۴) ترک موالات کی مخالفت (۵) عام مسلمانوں میں تفرقہ اوران کی تکفیر (4) انگریزوں سے چندہ وصولی (۷) مولانا احمد رضا اور شیخ احمد بن زینی دحلان کی خفیہ ملاقات (۸) مولانا احمد رضا کی تین کتابیں (۹) علامہ فضل رسول بدایونی کی تین کتابیں (۱۰) شیخ احمد بن زینی دحلان کی خلاصۃ الکلام (۱۱) محمد حسین بٹالوی و نذیر حسین دہلوی کی ردقادنیت کے سلسلے میں تعریف۔(مصدر سابق،ص:61)

اس کے بعد ''الزام بلا ثبوت اور دعویٰ بلا دلیل کے تازہ نمونے'' کے عنوان کے تحت بھی مضمون نگار کے ۱۱؍جواب الجواب کا نمبروار دنداں شکن جواب تحریر فرمایا جو ص نمبر 118 تا 171 یعنی 53 صفحات پر مشتمل ہے۔ جسے تفصیل کی ضرورت ہو وہ کتاب کی طرف رجوع کرے۔

(۳) امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے تعلق سے غیروں نے ایک غلط ذہن سازی یہ شروع کی کہ انہوں نے سنتوں کی بجائے بدعتوں کو فروغ دیا۔ زیر نظر کتاب میں اسی کا تحقیقی، تنقیدی اور تنقیحی جائزہ لیتے ہوئے ثابت کیا گیا ہے کہ امام اہل سنت نے احیاے سنت اور تجدید دین وملت کا فریضہ انجام دیا نہ کہ تجدید بدعات ومنکرات کا کام کیا۔ مذکورہ کتاب کے نام، اس کے پس منظر اور کتاب کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات'' اس مقام پر حضرت مصنف کی قلمی فراست اور فکری شعور کو، میں داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کتاب کا یہ نام رکھ کر انہوں نے ایک بہت بڑے جھوٹ کا پردہ فاش کیا ہے۔ ایک ایسا جھوٹ جو اتنی بار دہرایا گیا اور اتنی قوت سے دہرایا گیا کہ لوگوں کو اس پر سچ کا گمان ہونے لگا۔ جن لوگوں کے اعتقادی مفاسد پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے قلم کا نشتر چلایا تھا، وہ زخموں کی تاب نہ لاکر زندگی بھر کراہتے رہے۔ انتقام ہر زخمی کا فطری تقاضہ ہے اور فطرت ہی کا یہ بھی ایک داعیہ ہے کہ جب آدمی دشمن پر قابو نہیں پاتا تو دشنام طرازیوں پر اتر آتا ہے۔ چناں چہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ علم واستدلال کے ذریعہ جو لوگ اپنے خلاف اہانت رسول کے الزام کا دفاع نہیں کر سکے۔ ان کو اپنے جذبہ انتقام کی تسکین کی یہی صورت نظر آئی کہ جس طرح بھی ممکن ہو، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی شخصیت کو مجروح کیا جائے۔ علمی جلالت اور کردار کے تقدس پر انگلی رکھنے کی کوئی جگہ نہیں مل سکی تو یہ الزام تراشا گیا کہ انہوں نے سنتوں کی بجائے بدعتوں کو زندہ کیا ہے۔

لیکن اس مقام پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے کردار کی ارجمندی کو بار بار سلام کرنے کو جی چاہتا ہے کہ ان کے خلاف کذب بیانی والزام تراشی کا کاروبار کرنے والے اپنی ہزار دشمنی کے باوجود اب تک ان پر یہ الزام عائد نہ کر سکے کہ وہ بدعتوں کے موجد بھی ہیں۔

زیر نظر کتاب برادر گرامی مولانا یٰسین اختر مصباحی کی گراں قدر کاوشوں کا نمونہ ہے۔ زبان وبیان کی شگفتگی، دلائل کی پختگی، رد واثبات میں متانت وسنجیدگی آپ کو ہر جگہ عیاں نظر آئے گی۔ موصوف نے رضویات کے ایک نئے موضوع پر تحقیق کی ہے جو قارئین کے لئے خاصی دلچسپی کا باعث ہوگا۔'' (امام احمد رضا رد بدعات ومنکرات،ص:30،31)

زیر نظر کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ ذکر خدمات کے نام سے ہے اور دوسرا حصہ بدعات ومنکرات کے نام سے ہے۔ ''ذکر خدمات'' کے عنوان سے مختلف موضوعات'' جامع کمالات شخصیت، شجرۂ طوبیٰ، عشقِ رسول، نعتیہ شاعری، نیابتِ غوث الوریٰ، عظمت کردار، ایشیا کا عظیم محقق، سفر آخرت اور وصایا شریف'' پر امام احمد رضا فاضل بریلوی کے کارناموں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ امثال وشواہد کے ذریعہ آپ کی علمی شخصیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ موافق ومخالف ہر ایک کے نزدیک آپ کا علمی وفنی وقار مسلم ہو جائے اور پر آشوب دور میں مختلف محاذوں پر آپ کی مجاہدانہ زندگی کا نقشہ نگاہوں کے سامنے پھر جائے۔ اس میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ باتیں بیان کی جائیں جو امام احمد رضا قدس سرہ کی حیات وخدمات پر لکھی ہوئی کتابوں میں کم ملتی ہیں یا نہیں ملتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ نئے گوشے سامنے لائے جائیں اور جو کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے اس کے لئے قارئین کی توجہ پہلی کتابوں کی طرف مبذول کرادی جائے۔

اسی طرح رد بدعات کے عنوان سے ۸۵؍ذیلی سرخی کے تحت حضرت فاضل بریلوی کی کتابوں سے ایسی عبارتیں پیش کردی گئی ہیں جن سے مخالفین کے پروپیگنڈے اور بعض سیدھے سادے ناخواندہ سنی عوام کی غلط فہمی دونوں چیزیں ان شاء اللہ ایک ساتھ دم توڑ جائیں گی۔

مختصر یہ کہ کتاب لاجواب اور دلچسپی سے لبریز ہے جس سے جہاں قارئین کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے وہیں دوران مطالعہ اکتاہٹ کا

احساس نہیں ہوتا بلکہ قاری کتاب پڑھتا ہے اور پڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔اسی وجہ سے اس کتاب کو نہ صرف خواص بلکہ اردو خواں عوام کے درمیان بھی مقبولیت حاصل ہوئی اور کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔

(۴) امام احمد رضا کی محدثانہ عظمت: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان علم حدیث، اصول حدیث، معرفت حدیث، طرف حدیث، علل حدیث، مصطلحات حدیث، روایان حدیث میں یگانہ روزگار تھے۔ساتھ ہی آپ کو حدیث کو پرکھنے، جانچنے اور حدیث کی شرط و معیار متعین کرنے اور راویان حدیث کی معرفت وشناخت طے کرنے میں جو مہارت تامہ حاصل تھی اس کی نظیر نہیں ملتی اور نہ ان کا ثانی نظر آتا ہے لیکن اگر دیدہ کور کو یہ سب نظر نہ آئے تو یہ ان کا قصور ہے، اس میں اعلیٰ حضرت پر انگشت نمائی کا کسی کو حق نہیں پہنچتا لیکن ان دیدہ کور نے اپنی دیدہ کوری کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے لکھ مارا: قلیل البضاعۃ فی الحدیث و التفسیر یعنی امام اہل سنت کی اہلیت حدیث وتفسیر میں بہت کم تھی۔اس کو بعد میں اس کی ذریت نے عام سے عام تر کر دیا جس کے جواب میں علمائے اہل سنت نے جوابات دلائل و براہین کے ساتھ لکھے جن میں سے مبسوط و مفصل جواب کے طور پر ماہر رضویات علامہ محمد حنیف خاں رضوی بریلوی صاحب کی مرتب کردہ ''جامع الاحادیث'' سرفہرست ہے۔اس کے باوجود بھی مخالفین اپنے پروپیگنڈے اور افواہ سے باز نہ آئے تو رئیس التحریر نے ان کی بے بسی اور مطالعہ کی بے چارگی کو واضح کرتے ہوئے تحقیقی کتاب ''امام احمد رضا کی محدثانہ عظمت'' تحریر فرمائی۔

مذکورہ کتاب میں رئیس التحریر نے فن حدیث، اصول حدیث، اسماء الرجال اور حفظ حدیث پر مہارت و دسترس کو بعض مثالوں سے واضح کیا اور یہ بھی ثابت کیا کہ آپ جہاں ایک عظیم محدث تھے وہیں حافظ حدیث بھی تھے۔80 صفحات پر مشتمل مذکورہ کتاب مختصر ضرور ہے لیکن راہ حق کے متلاشی کے لئے کافی وافی ہے۔

(5) امام احمد رضا اور جدید افکار وتحریکات: اس کتاب کے معرض وجود میں آنے کا سبب علامہ یاسین اختر مصباحی صاحب کی مذخورہ کتاب کے درج ذیل اقتباس کو کہا جا سکتا ہے۔آپ لکھتے ہیں ''بیسویں صدی عیسوی کا نصف اول متحدہ ہندوستان کے لئے مذہبی و سیاسی اعتبار سے کافی ہنگامہ خیز ثابت ہوا جس میں مختلف افکار وتحریکات نے اپنی پوری قوت وطاقت کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں پہ یلغار کی اور ان کے اثرات آج بھی برصغیر ہندو پاک و بنگلہ دیش کے طول وعرض میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔اصحاب علم وتحقیق اور ارباب تاریخ وسیاست آج بھی ان کے اسباب ومحرکات اور ان کے نتائج وعواقب پہ اپنے اپنے انداز سے بحث وتمحیص اور تنقید وتبصرہ کرتے رہتے ہیں۔مضامین ومقالات لکھتے رہتے ہیں اور ہر مزاج وفکر ومعیار کی کتابیں منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔جن حالات سے یہ پُر آشوب دور گزرا، اس میں اچھے اچھوں کے قدم جادۂ حق وراہِ اعتدال سے دور ہو گئے تھے اور یہ اس دور کا سب سے افسوسناک اور تشویشناک پہلو ہے کہ بعض مشاہیر علماء اور مسلم قائدین جنھیں ملت اسلامیۂ ہند اپنا رہنما اور نجات دہندہ سمجھتی تھی ان کے قدم بھی لغزش کھا گئے۔جب کہ ایسے ہی نازک حالات میں مومنانہ فہم وفراست کا امتحان ہوتا ہے اور بصیرت و استقامت کی صحیح جانچ پرکھ ہوتی ہے۔'' (امام احمد رضا اور جدید افکار وتحریکات، ص:5)

اس کے بعد اس دور میں اس میدان میں خدمات انجام دینے والی چند شخصیات کا نہایت اجمالی جھلکیاں پیش کرنے کے بعد امام اہل سنت کے بارے میں لکھتے ہیں: زیر نظر کتاب میں آپ دیکھیں گے کہ سوادِ اعظم اہل سنت وجماعت کے مذہب ومسلک سے انحراف کرنے والی جماعتوں وفرقوں کے افکار وخیالات اور اہل سنت کے صراط مستقیم اور ان کی شاہراہ کو چھوڑ کر نئی راہیں اپنانے والے فریب خوردہ افراد کا احتساب وتعاقب امام اہل سنت مولانا احمد رضا بریلوی نے کتنی ایمانی بصیرت اور اخلاقی جرأت کے ساتھ کیا ہے اور کس دردمندی ودل سوزی کے ساتھ انھیں متنبہ کرتے ہوئے بلاخوفِ لومۃِ لائم حکم شریعت واضح کیا ہے۔کسی حرص وطمع اور کسی اندیشۂ سود وزیاں کی آپ نے شریعت کے مقابلے میں کبھی کوئی پروانہ کی۔(مصدر سابق، ص:14، 15)

مزید آگے لکھتے ہیں: امام احمد رضا بریلوی کی زندگی کے آخری دوڈھائی سال کا دور متحدہ ہندوستان کی زبردست سیاسی کشمکش کا دور تھا جس میں مسلمانوں کے مذہبی جذبات ابھار کر انھیں کچھ علماء اور مسلم لیڈروں نے اپنے سیاسی عزائم کے لئے بڑے پیمانے پر استعمال کیا جس کے یہ دو پہلو

خاص طور پر نہایت افسوسناک تھے:

(۱) کئی اصول واحکام شرعیہ کو پامال کیا گیا۔ ہندو مسلم اتحاد کے نام پر بہت سی غیر شرعی حرکتیں کی گئیں۔ یہود ونصاریٰ وکفار ومشرکین کے تعلق سے جو حکم شرعی عام تھا اس سے مشرکین ہند کو بزعمِ خویش مستثنیٰ کیا گیا۔ مسلم تشخص اور مسلم مستقبل تاریک کر دینے کی سازش کو نظر انداز کر کے انھیں سیاسی حالات کے دھارے میں بہنے پر مجبور کیا گیا۔

(۲) مذہبی مسائل کو سیاسی رنگ دینے اور اپنے سیاسی عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کفار ومشرکین کی قیادت کو کچھ ایسے مشہور علماء نے بھی بسر وچشم قبول کر لیا جنھیں مسلمانانِ ہند کی مذہبی قیادت ورہنمائی کا دعویٰ تھا اور جن پر اعتماد کر کے بہت سارے مسلمان نتائج وعواقب سے بے نیاز ہو کر آگے بڑھتے گئے جس کا نتیجہ نقصان وخسارہ اور ندامت وپشیمانی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ (مصدر سابق، ص:15، 16)

زیر نظر کتاب میں رئیس التحریر نے ''طلوعِ سحر، آئینۂ احوال خدمات، احیاے سنت وتجدید ملت، حکمت وفلسفہ، رفض وتشیع، توہب ونجدیت، قادیانیت ومرزائیت، ندویت وصلح کلیت، تحریک خلافت وترک موالات، شان تجدید واعتراف تجدید وغیرہ ذیلی عناوین کے تحت جدید افکار وتحریکات پر امام اہل سنت کے افکار وتحریرات کی روشنی میں اپنے مدعا کو کتاب کی شکل دی گئی ہے۔ اس کتاب میں مزید مسائل وعنوانات کو شامل کرنے کا علامہ موصوف کا ارادہ رکھتے تھے لیکن کتاب میں شامل موضوعات ہی طویل ہو گئے اس لئے کسی دوسرے موقع کے لئے آپ نے ان عناوین کو محفوظ کر لیا۔ آپ لکھتے ہیں:

ارادہ تھا کہ امام احمد رضا بریلوی کے عہد وعصر میں جو جدید مسائل ومباحث مثلاً کرنسی نوٹ، منی آرڈر، عکسی تصاویر، ٹیلیگرام، ٹیلی فون، ریڈیو کی خبر، ٹرین اور موٹر میں ادائے نماز، مزارع ہندوستان، کورٹ کچہری کے فیصلے وغیرہ میں آپ کی تحقیقات وفتاویٰ پر سیر حاصل بحث کی جائے مگر افسوس کہ دوسرے موضوعات اتنے حاوی ہو گئے کہ مجبوراً انھیں کسی دوسرے موقعہ کے لئے موقوف وملتوی کرنا پڑ رہا ہے۔ (مصدر سابق، ص:28)

اس کتاب کے فوائد اور حاصل کیا ہے؟ علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں:

''امام احمد رضا اور جدید افکار وتحریکات'' حاضر خدمت ہے۔ اس کا (مع مراجع وحواشی) بغور مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ کتاب وسنت وارشاداتِ صحابہ وتابعین واقوالِ ائمہ وفقہا وعلماے اسلام کے مذہب ومسلک وموقف کا کس طرح امام احمد رضا نے التزام واتباع کیا ہے اور کسی بھی ذیلی فکر اور جدید نظریہ وسیاسی تحریک کے بارے میں آپ نے جو شرعی موقف اپنایا ہے اس میں روحِ شریعت سے آپ کتنے ہم آہنگ اور قریب تر ہیں کہ یہ ہم آہنگی وقرب واتباع ہی آپ کے عقیدہ وفکر وعلم وبصیرت کا اصل محور ومرکز ہے۔ آپ نے اپنی ہر تحریر وفتویٰ میں حق وباطل اور کھرے کھوٹے کو الگ کر دکھایا ہے اور کسی مداہنت ومخالطت کو آپ نے کبھی کوئی راہ نہیں دی ہے نہ حالات سے متأثر ہو کر مزاج ومفادِ شریعت کے خلاف کوئی بات کہی ہے نہ مخالفین ومعاندین کے طعن وتشنیع والزام وپروپگنڈہ کی کبھی پروا کی ہے۔ اپنے طرز فکر اور اپنے قول وعمل کے ذریعہ تا زیست آپ نے قوم مسلم کو یہی پیغام دیا اور بار بار بتاکید واصرار یہ پیغام دیا ہے کہ:

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق وباطل نہ کر قبول (مصدر سابق، 29)

(6) فقہ حنفی اور امام احمد رضا: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے عظیم وجلیل فقیہ تھے، میدان فقاہت میں آپ کے مقام ومرتبہ کا عالم یہ تھا کہ آپ کے فتاویٰ کو علماے عرب وعجم نے قبول کیا۔ اس انفرادیت کو دیکھتے ہوئے اہل علم نے آپ کو ''ابوحنیفۂ ہند'' سے بھی یاد کیا۔

آپ کی ان فقہی خدمات پر مشتمل علامہ یاسین اختر مصباحی صاحب نے اس کتاب کو ترتیب دیا جسے مقبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ اس کتاب میں مولف موصوف نے عرفان وفیضان حجاز مقدس، آئینۂ ماضی، عکس حیات وخدمات، ضروریات دین، مسئلۂ تکفیر، مسئلہ ختم نبوت، شریعت مطہرہ کی حکمت بالغہ، مقاصد شریعت اور استنباط واستخراج، فقہ واجتہاد اور فتاویٰ رضویہ سے اتفاق واختلاف، دار الاسلام اور دار الحرب، تحریک ندوۃ العلماء، تحریک خلافت وترک موالات، وعظ وبیان اور تردید وابطال، سفرِ آخرت، جدید علماے عرب کا ہدیۂ تبریک، فرعی اختلاف کی نوعیت وحیثیت، وغیرہ

جیسے مسائل وموضوعات پر امام اہل سنت کی فقیہانہ ومجتہدانہ شان پر عموماً آپ ہی کی تحریرات کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے۔

(7) امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں: کتاب کا نام ہی کتاب کی پوری کہانی بیان کررہا ہے۔ مزید خود مصنف کی زبانی ملاحظہ کریں کہ اس میں کیا ہے؟ آپ لکھتے ہیں: امام احمد رضا، حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے عشق وعرفان اور فضل وکمال کی شہادت، برصغیر ہندوپاک کا چپہ چپہ دے رہا ہے، جس کے کچھ نمونے آپ زیرنظر کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔ سیکڑوں مشاہیر علماے عرب وعجم کے خیالات وتاثرات کے بکھرے دانوں کو ایک لڑی میں پروکر ایک وقیع اور جان دار تعارف کے ساتھ، ہم آپ کے ذوقِ نظارہ کو، دعوتِ عام دے رہے ہیں جس سے یقینا آپ کی عقل وفکر کو روشنی اور قلب وروح کو بالیدگی وتوانائی، حاصل ہوگی۔ (امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، ص: 11-12)

دیکھا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کتاب کو رئیس التحریر نے سات ابواب پر ترتیب دیا ہے:

کلمۂ آغاز: اس کے تحت مختصر تمہیدی گفتگو کی گئی ہے۔ تعارف: اس کے ذیل میں 27/ ذیلی سرخیوں کے تحت امام اہل سنت کی زندگی کے مختلف گوشوں پر خامہ فرمائی کی گئی ہے۔

نذرانہ اہل دانش: اس عنوان کے تحت رئیس التحریر نے تقریباً ٦٧ اہل علم ودانش کے امام اہل سنت کے متعلق اقوال وتحریرات کو باحوالہ پیش کیا گیا ہے۔

اعتراف حقیقت: اس عنوان کے ذیل میں دیابنہ وہابیہ وغیرہ کے 11/ سرکردہ شخصیات کے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے بارے میں اعتراف حقیقت کو جگہ دی گئی ہے۔ مشائخِ عظام: سرخی کے ذیل میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے بارے میں 25/ مشائخ عظام کے تاثرات کو محفوظ کیا گیا ہے۔ تجلیات حرمین: کے ذیل میں امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان کے متعلق 22/ علماے حرمین شریفین کے مدحیہ کلمات شامل کیے گئے ہیں۔

جدید علماے عرب: اس کے تحت 14/ علماے عرب کے امام احمد رضا فاضل بریلوی کے بارے میں قلبی تاثرات پیش کیے گئے ہیں۔

مذکورہ کتاب رضویات کے باب میں ایک عظیم اضافہ اور تعارف امام اہل سنت کا ایک انوکھا طریقہ ہے یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب بہت زیادہ مقبول ومشہور ہوئی جس کی بین دلیل یہ ہے کہ 1977ء/ 1397ھ سے 2018ء/ 1442ھ تک اس کے بارہ ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔

رئیس التحریر تحریر فرماتے ہیں:

بِفَضْلِهٖ تَعَالٰی، زیرنظر کتاب ''امام احمد رضا اربابِ علم ودانش کی نظر میں'' ہندوپاک کے دینی وعلمی حلقوں میں کافی مقبول ہوئی اور اب تک اس کے ایک درجن یا۔ اس سے زائد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ مزید نظرثانی اور کمپوزنگ کے ساتھ اس کا تازہ نسخہ، آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اِس کتاب کو پڑھ کر قاری کے ذہن میں امام احمد رضا، بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے حالات وخدمات کا ایک پُرکشش اور دل نشیں نقش اُبھرتا ہے اور اس کے اندر مزید علم ومطالعۂ رضویات کی ایک خواہش اور جستجو پیدا ہوجاتی ہے جو اس کتاب کا اصل فائدہ اور اس کا بنیادی مقصد ہے۔ امام احمد رضا کے اَحوال اور بنیادی افکار وخیالات سے واقف ہونے کے ساتھ اس کتاب کا قاری، کچھ دیر کے لئے تصوراتی طور پر، اُس محفلِ ذکر وفکر ومجلس علم وحکمت وبزم فضل وکمال میں اپنے آپ کو موجود پاتا ہے۔ (مصدر سابق، ص: 12)

(8) معارف کنز الایمان: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز سے قبل بھی تراجم قرآن ملتے ہیں لیکن امام اہل سنت کے ترجمہ کردہ ترجمۂ قرآن ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' کی نظیر نہیں ملتی جس نے تقدیس الوہیت اور شان رسالت کے تحفظ کا مکمل حق ادا کیا۔ ساتھ ہی یہ ترجمہ اپنے لفظی ومعنوی محاسن ومعارف کے اعتبار سے دیگر تراجم قرآن سے ممتاز ہے۔ کنز الایمان کے محاسن وکمالات پر کئی کتابیں لکھی گئیں ان میں سے ایک رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب علیہ الرحمہ کی ''معارف کنز الایمان'' ہے جو درحقیقت آپ کے مختلف مواقع پر لکھے مضامین ومقالات کا مجموعہ ہے۔ اس میں آپ نے کنز الایمان کا تعارف، عظمت توحید، عظمت رسالت کا احترام، کنز الایمان کے بعض محاسن وکمالات کا بیان، کنز الایمان کا دیگر اردو تراجم قرآن سے تقابلی جائزہ اور لفظ ذنب سے متعلق تحقیق پیش کی ہے۔

(۹) آفتاب و ماہتاب: اس کتاب کو رئیس التحریر نے چودہویں صدی کے دو عظیم شخصیت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد بریلوی اور تاج دار اہل سنت مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خان نوری کے حیات و خدمات کے انوار و تجلیات ذہن و فکر کو جلا بخشنے کے لئے تحریر فرمایا ہے۔

محمد عطاء النبی حسینی مصباحی ابو العلائی، ناظم جامعۃ المدینہ فیضانِ عطار، نیپال گنج، نیپال

وسجادہ نشیں خانقاہِ اسمٰعیلیہ حسینیہ، پھانکی گھاٹ، کھردہ، کولکاتا۔۷۷۱، و مدیر اعلیٰ سہ ماہی ''سنی پیغام'' نیپال

افادات نامہ

علامہ یٰسین اختر مصباحی کے ساتھ ایک عہد کا خاتمہ ہوا

فیس بک پر مولانا محمد ظفر الدین برکاتی مدیر ماہنامہ کنز الایمان دہلی کا جب یہ میسیج نظر سے گزرا کہ ''علامہ یٰسین اختر مصباحی نہ رہے'' قلب پر بجلی سی گری۔ایسا محسوس ہوا کہ زمین تلووں کے تلے نکل رہی ہو۔میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔شرع شریف کے موافق انا للہ وانا الیہ راجعون کا ورد کیا، اس وقت میں حیدر آباد میں حضرت سیدنا نور الدین قادری قمیصی ساڈھوروی ثم حیدر آبادی علیہ الرحمہ کے ۱۴۹ ویں عرس پاک میں حاضر تھا۔ہوٹل میں میرے ساتھ قاری ابو الحسن رام پوری، علامہ ذو الفقار نوری بریلی شریف بھی تشریف فرما تھے۔ہم نے مل کر حضرت ممدوح کی بارگاہ میں ایصال ثواب کیا۔مرکز فروغ اسلام برکات اشفاق ٹائیں نوح میں بھی ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔

علامہ مصباحی ملت کا درد رکھنے والے عالم ربانی تھے۔آپ نے تنہا وہ کار ہا، نمایاں انجام دیے جو تنظیموں کے لئے بھی قابل رشک ہیں۔آپ بے حد شفیق اور خیر خواہ تھے، ہر ایک کو بہتر مشورہ سے نوازتے۔میں جب بھی دار القلم حاضر ہوتا، اکثر علامہ صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا ،علاقۂ میوات کے بارے میں، مرکز فروغ اسلام برکات اشفاق کے بارے میں اور والد گرامی شیر میوات مفتی محمد اسحاق اشفاقی کے تعلق سے ضرور پوچھتے۔آپ کو علاقۂ میوات کی بڑی فکر رہتی تھی کہ وہاں سنیت کا کام کیسا چل رہا ہے، اور فکر کیوں نہ ہوتی کہ آپ صحیح معنوں میں مفکر اسلام تھے۔آپ نے کئی دفعہ فرمایا کہ مدرسے میں علاقۂ میوات کے طلبہ کی کثرت ہونی چاہیے کیوں کہ اس علاقے میں تعلیم کی اشد ضرورت ہے اور علاقوں میں مدارس کافی تعداد میں موجود ہیں، علاقے کے بچے پڑھیں گے تو علاقے میں کام کریں گے یوں سنیت کا فروغ ہوگا۔علاقۂ میوات میں آپ کی بلب گڑھ، فرید آباد، ٹائیں، کھیڑلہ شریف (حضرت مولانا رکن الدین الوری کی ولادت اسی موضع میں ہوئی۔مزار شریف الور میں مرجع خلائق ہے) شکار پور، رہاڑی، سوندھ شریف، کوسی کلاں وغیرہ کئی بار تشریف آوری ہوئی۔علاقے میں سنیت کا کام کس طرح کیا جائے اس کے لئے علامہ صاحب اور والد گرامی نے مل کر علماء وعوام میوات کے ساتھ کئی میٹنگ کی۔جب علامہ صاحب ''تحفظ سنیت کانفرنس'' بموقع افتتاح مرکز فروغ اسلام برکات اشفاق ۲۰۱۰ء میں تشریف لائے تھے تو آپ نے اپنے خطاب میں فرمایا تھا:

''آج سے دس پندرہ سال قبل جو ہم نے اور مولانا محمد اسحاق اشفاقی نے خواب دیکھا تھا آج اسے شرمندۂ تعبیر ہوتے دیکھ کر بڑی خوشی ہو رہی ہے۔علاقۂ میوات میں ہم نے جگہ جگہ میٹنگ کیں آج میں اس کا ثمرہ دیکھ رہا ہوں میں بہت خوش ہوں۔''

والد صاحب بتاتے ہیں کہ غالباً ۱۹۸۷ء میں پہلی مرتبہ علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب، علامہ قاری جلال الدین صاحب ناظم الجامعۃ الاسلامیہ روناہی، مولانا ابو بکر اشرفی سکریٹری سنی تبلیغی جماعت باسنی ناگور کو چاؤلہ کالونی بلب گڑھ فرید آباد، مدعو کیا، یہاں اس وقت والد صاحب اور ان کے احباب کی محنتوں سے مدرسہ غوثیہ رضویہ بن چکا تھا جس کی بنیاد والد گرامی نے رکھی تھی۔اس مدرسے کے سرپرست حین حیات حضرت تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خان علیہ الرحمہ رہے اور کئی دفعہ آپ نے اس مدرسے کے سالانہ جلسے میں تشریف لاکر علاقۂ میوات کو فیوض و برکات سے مالا مال فرمایا اور بہت سے افراد نے آپ کے دست حق پرست پر سلسلۂ قادریہ رضویہ میں بیعت کا شرف حاصل کیا۔علامہ مصباحی صاحب بھی اکثر جلسوں میں تشریف لاتے تھے۔والد صاحب بتاتے ہیں کہ اس سے قبل اہلسنت جمعہ کی نماز کسی کے مکان میں ادا کرتے تھے۔جب مدرسہ غوثیہ رضویہ اور اس کے ساتھ ہی رضا مسجد کا قیام عمل میں آیا تو اہلسنت کو راحت ملی جمعہ ہونے لگا۔آج الحمد للہ درجنوں مساجد و مدارس فرید آباد علاقے میں

موجود ہیں جن کا مسلک اعلیٰ حضرت کی نشر واشاعت میں اہم کردار ہے۔جناب نیاز احمد قادری مذکورہ نورانی قافلہ کو دہلی جا کر مدرسہ غوثیہ رضویہ بلب گڑھ لے کر آئے وہیں قیام رہا۔میٹنگ ہوئی کہ کس طرح علاقہ میوات میں سنیت کا کام کیا جاسکتا ہے۔اسی میٹنگ میں تنظیم اہلسنت میوات قائم کرنے کا فیصلہ لیا گیا۔اس پراسی وقت عمل کرتے ہوئے تنظیم کا صدر علامہ یس اختر مصباحی کو بنایا گیا،سکریٹری والدگرامی کو، نائب سکریٹری مولانا ابوبکر اشرفی باسنی کو،خزانچی نیاز بھائی کو اور نائب خزانچی مولانا عبدالغفور صاحب امام جامع مسجد شکار پور کو بنایا گیا۔حاجی عبدالحکیم راجشاہی علیہ الرحمہ چاہلکا والے بھی اس تنظیم کے ساتھ سرگرم عمل رہے دیگر علماء وائمہ اہلسنت نے بھی خوب ساتھ دیا۔

یہ نورانی قافلہ بلب گڑھ سے والدگرامی کے ہمراہ ٹائیں تشریف لایا یہاں بھی میٹنگ ہوئی اور مذکورہ موضوع پر غور وخوض کیا گیا۔ٹائیں سے یہ قافلہ شکار پور، وہاں سے رہاڑی پہنچا دونوں جگہ میٹنگ ہوئیں پھر یہ قافلہ قطب عالم حضرت میاں راج شاہ قادری علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضری کے لئے سوندھ شریف حاضر ہوا۔ یہاں مزار پرانوار پر فاتحہ خوانی کے بعد میوات میں سنیت کے فروغ کے واسطے دعا کی گئی اور دربار میں بھی اس موضوع پر تبادلۂ خیال کیا گیا کہ میوات میں کس طرح مسلک اعلیٰ حضرت کا کام کیا جائے یہاں سے والدگرامی اس قافلہ کو لے کر کوسی کلاں ضلع متھرا پہنچے۔محلہ نخاسہ میں قیام رہا۔وہاں میٹنگ ہوئی اس میں کوسی کلاں واطراف کے سب ائمہ نے شرکت فرمائی جہاں حضرت مولانا سید منصور عالم رضوی (امام وخطیب جامع مسجد سرائے والی کوسی کلاں) شانہ بشانہ ساتھ رہے۔علاقۂ میوات کے لئے سید صاحب کی خدمات بھی قابل تعریف ہیں۔

کوسی کلاں کے قیام کے دوران ایک خوش گوار واقعہ پیش آیا کہ ایک دیوبندی علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کے پاس آیا۔وہ سوالات کرنے لگا علامہ صاحب بڑی خوش اسلوبی وحسن اخلاق سے اس کے جواب دیتے رہے اور والدمحترم نے بھی بڑے پیار سے اپنی زبان میں انہیں سمجھایا۔وہ علامہ صاحب اور والدمحترم کے جوابات سے مطمئن ہوا پھر دیوبندیت سے تائب ہوکر اعلان کیا کہ آج شام میلاد شریف میری طرف سے ہوگی۔شب میں شان وشوکت کے ساتھ میلاد شریف ہوئی،علامہ یٰسین اختر مصباحی،علامہ قاری جلال الدین اور والدگرامی وقار نے معمولات اہل سنت کو قرآن وحدیث کی روشنی میں ثابت کیا۔کوسی کلاں وعلاقہ بھر میں اس میلاد شریف کا اچھا اثر ہوا۔

جب سے مرکز فروغ اسلام برکات اشفاق شروع ہوا حضرت علامہ مصباحی صاحب نے تین مرتبہ مدرسے کے جلسے میں شرکت فرمائی۔آخری مرتبہ ۲۰۲۱ء کے سالانہ جلسۂ دستار بندی بنام سیدنا سالار مسعود غازی کانفرس میں تشریف لائے۔۱۳ طلبہ کو دستار فضیلت دی گئی اور تحریک فروغ اسلام ٹائیں نوح میوات ہریانہ نے آپ کی خدمات جلیلہ کے اعتراف میں آپ کو ''راجشاہی ایوارڈ'' پیش کیا۔ختم بخاری شریف آپ نے ہی کرائی۔اس میں پیر طریقت حضرت ڈاکٹر تسخیر احمد راجشاہی سجادہ نشین آستانہ عالیہ راجشاہیہ سوندھ شریف،شہزادۂ مفتی اعظم راجستھان حضرت الحاج محمد معین الدین اشرفی سربراہ اعلیٰ دارالعلوم اسحاقیہ جودھ پور،شیر راجستھان حضرت مفتی شیر محمد خان رضوی صدرالمدرسین دارالعلوم اسحاقیہ جودھ پور، پروفیسر غلام یحیٰی انجم مصباحی صدر شعبۂ اسلامی جامعہ ہمدرد بھی موجود تھے۔ختم بخاری شریف مدرسے کے صحن میں جلسے کے درمیان ہوئی ختم بخاری شریف میں علامہ صاحب نے جوفرمایا اُسے پیش کیا جاتا ہے

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی ﷺ کلمتان حبیبتان الی الرحمن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ دو کلمے جو،اللہ رحمن ورحیم کونہایت محبوب وپسندیدہ ہیں اورزبان پر بہت ہلکے ہیں اورمیزان پر بہت بھاری ہیں وہ دو کلمے یہ ہیں: **سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔**

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے کہ **سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم** یہ دوایسے کلمے ہیں جو اللہ کو بہت پسند ہیں اور پڑھنے میں بہت ہلکے بہت آسان ہیں اورمیزان قیامت میں بہت بھاری ہیں۔مطلب یہ ہے کہ یہ کلمے اہل ایمان واسلام کو بار بار پڑھنا چاہیے تاکہ اس کی برکت اور ثواب کے وہ حقدار ہوتے رہیں اور یہ اتنا آسان ہے کہ آدمی صبح وشام چوبیس گھنٹے میں درجنوں مرتبہ پڑھ سکتا ہے اوراس کا ثواب حاصل کرسکتا ہے۔

یہ حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رضی اللہ تعالی عنہ کی صحیح بخاری کی آخری حدیث پاک ہے امام بخاری رضی اللہ عنہ نے بہت محنت، مشقت، جفاکشی کر کے یہ حدیثیں جمع فرمائیں۔اسی طرح سے اور دوسرے محدثین کرام نے بھی بہت محنت اور بہت سفر کر کے دوسرے محدثین راویوں سے حدیثیں حاصل کیں۔آج کتنی آسانی کے ساتھ یہ حدیثیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔آپ تصور کیجئے کہ آج سے بارہ تیرہ سوسال پہلے جب سفر کی بے پناہ مشکلات تھیں، اس زمانے میں بھی محدثین کرام کو اگر معلوم ہوجاتا کہ ایک حدیث کی روایت فلاں کرتے ہیں پھر وہ ایک ایک حدیث کے لئے سوسومیل اور اس سے زیادہ کا سفر کرتے۔

علامہ صاحب نے آخر میں سند حدیث کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ فارغین اور تمام موجود علماء کو میں تین واسطوں سے ملنے والی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سند کی اجازت دیتا ہوں۔شرط یہ ہے کہ سواد اعظم اہلسنت و جماعت کے عقائد معمولات پر کاربند وگامزن رہیں اور مجھے یہ بتانے میں مسرت ہورہی ہے کہ تینوں سندوں میں سے مجھے وہ سند حدیث زیادہ محبوب ہے جو حرم شریف میں حدیث رسول ﷺ کے خاندانی استاد حضرت سید محمد بن علوی مالکی مکی سے براہ راست ملی ہے البتہ باقی دونوں سندوں میں صرف تین چار واسطوں سے سراج الہند علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ تک پہنچنا بھی میرے لئے بڑی سعادت کی بات ہے۔(روزنامہ انقلاب ۲۳ مارچ ۲۰۲۱ء)

علامہ مصباحی ہرایک کو مطالعہ کے لئے فرماتے۔آپ واٹسپ پر سیکڑوں علماء کو روزانہ اپنی و دیگر علمائے اہلسنت کی کتابیں بھیجا کرتے۔ میرے واٹسپ پر بھی تقریباروزانہ کئی کئی کتابیں بھیجا کرتے۔ ۳۰ مارچ ۲۰۲۳ء کو آخری دو کتابیں جو آپ نے بھیجیں یہ تھیں ''یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے'' ''ہمارے سیدنا امیر معاویہ'' یہ دونوں بڑی اہم کتابیں ہیں اول آخرت کی یاد دلاتی ہے تو دوسری کتاب موجودہ پرفتن دور میں جب کہ صحابۂ کرام کے خلاف بولا جارہا ہے ایسے وقت میں ناموس صحابہ کی حفاظت کی یاد دھانی کراتی ہے۔ یقینا ہر صحابی رسول ﷺ کا مقام غوث وافراد سے بھی بلندو بالا ہے۔سچا سنی وہی ہے جس کے ایک ہاتھ میں اہل بیت اطہار کا دامن ہو تو دوسرے ہاتھ میں صحابۂ کرام کا دامن ہو۔اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے اہلسنت کی کیا خوب تعریف فرمائی ہے:

اہلسنت کا ہے بیڑا پار اصحابِ حضور   نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

واٹسپ پر کتابیں بھیجنے کے بارے میں ایک بار فرمایا:

''میں روزانہ بہت ساری کتابیں واٹسپ کر دیتا ہوں یہ اچھا ذریعہ ہے علماء وعوام تک اسلامی لٹریچر پہنچانے کا''

آپ علماء کو تصنیف وتالیف کی طرف ترغیب دلاتے۔ایک دفعہ میں نے ذکر کیا حضرت ہمارے یہاں اعلی حضرت علیہ الرحمہ کے بہت سے خلفاء ہوئے ہیں مثلاامام المحدثین علامہ سید دیدار علی راجشاہی رضوی الوری، علامہ سید ابوالحسنات اشرفی رضوی الوری صاحب تفسیر الحسنات، علامہ ابوالبرکات اشرفی رضوی الوری، علامہ سید محمود الحسن زیدی نقشبندی رضوی اشرفی اوران کے علاوہ کئی مشائخ اعلی حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ واعلی حضرت اشرفی میاں کے فیض یافتہ ہیں۔آپ نے فرمایا کہ اس پر کام کرو! یہ ایک نیا کام ہوگا میوات کے حوالے سے۔میں نے عرض کیا جی کوشش کروں گا فرمایا لکھتے رہو۔مجھ سے اکثر فرماتے آپ جب دھلی آئیں مل جایا کرو۔ایک بار والد صاحب کے ساتھ حاضر تھا تو علامہ صاحب نے کسی بات پر فرمایا کہ حضرت مفتیٔ اعظم راجستھان نے مجھ سے فرمایا تھا:

''مدرسہ، مسجد یا کسی تنظیم کا حساب کتاب اپنے ہاتھ میں مت رکھنا میں حضرت کے اس فرمان پر قائم ہوں پھر مفتیٔ اعظم راجستھان کے اس جملے کو یاد فرمانے لگے جو آپ نے ''حافظ ملت ایوارڈ'' ملنے کے وقت الجامعۃ الاشرفیہ کے جلسے میں فرمایا تھا کہ ''الجامعۃ الاشرفیہ نے سنیت کی بڑی خدمت کی اور کررہا ہے بہت کیا بہت کیا اور ابھی بہت کرنا ہے۔''

مفتی اعظم راجستھان علیہ الرحمہ نے مجھ سے فرمایا تھا ''میوات میں ایک تنظیم بناؤ اور علامہ یس اختر مصباحی کو اس کا صدر بناؤ اور ڈاکٹر غلام یحیی انجم مصباحی کو بھی اس میں شریک رکھو'' ہم نے ہمیشہ دونوں حضرات کو اپنا سرپرست سمجھا، ان کے مشوروں پر عمل کرتے رہے اور حضرت مفتیٔ اعظم راجستھان علیہ الرحمہ کا فرمان یوں بھی پورا ہوا کہ مرکز فروغ اسلام برکات اشفاق میں دونوں حضرات کو ایک ساتھ ''راجشاہی ایوارڈ'' دیا گیا۔

مرشدی الکریم مفتئ اعظم راجستھان علیہ الرحمہ علامہ مصباحی پر بہت اعتماد فرماتے۔آپ کو ہمیشہ دار العلوم اسحاقیہ کے سالانہ جلسہ میں مدعو کرتے اور آپ کی تقریر کراتے۔آپ کی تقریر موقع محل کے موافق ہوتی تھی اور نپے تلے جملے ادا کرتے ۔والد گرامی بھی آپ کی تقریر بہت پسند فرماتے کیوں کہ اس دور میں شعلہ بیانی کی جگہ سنجیدہ گفتگو کی ضرورت ہے۔علاقۂ میوات کے لئے آپ نے بہت کام کیا۔مولانا رمضان اشفاقی نے بتایا کہ ایک بار مرشد گرامی حضرت مفتئ اعظم راجستھان علیہ الرحمہ نے دار العلوم اسحاقیہ کے سالانہ جلسۂ دستار بندی کے موقع پر مجھے علامہ یس اختر مصباحی کی خدمت میں رہنے کا حکم فرمایا۔آپ نے بڑی شفقتوں سے نوازمیرا گھر بار و علاقۂ میوات کے بارے میں پوچھا میوات کے لئے آپ کافی فکرمند تھے میرا بہتر رزلٹ دیکھ کر آپ نے مجھے جیب خاص سے پچاس روپے عطا فرمائے اور میری حوصلہ افزائی فرمائی۔مولانا رمضان صاحب بتاتے ہیں کہ جب میں شکار پور امامت کرتا تھا تب جامع مسجد میں میٹنگ رکھی گئی اس میں میرے علاوہ حاجی عبدالحکیم راجشاہی، نیاز بھائی بلب گڑھ، مولانا عبدالغفور، مولانا یامین رہاڑی، مولانا وزیر رضوی کھیڑلہ، صوفی علی شیر نظامی اور ان کے علاوہ دیگر علماء بھی شریک تھے۔حضرت مصباحی صاحب نے فرمایا تھا ”سب علماء، ائمہ ایک پلیٹ فورم پر آکر کام کرو، اپنے بچوں کو اہل سنت کے بڑے اداروں میں داخلہ دلواؤ تب کہیں جاکر سنیت میں بیداری آئیے گی“ حضرت کی تحریک پر شروع شروع میں کافی میواتی طلبہ دار القلم دہلی میں زیر تعلیم رہے۔

آج بھی ہمارے علماء کو علامہ مصباحی صاحب علیہ الرحمہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جہاں جہاں ضرورت ہو وہاں جاکر بیداری مہم چلانی چاہیے۔علامہ مصباحی فرماتے کہ آج کل جہاں بدعقیدہ جاتے ہیں ہمارے علماء نہیں جاتے جائیں تو اُن پر فتوی لگا دیا جاتا ہے آپ یہ نیت کیوں کرتے ہو کہ ہم بدعقیدہ کے ساتھ بیٹھنے جارہے ہیں۔آپ اپنی یہ نیت رکھیں کہ ہم اہل سنت کی نمائندگی کرنے جارہے ہیں۔آج بڑی بڑی جگہ ہمارے نہ پہنچنے کی بنا پر کالج، یونیورسٹی کے طلبہ ان کے زیر اثر آتے جارہے ہیں۔اسی بنا پر دوسروں کی نظروں میں وہ مسلمانوں کے قائد بنے ہوئے ہیں اور اکثریت کے باوجود ہم کہیں نظر نہیں آتے۔ہم اگر اہلسنت کی نمائندگی نہیں کریں گے تو عوام ہم سے کیسے جڑے گی؟

علامہ مصباحی صاحب کی تحریک پر ایک بار سراج الفقہاء مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور جامعہ ملیہ اسلامیہ تشریف لائے جہاں طلبہ بدعقیدہ مفتی سے سوالات کرتے، ان سے متاثر ہوتے۔وہیں ہم نے وہ منظر دیکھا کہ جب اہلسنت کی نمائندگی رئیس التحریر و سراج الفقہاء نے کی تو دوسرے سبھی بدعقیدہ مع مفتی کے سامع بن کر رہے اور طلبہ اور پروفیسر حضرات مفتی صاحب کا حسن اخلاق و علمی قابلیت دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔یہ ۶، اپریل ۲۰۰۹ء کی بات ہے۔وہ پروگرام بڑا شاندار رہا، میں بھی اس میں موجود تھا۔بعد پروگرام کے علامہ مصباحی صاحب نے مفتی صاحب سے فرمایا ”مبارک ہو۔بہت خوب رہا۔بے خطر اسی طرح اہلسنت کی نمائندگی کرتے رہیں، اسی طرح سنیت کا پرچار ہوگا۔

علامہ صاحب ہمہ وقت مسلک اعلی حضرت کی نشر و اشاعت میں مصروف رہتے۔یقیناً آپ مسلک اعلی حضرت کے سچے علمبردار تھے۔آپ کی تصنیف ”امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات“ پڑھ کر بہت سے دیابنہ کی آنکھیں کھل گئیں، ان کے علماء تک کہنے پر مجبور ہوگئے کہ امام احمد رضا کے بارے میں ہماری غلط فہمی تھی کہ انہوں نے بدعات کو بڑھاوا دیا ہے مگر حقیقت اس کے برعکس ہے کہ امام احمد رضا نے بدعات و خرافات کو مٹایا ہے۔

مصباحی صاحب علیہ الرحمہ کی ایک ایک بات رہ رہ کر یاد آرہی آج اگرچہ علامہ صاحب ہمارے مابین نہ رہے مگر آپ کے کارنامے ہمیشہ آپ کو زندہ و جاوید رکھیں گے۔آپ کی درجنوں تصانیف ہمیشہ آپ کی یاد دلاتی رہیں گی کہ علامہ صاحب کی دوستی کتابوں سے تھی، اپنے چاروں طرف کتابیں اور ان کے درمیان رہنا انہیں پسند تھا۔ولِلّٰہی خاندان پر آپ نے بڑا کام کیا اور بہت بڑا کام کرنے کی پلاننگ تھی۔اس خاندان بابرکات پر کام کرنے کی ایک وجہ یہ بھی رہی کہ چاہے کسی مکتبۂ فکر کا ماننے والا ہو، اس کا سلسلۂ تلمذ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک ضرور پہنچتا ہے خاص کر ہندو پاک میں۔اس خاندان عالیشان کے عقائد و نظریات جاننے کے بعد ہر آدمی پر یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ چودہ سو سال قبل سے جو عقائد تسلسل سے ثابت ہیں وہ وہی ہیں جن پر اہل سنت و جماعت قائم ہے۔علامہ مصباحی علیہ الرحمہ نے ”سواد اعظم اہلسنت کا شخصیاتی تسلسل“ لکھ کر یہ ثابت کر دیا کہ یہ بدعقیدہ کل کی پیداوار ہیں۔دار القلم اور قادری مسجد آپ کی یادگار ہیں۔علامہ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی خدمات کے

لئے ایک دفتر درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ مصباحی صاحب علیہ الرحمہ کے درجات بلند فرمائے، مرقد پر انوار و رحمت کی برکھا برسائے، اہل سنت کو صبر جمیل و نعم البدل عطا فرما۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

محمد عارف رضا اشفاقی، جنرل سکریٹری تحریک فروغ اسلام۔ ٹائیں نوح میوات ہریانہ، 9812386917

میں نے بھی حضرت کو پڑھا ہے لیکن ملاقات سے محروم رہا

میں نو عمری میں تھا جب ہی سے مجھے اپنے بزرگان دین و اکابرین کی خدمات کو پڑھنے کا قلب میں شوق پیدا ہوا، اُس وقت میرے بہنوئی قاضی محمد مظفر حسنین رومی برکاتی صاحب نے رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب کی خدمات اور اُن کی کتابوں کا تذکرہ کیا اور مجھے کئی کتابیں دیں جن میں سے ایک کتاب ''بارگاہِ خواجہ ہند میں امام احمد رضا کی حاضری'' اور ایک ''علامہ فضل حق اور انقلاب ۱۸۵۷ء'' ہے۔ مجھے شوق ہوا کہ حضرت سے ملاقات کروں لیکن میری کم نصیبی رہی کہ حضرت سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوا پھر جب الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں میں نے درجہ حفظ میں داخلہ لیا، اُس دوران میں جامعہ کے طلبہ کے ساتھ علمی محافل میں شریک ہوا کرتا تھا۔ اُن محافل میں اکثر حضرت کی تحریر کا ذکر ہوا کرتا تھا۔ اسی دوران جامعہ کے ایک جلسہ میں حضرت تشریف لائے تو اُس وقت میں نے حضرت کی زیارت کی لیکن میری جرات نہ ہوسکی کہ حضرت سے ملاقات کرسکوں پھر کچھ عرصے بعد ابھی رمضان المبارک میں زیارت کی غرض سے دہلی کا میرا سفر ہوا تو میں اپنے کرم فرما ہمدرد قوم و ملت، ہمدرد اہل سنت، خادم سنیت حضرت مولانا محمد ظفر الدین برکاتی صاحب کے ہمراہ دارالقلم پہنچا۔ وہاں سے پتہ چلا کہ طبیعت علیل ہونے کے باعث حضرت اپنے گھر جا چکے ہیں۔ افسوس کہ میری حضرت سے ملاقات نہ ہوسکی، اِس بات کا زندگی بھر رہے گا لیکن اس بات کا فخر ہے کہ حضرت نے جس حافظ ملت کے علمی اور روحانی مے خانے کا جام پیا ہے، آج میں بھی اس عظیم دینی تعلیمی دانش گاہ کا ادنیٰ طالب علم ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرمائے اور حضرت کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

میں اپنے اور اپنے والد بزرگوار اور اپنی خانقاہ کی جانب سے تعزیت پیش کرتا ہوں۔

دعا گو! سید ابو اللیث فصیحی۔ ولی عہد خانقاہ فصیحیہ، روئی منڈی، غازیپور

تحریر و قلم کے سالار کارواں کی رحلت

بارگاہ حضور مفتی اعظم ہند کے فیض یافتہ نمونۂ اسلاف حضرت علامہ مفتی محمد اعظم رضوی بریلی شریف کی وفات حسرت آیات کا غم ابھی تازہ ہی تھی کہ درس گاہ ابو الفیض حافظ ملت علیہ الرحمہ کے تربیت یافتہ ملک التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی بھی داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی ہماری جماعت کے عظیم دانشور، معروف اسلامی اسکالر، بلند پایہ رہنما، ریاست قلم کے بادشاہ، ممتاز محقق، کثیر التصانیف مصنف، مترجم اور قد آور شخصیت کے مالک تھے جس وقت لوح وقلم کے حوالے سے اہل سنت میں جمود و تعطل بلکہ قحط تھا وہ اس دور قحط الرجال میں بھی ادیب انشا پرداز اور قلم سیال کے مالک تھے۔ ادیب کے لئے متبحر عالم دین ہونا ضروری نہیں لیکن آپ ادیب کے ساتھ متبحر عالم بھی تھے۔ ادب عربی اور اردو دونوں کے مجمع البحرین تھے۔ ان کی تحریر حد درجہ شستگی اور شگفتگی لئے ہوتی اور ژولیدگی سے بالکل پاک وصاف ہوتی۔ آپ رضویات کے ماہر مسلک اعلیٰ حضرت کے سپاہی، عظیم مصلح اور داعی ہونے کے ساتھ اسلام وسنیت کے بڑے مخلص ہمدرد، بے لوث خادم اور مہربان و پاسبان تھے۔ آپ کی درجنوں کتابیں اور تلامذہ آپ کے تبحر علمی کے قائل اور شاہد عدل ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز کے تعلق سے بد مذہبوں کے ہفوات کا جواب اپنی مشہور زمانہ کتاب 'امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات' اور 'امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں' کے ذریعے دے کر ہمیشہ کے لئے ان کا منہ بند کر دیا۔

حجاز مقدس سے واپسی کے بعد آپ نے دہلی کو میدان عمل بنایا اور ماہ نامہ حجاز کا اجرا کر کے اہل سنت کے لیٹریچرز میں زمیں صالح ذخیرہ کا

اضافہ کیا۔حجازی فکر ونظر سے لبریز،جس کے گراں قدر اداریے آج بھی ہمارے لئے قیمتی اثاثہ کی حیثیت رکھتے ہیں دار القلم دہلی اور قادری مسجد آپ کی تعمیری یادگاریں ہیں۔مسلم پرسنل لا کانفرنس کے اسٹیج سے آپ کی ملی،سیاسی،فلاحی اور دینی خدمات کا دائرہ بھی وسیع ہے۔
ہم دعا گو ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ مولانا کو عفو و درگزر فرما کر درجوں بلندیاں عطا فرمائے۔پسماندگان اور وارثان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے اور آپ کے علمی وقلمی مشن کو عام و تام فرمائے!آمین بجاہ حبیبک سید المرسلین

محمد ممتاز عالم مصباحی،پرنسپل جامعہ شمس العلوم گھوسی،مئو،۹ مئی ۲۰۲۳ء

کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی آپ کی زندگی کا نمایاں پہلو

میں نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کی تحریروں سے استفادہ کا سلسلہ شروع ہوا جو تادم تحریر جاری وساری ہے۔دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی،بستی کی نورانی لائبریری میں آپ کی کتب و رسائل موجود تھے۔ماہنامہ ''کنز الایمان'' دہلی کے توسط سے آپ کے علمی وفکری اداریوں اور مضامین سے استفادہ کرتا رہا۔آپ سے میری پہلی ملاقات آپ کے قائم کردہ ادارہ دار القلم دہلی میں محب گرامی حضرت مولانا محمد ظفر الدین برکاتی صاحب کی معیت میں ۲۰۱۵ء میں ہوئی پھر یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا پھر ممبئی و دہلی میں کئی ملاقاتیں رہیں۔
اس دوران آپ سے علمی وقلمی مشورہ کے لئے رابطہ رہا،بسا اوقات خود بھی ممبئی کی مذہبی وسیاسی حالات کی معلومات کے لئے راقم الحروف سے رابطہ فرماتے تھے۔آپ اصاغر نواز تھے،نوجوانوں کی علمی وقلمی تربیت کرنا،عصر حاضر کے تقاضوں پر مضامین وکتب لکھوانا آپ کا محبوب مشغلہ تھا بلکہ یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ ہر کام کرنے والے کی حوصلہ افزائی آپ کی زندگی کا نمایاں پہلو ہے۔تحریک سنی دعوت اسلامی پر حضرت رئیس التحریر بڑے مہربان تھے،تحریک کا دستور العمل،حضرت علامہ ارشد القادری اور آپ نے ترتیب دیا تھا۔آپ نے آزاد میدان میں ہونے والے سالانہ عالمی سنی اجتماع میں شرکت فرما کر اہل تحریک کی حوصلہ افزائی فرمائی۔اس موقع پر آپ نے اپنے تاثرات بھی قلم بند فرمائے۔آپ کا وہ گراں قدر تاثر پیش خدمت ہے:''دعوت واصلاح انبیاومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور اہل ایمان پر عائد شدہ ایک اہم فریضہ ہے جسے بحسن وخوبی انجام دینے کے لئے ہر داعی و مصلح کے اندر اخلاص قلب،دولت علم وفضل اور نعمت حکمت وبصیرت کا جوہر ہونا ضروری ہے اور ان صفات وکمالات کا سچا اظہار اور تائید ان کے کردار وعمل سے ہوتی ہے۔
سنی دعوت اسلامی کے انیسویں سالانہ اجتماع منعقدہ ممبئی (۳۰/۳۱/اکتوبر و یکم نومبر ۲۰۰۹ء) کے مختلف پروگراموں میں شرکت کے وقت میں نے محسوس کیا کہ تمام شرکاے اجتماع دینی ذوق وشوق اور ارکان ورضا کاران سنی دعوت اسلامی نظم وضبط سے آراستہ ہیں۔علمائے کرام کے نورانی وعرفانی بیانات ان کے دلوں پر براہ راست اثر کر رہے ہیں۔حاضرین وشرکائے اجتماع نماز باجماعت کی پابندی کر رہے ہیں اور محقق مسائل جدیدہ حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی سے کیے گئے سوالات کا اطمینان بخش جواب پا کر مرد وخواتین سب کے سب اپنی معلومات میں اضافہ کر رہے ہیں۔امیر سنی دعوت اسلامی حضرت مولانا محمد شاکر رضوی اور ان کے جملہ احباب ومخلصین ومعاونین مسلمانان ہند کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔رب کائنات اپنے حبیب ومحبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل میں سنی دعوت اسلامی کو شب وروز فروغ واستحکام بخشے۔''
(ماہنامہ سنی دعوت اسلامی ممبئی،جنوری ۱۱ ص ۴۶)
کئی بار سنی دعوت اسلامی کے مرکزی ادارہ جامعہ غوثیہ نجم العلوم ممبئی میں آپ کا قیام رہا۔آپ ممبئی عظمیٰ کی دو شخصیتوں کی مثال دیا کرتے اور اُن کی خدمات کو سراہتے تھے،ایک الحاج محمد سعید نوری صاحب (بانی رضا اکیڈمی ممبئی) اور دوسرے داعی کبیر حضرت مولانا محمد شاکر نوری رضوی کی۔اس سلسلے میں حضرت موصوف فرماتے کہ یہ دونوں کسی بڑے علمی خانوادہ سے اگر چہ تعلق نہیں رکھتے تاہم ان دونوں نے اپنے دینی وملی کاموں سے ایک بڑے حلقے کو متاثر کیا ہے۔علامہ موصوف جب بھی ممبئی تشریف لاتے تو مولانا محمد عرفان علیمی اور راقم الحروف سے فرماتے کہ نوجوان علمائے کرام کو اکٹھا کریں۔حسب حکم علما وائمہ کو دعوت دی جاتی۔حضرت رئیس التحریر مختلف پہلوؤں پر علما وائمہ کی ذہن سازی فرماتے اور بطور خاص اخبارات میں

مضامین لکھنے، مراسلات بھیجنے اور اپنے اداروں کی مذہبی و علمی سرگرمیوں کی رپورٹس اخبارات میں شائع کروانے پر ابھارتے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ کچھ سال پہلے جب روزنامہ انقلاب اور روزنامہ سہارا نے اپنے دیگر ایڈیشن نکالنے کا عزم کیا اور اشتہار شائع ہوا تو مصباحی صاحب قبلہ نے باضابطہ نوجوان قلم کاروں کو فون کر کے اخبارات میں ملازمت کرنے پر توجہ دلائی اور آپ کی تحریک کا اثر بھی ہوا کہ کچھ علما ان اخبارات سے باضابطہ وابستہ ہو گئے۔

آپ کی ایک بڑی خوبی اور دور اندیشی یہ تھی کہ عموماً آپ اپنی جماعت کے علما کا رد نہیں کرتے تھے لیکن جب کبھی رد لکھا تو علمی شائستگی کے ساتھ لکھا اور دندان شکن جواب دیا۔ آپ کی سوچ یہ تھی کہ مخالفین کا جواب لکھنے سے بہتر ہے کہ انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ خود اپنی موت مر جائیں گے کیوں کہ اگر ہم ہر اعتراض و سوال کا جواب دینے میں لگیں گے تو ہمارا وقت بھی برباد ہوگا، اصل مقصد سے توجہ ہٹ جائے گی اور اس سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے، اس لئے آپ ان کے رد سے حتی المقدور پرہیز فرماتے تھے۔

افسوس کہ اہل سنت کا یہ عظیم سرمایہ اب ہمارے درمیان نہیں رہا۔ رب تعالی ان کی قبر کو اپنی رحمتوں سے بھر دے اور جماعت اہل سنت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ وآلہ افضل الصلوات والتسلیم

عقیدت کیش: مظہر حسین علیمی، مدیر ماہنامہ سنی دعوت اسلامی ممبئی

ایک رئیس القلم، دوسرے رئیس التحریر

(علامہ یٰسین اختر مصباحی: قائد اہل سنت کے خطوط کی روشنی میں)

اہل سنت و جماعت کی عظیم اور مرکزی دانش گاہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے فرزندانِ عالی وقار میں علما و مشائخ، فقہا و محدثین، مصنفین و مفکرین اور مناظرین و قائدین کی جو جماعت ابھر کر سامنے آئی، ان میں قائد اہل سنت، مناظرِ اسلام، رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری اور رئیس التحریر حضرت علامہ محمد یٰسین اختر مصباحی رحمہما اللہ الباری کی حیثیت متعدد جہتوں سے منفرد و ممتاز ہے۔ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے ان دونوں فرزندوں میں بڑی مناسبت اور فکری ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ دونوں ایک ہی میکدے کے بادہ خوار تھے۔ ایک ہی گلشن (باغ فردوس) کے مہکتے گلاب تھے۔ دونوں استاذ بھائی تھے اور جادۂ دعوت و تبلیغ کے پُر عزم مسافر تھے۔ عاجزی و خاکساری اور شانِ بے نیازی میں دونوں بے نظیر تھے۔ ایک رئیس القلم تھے اور دوسرے رئیس التحریر۔ دونوں اسلامی ادب کے نمائندہ و ترجمان اور مذہبی صحافت کے معزز رکن تھے۔ دونوں آفاقی ذہن و دماغ کے مالک اور وسعتِ فکر و نظر کے حامل تھے۔ ہاں! عمر، تجربہ اور سینئرٹی اور جونیئرٹی کے فرق کے ساتھ دونوں میں ایک بڑا فرق یہ تھا کہ ایک کی نظر انفس و آفاق پر تھی اور دوسرے کی نظر برصغیر پاک و ہند پر۔ ان دونوں بزرگوں نے اپنے خامۂ اعجاز رقم سے امتِ مسلمہ کے قبلۂ فکر و نظر درست رکھنے، مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی اور اُن کی بروقت رہنمائی و نمائندگی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ افسوس کہ ان دو مقتدر ہستیوں میں سے اول الذکر (حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ) کی زیارت کا شرف راقم کو حاصل نہ ہو سکا۔ البتہ ان کی گراں قدر تحریرات اور بیش قیمت کتب و رسائل کے مطالعے سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ حضرت قائد اہل سنت کی ادبیت سے لبریز تحریر اور ان کے مخصوص اسلوبِ تحریر نے ہزاروں افراد کی طرح راقم کو بھی بیحد متاثر کیا ہے۔

جس وقت یہ فقیر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور کا مدیر تھا، اس دوران آخر الذکر (علامہ یٰسین اختر مصباحی) سے ملاقات اور بذریعۂ موبائل رابطہ کا شرف حاصل رہا۔ حالاتِ حاضرہ کی بھرپور عکاسی کرنے والے ان کے بیش بہا ''اداریوں'' نے راقم کو بڑا فائدہ پہنچایا۔ آج تک حافظے میں یہ بات موجود ہے کہ زمانۂ طالب علمی (جماعت خامسہ) میں محب گرامی حضرت مولانا امتیاز احمد وارثی کلکتوی نے طلبۂ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی طرف سے نکلنے والے جداریہ ''پیغامِ اسلام'' کا مجھے مدیر اعلیٰ بنا دیا۔ اداریہ پورے رسالہ کی جان اور مجلہ کی روح ہوا کرتا ہے اور مدیر، رسالے کا سب سے حساس فرد اور بیدار مغز انسان ہوتا ہے، جس کی تحریر رسالے کی قدر و قیمت اور معنویت میں اضافہ کرتی ہے۔ اس وقت یہ سوچ کر کہ ''اداریہ'' کیسے لکھا جاتا ہے اور اداریے کی نوعیت کیا ہوتی ہے، علامہ یٰسین اختر مصباحی کے اداریوں کا مجموعہ ''نقوشِ فکر'' کا بالاستیعاب مطالعہ کر بیٹھا، اس کے بعد ہی سے ان کا

مداح بن بیٹھا۔ ’’نقوشِ فکر‘‘ علامہ موصوف کی علمی صلاحیت، تحریری مہارت، صحافتی بصیرت، سیاسی شعور اور اُن کی بیدار مغزی کا نمونہ ہے۔

علامہ یٰسین اختر مصباحی کو اردو کے علاوہ فارسی و عربی زبان میں بھی کمال حاصل تھا۔ قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ گاہے بگاہے کچھ رسالے اور کتابچے آپ کے پاس تعریب (اردو سے عربی میں منتقل کرنے) کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مشہور تصنیف ’’الفوز الکبیر فی اصول التفسیر‘‘ کا مصباحی صاحب نے بڑا عمدہ اور سلیس اردو ترجمہ کیا ہے۔ تقریباً آٹھ سال قبل راقم الحروف نے اس مترجم کتاب پر تبصرہ لکھ کر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور میں شائع کیا تھا۔ جب آپ عرسِ حافظِ ملت کے موقع پر تشریف لائے اور میری ان سے ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ **ترجمہ الفوز الکبیر** پر آپ کا تبصرہ دیکھا، ماشاء اللہ اچھا لکھا ہے، لیکن بزرگ اور معمر حضرات کو ’’قلم کار‘‘ کے بجائے ’’صاحبِ قلم‘‘ لکھنا چاہیے۔‘‘ مصباحی صاحب کی اس نصیحت اور تنبیہ کا اثر یہ ہوا کہ بزرگ حضرات کے حق میں ’’قلم کار‘‘ جیسی ترکیب راقم بھول کر بھی استعمال نہیں کرتا۔ دراصل ’’قلم کار‘‘ ہرایرے غیرے لکھاری کے لئے بول دیا جاتا ہے اور لکھ دیا جاتا ہے، لیکن ’’صاحبِ قلم‘‘ میں ادب کا پہلو زیادہ پایا جاتا ہے اور یہ بزرگ حضرات کے لئے موزوں وانسب مانا جاتا ہے۔

بہرکیف! علامہ یٰسین اختر مصباحی اپنی جماعت کے ایک نامور عالمِ دین، ممتاز صاحبِ قلم اور عظیم دانش ور تھے۔ ان کی دینی و علمی و تصنیفی خدمات قابلِ قدر ہیں۔ ’’چھوٹا اپنے بڑے کو بڑا سمجھے تو یہ زیادہ اہمیت کی بات نہیں، لیکن بڑا شخص کسی بڑے آدمی کی بڑائی کو تسلیم کرے اور ان کے بڑکپن کا اعتراف کرے تو یہ بڑی بات ہے۔ زیرنظر عنوان ’’رئیس التحریر: رئیس القلم کے خطوط کی روشنی میں‘‘ پر کچھ باتیں ہدیۂ ناظرین ہیں۔

قائد اہلِ سنت، رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ اپنی جماعت کی اس نام ور ہستی اور اولوالعزم شخصیات میں ہیں، جنہوں نے بیک وقت مختلف محاذوں پر اکیڈمک انداز میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ ان کی ہمہ جہت دینی، ملی، علمی، قلمی، تصنیفی، دعوتی، سماجی، سیاسی، ملکی اور تنظیمی و تحریکی خدمات نے پورے عہد کو متاثر کیا ہے۔ بیسویں صدی کے نصفِ آخر میں اکابرین کو چھوڑ کر ایسی انقلابی فکر رکھنے والی شخصیت دور دور تک نظر نہیں آتی۔ ان کی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ ’’دعوتِ اسلامی‘‘ اور ’’ورلڈ اسلامک مشن‘‘ جیسی عالمی دعوتی تنظیم کی بنیاد رکھنے والے اس شاہین صفت عالم وقائد نے فروغِ دین ودانش اور دعوت وتبلیغ کے حوالے سے ریکارڈ توڑ خدمت انجام دی ہے۔ حضرت قائد اہل سنت کے ملی درد، جذبۂ تبلیغ، دینی تڑپ اور امتِ مسلمہ کی فلاح و بہبود کے تئیں جذبۂ بیکراں کا نظارہ دیکھنا ہو تو اُن کے مجموعۂ خطوط ’’برید مشرق‘‘ کا مطالعہ کریں۔ پاکستان کے ایک دانش ور کی رائے ہے کہ ان خطوط کو نصاب کے طور پر مدارس میں پڑھایا جانا چاہیے، تاکہ طالبانِ علومِ دینیہ میں دعوت وتبلیغ کے پاکیزہ جذبات پیدا ہوسکیں۔ نبیرۂ قائد اہل سنت ڈاکٹر خوشتر نورانی صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بے پناہ محنت ومشقت سے ان خطوط کو جمع کر کے نئی نسل کے علما کو دعوت وتبلیغ کے حوالے سے غور وفکر کے مواقع فراہم کیے ہیں۔ **جزاہ اللہ خیر الجزاء**۔

مکتوب نگاری کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مکاتیب اپنے اندر بڑی کشش، جامعیت اور تاریخی وتمدنی معلومات کا خزانہ رکھتے ہیں۔ اردو ادب کی غیر افسانوی اصناف میں خطوط نگاری اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے کافی اہمیت کی حامل سمجھی جاتی ہے۔ مکتوب نگاری کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اپنے اندر بڑی کشش، جامعیت اور معلومات کا خزانہ رکھتی ہے۔ خطوط اپنے عہد وماحول کا آئینہ دار اور دو شخصیتوں (مکتوب نگار ومکتوب الیہ) کے باہمی تعلقات ومراسم کو بہتر انداز میں اجاگر کرتے ہیں، جن سے قارئین دونوں کی فکر وشخصیت کا بخوبی اندازہ لگا لیا کرتے ہیں۔ خطوط میں شخصیت چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہے اور اپنے جذبات واحساسات کا برملا اظہار کرتی نظر آتی ہے۔ اس لئے سوانح نگاری وتذکرہ نویسی میں مکاتیب کی حیثیت کلیدی تسلیم کی گئی ہے۔ وہ عظیم شخصیات جن کے فکر وفن کے بہت سے گوشے پردۂ خفا میں ہوتے ہیں، ان کے مکاتیب کے ذریعے ہی نمایاں ہوتے ہیں۔ ’’مکتوب نگاری کی اہمیت‘‘ کے حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

خطوط میں ہمارے لئے وہی کشش ہوتی ہے، جو ہمارے لئے ہمارے دوستوں میں ہوتی ہے...... ریاضی کے مسئلے، ایمان کی نفاستیں، افسانوں کی پرچھائیاں، یہ سب پردے ہیں۔ اس لئے اگر آپ اپنے ہمسایہ کی سرگوشیاں سننا چاہتے ہیں، اسے نمایاں دیکھ کر قہقہہ لگانے کا جذبہ آپ کے دل میں ہو تو ادبی کارناموں کی بجائے اس کے خطوط کا روحانی سفر کیجیے۔ یہ نسخہ سہل ہے۔ خطوط میں آپ حکومتوں کا زوال دیکھیں گے، ان

میں بیمار بعض اوقات تندرست معلوم ہوں گے، غم پسند خوش نظر آئیں گے۔ جنھیں آپ مغرور سمجھتے ہیں، انہیں انسان دوست پائیں گے۔ جنہوں نے میدان فتح کیے ہیں، ان میں گہری نسائیت ملے گی۔ خاک کے تودوں میں جذبہ پائیے گا۔ مردم بیزاری میں نرمی، نزاکت اور خلوص کی آنچ ہوگی۔ (اردو نثر کا فنی ارتقا، ص: ۳۹۹، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی)

حضرت قائد اہل سنت کے خطوط امت مسلمہ کی ہمہ جہت پسماندگی اور جیتے جی قومی و ملی موت کا گویا مرثیہ ہے۔ آپ کے مکاتیب خالص دعوتی نوعیت کے ہیں۔ بیسویں صدی کے اواخر میں جماعتی صورتِ حال کیا تھی، ملکی و عالمی سطح پر مذہبِ اسلام کی منظم دعوت وتبلیغ کے لئے کون سا طریقۂ کار اور لائحۂ عمل اپنایا جائے، نیز ایک داعی کو کن اوصاف وخصوصیات کا حامل ہونا چاہیے، یہ ساری باتیں آپ کے خطوط میں موجود ہیں۔ ایک ایک مکتوب سے آپ کی جذبۂ تبلیغ، قومی درد، ملی فلاح وبہبود اور جماعتی شیرازہ بندی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ دعوت وتبلیغ کے لئے جہاں بہت سے امور کی ضرورت ہے، وہیں ''صحافت'' بھی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ اس سے پہلوتہی اختیار کر کے مؤثر دعوت وتبلیغ کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ ذیل کے مکتوب میں قائل اہل سنت، یٰسین اختر مصباحی کو ''الدعوۃ الاسلامیۃ'' کے عربی ایڈیشن کی ادارت کی ذمہ داری قبول کرنے اور جدید عربی ادب میں مہارت حاصل کرنے پر زور دیتے ہیں، تاکہ عالمی سطح پر اسلام وسنیت کی بہتر نمائندگی ہو سکے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

مکرمی حضرت مولانا یٰسین اختر صاحب زید کرمہ ۔۔۔۔۔۔۔۔السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

بہت دنوں سے آپ نے کوئی خط نہیں لکھا۔ آپ سے یہ توقع تقریباً ناممکن ہے کہ آپ سرد مہریوں کے شکار ہو گئے ہوں۔ بہر حال مشترکہ مکتوب کے علاوہ خصوصی طور پر آپ کو مخاطب بنانے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ ''الدعوۃ الاسلامیۃ'' کے عربی ایڈیشن کے لئے ادارت کا فرض آپ کو انجام دینا ہے اور یہ خدمت اعزازی نہیں بلکہ ہم معقول بدل خدمت میں پیش کریں گے۔ عربی ایڈیشن کے لئے زیادہ تر مواد آپ کو اردو ایڈیشن سے مل جائیں گے۔ مجھے امید ہے کہ یہ خدمت آپ قبول فرمائیں گے۔ اس کام کے شروع کرنے میں میرا خیال ہے کہ تین ماہ کا عرصہ لگ جائے گا۔ اس درمیان آپ جدید عربی ادب میں مزید مہارت حاصل کر لیں۔ اس سلسلے میں آپ کی ''ہاں'' کا میں شدت سے انتظار کروں گا۔ غالباً الجامعۃ الاشرفیہ (مبارک پور) کے اس عظیم مفاد کو بھی آپ نظر انداز نہ فرمائیں گے کہ ''الدعوۃ الاسلامیۃ'' عربی ایڈیشن کے ذریعے الجامعۃ الاشرفیہ کی آواز سارے عرب ممالک میں پہنچ جائے گی۔'' (برید مشرق، ص: ۱۵۷، ادارہ فکر اسلامی، نئی دہلی)

اسی طرح حضرت قائد اہل سنت ۲۸ / مئی ۱۹۷۵ء کو بریڈ فورڈ، برطانیہ سے ارسال کردہ مکتوب میں اپنی بے پناہ مصروفیات کا ذکر کرتے ہوئے وقت کے کارواں کا تیزی سے گذرنے اور ایامِ زندگانی کو غنیمت سمجھتے ہوئے دینی وملی کاموں میں مصروف رہنے کی تلقین کرتے ہیں اور مولانا یٰسین اختر مصباحی کو لکھتے ہیں:

''اسلامک مشنری کالج'' سے متعلق اردو میں دو کتابوں کا مسودہ بھیج رہا ہوں۔ از راہ کرم اسے عربی زبان میں منتقل کر کے بھیج دیں۔ اس کام میں تاخیر سے کام نہ لیں، فوری ضرورت ہے۔ آج کل مصروفیات کی یلغار ہے۔ خدا ہماری مشکل کو آسان کرے۔ آپ حضرات بھی مستعدی کے ساتھ (کاموں میں) دلچسپی لیجیے۔ وقت کا کارواں ہماری بیداری کا انتظار نہیں کرے گا۔'' (برید مشرق، ص: ۱۶۰)

قائد اہل سنت، مصباحی صاحب کو اعتماد کی نظروں سے دیکھتے تھے اور اپنے ہمہ جہت دینی وملی وتنظیمی کاز کی تکمیل کے لئے ان کو اپنا مشیر کار، ہمنوا اور معتمد گردانتے تھے۔ ان کے اداریوں کو ''فکر انگیز اور ذہن ساز اداریہ'' کہتے تھے۔ راقم نے بہت پہلے علامہ موصوف کا یہ حقیقت آمیز جملہ کہیں پڑھا تھا کہ ''اپنی جماعت میں اداریہ یا تو میں لکھتا ہوں یا پھر آپ (یٰسین اختر مصباحی) لکھتے ہیں۔'' اسی طرح قائد اہل سنت، یٰسین اختر مصباحی کی علمی وادبی صلاحیتوں کے قائل تھے، ان کو مزید نکھارنے اور جادۂ تبلیغ کا ایک پُرعزم مسافر بنانے کے لئے مفید مشوروں سے نوازتے تھے۔ ان کو جدید عربی کے ساتھ انگریزی زبان سیکھنے کی تلقین کرتے تھے کیوں کہ جدید عربی ادب اور انگریزی زبان میں کمال حاصل کیے بغیر عالمی سطح پر دین وسنیت کی خدمات بحسن وخوبی انجام نہیں دی جاسکتیں۔ نئی نسل کے علما و مبلغین کو اس پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ اس حوالے سے قائدِ اہل سنت، مصباحی صاحب کو کچھ اس طرح نصیحت فرماتے ہیں اور ملی فلاح وبہبود کے لئے یوں ذہن سازی کرتے ہیں:

”میرے خیال میں آپ کے لئے بہتر ہوگا کہ آپ یہاں (برطانیہ) دوسال قیام کر کے انگریزی زبان پر عبور حاصل کرلیں۔اس کے بعد جی چاہے تو ایک سال کے لئے قاہرہ (مصر) چلے جائیں۔میں آپ کی رائے کا انتظار کروں گا۔“ (ایضاً ص:۱۳۵)

”آپ عربی زبان کے جدید لٹریچر کا مطالعہ جاری رکھیں۔مجھے امید ہے کہ انگریزی زبان کی تحصیل کے بعد آپ عالمی سطح کی ایک نمایاں شخصیت بن جائیں گے۔خدائے قدیر آپ کی مدد فرمائے۔اہل سنت کے منتخب نوجوان علما کو کسی ایک فن یا مختلف زبانوں میں درجۂ امتیاز و انفرادیت کے حصول کے لئے میں اپنے سارے ممکنہ وسائل استعمال میں لاؤں گا۔“ (مرجع سابق،ص:۱۳۹)

ایک محتاط اندازے کے مطابق حضرت قائد اہل سنت نے مختلف اوقات میں مصباحی صاحب کو دو درجن سے زائد خطوط لکھے ہیں،جن سے دونوں بزرگوں کے باہمی تعلقات و روابط،جذبۂ تبلیغ،ملی خیر سگالی اور ان کی جماعتی و مسلکی دردمندیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔نیز اُن مکاتیب سے یٰسین اختر مصباحی کی فکر و شخصیت کے بہت سے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔اللہ رب العزت ان دونوں بزرگوں کی خدمات کو شرفِ قبولیت عطائے اور ان کے متعین کردہ خطوط پر نوجوان علمائے کرام کو چلنے کی توفیق ارزاں فرمائے۔آمین

طفیل احمد مصباحی

رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی مستقبل شناس مفکر تھے

مکرمی! ایڈیٹر کنزالایمان برکاتی صاحب سلام مسنون

یہ خبر نہایت ہی پر مسرت،حوصلہ بخش اور احسان شناسی کے جذبہ پر مشتمل ہے کہ آپ ماہنامہ کنزالایمان میں رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی نور اللہ مرقدہ پر خصوصی گوشہ شائع کرنے جارہے ہیں،اس کارِ خیر پر قلبی مبارک باد قبول فرمائیں۔اللہ تعالیٰ آپ کے علم و اقبال میں اضافہ فرمائے۔علمائے حق کی رحلت کسی خاص فرد،افراد،جماعت یا پھر خاندان کے لئے تکلیف دہ اذیت رساں نہیں بلکہ یہ تکلیف عام ہے کسی بھی عالم دین کے انتقال کا غم معمولی نہیں ہوتا۔لواحقین گھر خاندان کے افراد مغموم و محزون تو ہوتے ہی ہیں،ساتھ میں ملت جماعت اور جماعت سے وابستہ جمعیت کے ہر باشعور پر درد و کرب کا کوہ گراں ٹوٹ پڑتا ہے،موت العالم موت العالم ایک صداقت ہے۔

اس صداقت کو صادقین نے ہمیشہ سے تسلیم کیا ہے ابھی پچھلے ماہ رمضان المبارک کے وداع ہوتے ہی اچانک سے اطلاع ملی کہ ایک عظیم فقیہ،درسگاہ کی زینت،علم قرآن و حدیث کے ماہر حضرت مفتی اعظم ہند کے تربیت یافتہ بزرگ عالم دین،میرے ممتحن استاذ حضرت مفتی محمد اعظم رضوی علیہ الرحمہ وصال کی چادر تان کر دائمی نیند سو گئے۔ان کی رحلت کا درد تازہ ہی تھا کہ ناگہاں ۷ مئی ۲۰۲۳ء کو یہ خبر موصول ہوئی کہ اب رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی نور اللہ مرقدہ بھی راہی بزم بالا ہوئے۔**انا للہ وانا الیہ راجعون**

مصباحی صاحب علیہ الرحمہ بلاشبہ ایک بلند پایہ محقق،داعی مصلح،مبلغ مدبر اور مستقبل شناس مفکر تھے۔زبان و قلم،ادب و صحافت میں انفرادی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ماہنامہ حجاز جدید اور کنزالایمان کے ادراقی گوشے اور درجنوں کتب اس پر شاہد ہیں۔

آپ کے درجنوں قلمی نقوش یہ بتانے کے لئے کافی ہیں کہ آپ عالمی سطح پر اپنے ملک و ملت اور مذہب و مسلک کے ترجمان تھے اور قوم کے تئیں دردمندانہ جذبات رکھتے اردو عربی فارسی پر ایسی مہارت تھی کہ بجا طور پر اُن کو ماہر لسانیات بھی کہا جاسکتا ہے۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے مسلک و منہج کے نقیب و ترجمان کی حیثیت سے انہوں نے جو گراں قدر کارنامے انجام دیے ہیں وہ سونے کے قلم سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

انہوں نے پوری امت اپنی قوم و نسل کو جو کچھ اور جتنا کچھ دیا،یقیناً سب مل کر اُس کی قیمت نہیں چکا سکتے۔ان کا اوڑھنا بچھونا لکھنا اور پڑھنا تھا،لیکن آپ کو حیرت ہوگی کہ درجنوں علمی قلمی فتوحات کے باوجود وہ نہایت متواضع تھے۔نوجوان علما کے رول ماڈل تھے۔وہ شام زندگی سے گذر کر صبح دوام زندگی سے لطف اندوز ہوگئے اور اپنی تحریک و تحریری نظریات کے سبب زندہ و جاوید رہیں گے۔

حق تعالیٰ جل شانہ اول الذکر مفتی صاحب اور مصباحی صاحب کے تدریسی و تبلیغی خدمات قبول فرمائے اور قلم و دوات کی سیاہی کو ذریعہ نجات

بنا کر باغ جناں کی بہاریں مقدر کرے اور لواحقین کو صبر دے اہلسنت کو اُن کو بدل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

دعا گو دعا جو: محمد صابر رضا محب القادری نعیمی غفرلہ

پرنسپل مدرسہ فیض مجیب خانقاہ محمد پور کشن گنج بہار، ۳۰ شوال ۱۴۴۴ھ/ ۲۱ مئی ۲۰۲۳ء

علامہ یٰسین اختر مصباحی: علم و ہنر کا دوستو! منظر اداس ہے

یہ حقیقت ہے کہ سطح آب پر ابھرنے والے بلبلے کے حصے میں دوام کا نام ونشان نہیں ہوتا ہے پھر بھی وہ زندگی کی ابدی حقیقتوں اور فلسفوں کی تفہیم کا راستہ ہموار کر جاتا ہے۔ پانی کے بلبلہ سے انسانی زندگی کی تمثیل صرف اس کے عدم ہستی کی طرف اشارہ نہیں ہوتا ہے بلکہ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انسان مختصر سے مختصر وقت میں بھی بلبلے کی طرح تاریخ میں اپنا وجود مستحکم کرسکتا ہے کیوں کہ ہزار بارش اور آندھی چلے مگر وہ پانی کے بلبلے کے تواتر و تسلسل کو توڑنے میں ناکام رہتا ہے۔ علامہ یٰسین اختر مصباحی ایسے ہی مرد ناتواں تھے جن کے علم وفن اور لوح وقلم کا سفر تواتر و تسلسل کے ساتھ جاری رہا۔ اگرچہ گردش ایام کے تھپیڑے مسلسل ان کے عزم کا امتحان لیتے رہے۔ علامہ جن کے نام کے آگے علیہ الرحمہ لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آرہا ہے بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ علم وتدبر، حکمت ودانش مندی، فکر صالح، ہمت وحوصلہ، لوح وقلم، تنظیم وتحریک، درس وتدریس اور خطابت، کون ایسا میدان ہے جو علامہ علیہ الرحمہ سے رہ گیا ہو۔ ان کی سنجیدگی ومتانت اور علمی غلغلہ نے ہر جگہ اپنی صلاحیتوں کے پرچم لہرائے۔

لوگ اچھے ہیں بہت دل میں اتر جاتے ہیں
اک برائی ہے تو بس یہ ہے کہ مر جاتے ہیں

رئیس القلم علامہ ارشد القادری کے بعد رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی واحد شخص تھے جنہوں نے اہل سنت کی تصنیفی وتالیفی خلا کی بھرپائی کے لئے پوری زندگی عملی جدوجہد کرتے رہے۔ ان کے جہاد زندگی کے نشیب وفراز کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ انہوں نے اپنے بچوں کے لئے شاندار بنگلہ یا محل تعمیر کرنے اور آنے والی نسل کو مالی طور پر مستحکم کرنے کی بجائے ملت کے بچوں کی علمی، فکری اور دینی نشوونما کو ترجیح دی۔ رئیس القلم کی طرح رئیس التحریر نے بھی خود کو پوری طرح دین وسنیت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ اب ایسے لوگ کہاں ملیں گے۔ علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کو دور طالب علمی میں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں کئی بار دیکھنے اور سننے کا موقع ملا۔ دہلی میں بھی کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ خاص کر جب میں ''اسلام کا نظام طلاق'' ترتیب دے رہا تھا تو اُس دوران انہوں نے کئی مفید مشورے دیے۔ تلاش روزگار میں جب راقم الحروف ممبئی پہنچا تو وہاں بھی سنی دعوت اسلامی اور رضا اکیڈمی کے دفتر میں علامہ سے ملاقاتیں رہیں۔ ہر بار وہ اہل سنت میں لٹریچر کی کمی پر افسوس کا اظہار کرتے نظر آئے۔ وہ نئی نسل میں آئی قلمی بیداری سے خوش تو تھے مگر مطمئن نہیں تھے۔ ایک موقع پر نئے فارغین میں آئی قلمی جوت پر گفتگو کرتے ہوئے کچھ اندیشوں کا اظہار کیا اور فرمایا کہ خدا کرے کہ میرا اندیشہ، اندیشہ ہی رہے۔

علامہ علیہ الرحمہ ایک کامیاب تحریک کار بھی تھے۔ انہوں نے مجاہد آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کے ۱۵۰/ویں یوم وفات کے موقع پر ''خیرآبادیات شناسی'' کی تحریک چھیڑی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریک توانا ہوگئی۔ خیرآبادیات پر سیمینار وسمپوزیم کے سلسلے شروع ہوگئے۔ کانفرنسیں ہوئیں جس میں کتابیں منظر عام پر آنے لگیں۔ علامہ نے خود انقلاب ۱۸۵۷ء کے حوالے سے کتابیں لکھیں۔ ان کی کتاب کے انگریزی میں بھی ترجمے ہوئے۔ ۲۰۱۱ء میں خدابخش اورینٹل لائبریری پٹنہ میں بھی 'علامہ فضل حق خیرآبادی: ایک عہد ساز شخصیت' کے عنوان سے توسیعی خطبہ کا انعقاد کیا گیا اور بحیثیت مقرر آپ کو مدعو کیا گیا۔ اس سے قبل خانقاہ معظم بہار شریف کے سہ روزہ انٹرنیشنل مخدوم جہاں سیمینار و کانفرنس میں شرکت کی۔ وہاں سے آپ پٹنہ تشریف لائے۔ ادارہ شرعیہ اور خانقاہ منعمیہ میتن گھاٹ میں آپ کا قیام رہا۔ اس دوران آپ القلم فاؤنڈیشن بھی گئے اور ڈاکٹر امجد رضا امجد کی سرگرمیوں پر اظہار مسرت فرمایا۔ اس موقع پر ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب نے اپنی ایک کتاب کا مسودہ پیش کرتے ہوئے مناسب نام تجویز کرنے کی گزارش کی۔ دراصل ڈاکٹر امجد رضا امجد صاحب نے فتاویٰ رضویہ سے عمومی مسائل کا انتخاب کیا تھا۔ علامہ نے اور وہاں موجود حضرات نے کئی نام پیش کیے۔ راقم الحروف نے بھی ایک نام پیش کیا۔ انہوں نے سن کر فرمایا دوبارہ بولئے! میں نے کہا کہ 'منتخب مسائل فتاویٰ

رضویہ، علامہ نے ڈاکٹر صاحب سے کہا۔یہی نام رکھ لیجیے۔

القلم فاؤنڈیشن کے بعد علامہ شام کو میتن گھاٹ چلے گئے۔ اگلے دن دوپہر کو خدا بخش لائبریری میں ان کا توسیعی خطاب تھا۔ڈاکٹر شمیم الدین احمد منعمی سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ کے ساتھ لائبریری آنا تھا۔غالباً کسی سنی عالم دین کا خدا بخش لائبریری میں پہلا توسیعی خطاب تھا سو کچھ ہلچل بھی تھی۔ وقت سے کچھ پہلے جب خدا بخش لائبریری کے سیمینار پہنچے تو وہاں منظر دیکھ کر حیران رہ گیا کہ نشستیں فل ہو چکی تھیں۔لوگ انتظار کر رہے تھے۔ ٹریفک جام ہونے کے سبب علامہ ذرا تاخیر سے پہنچے اور پھر ان کا خطبہ شروع ہوا۔اس دوران کئی غیر ملکی پروفیسر اور اسکالر بھی وہاں موجود تھے۔ علامہ کے خطاب کو سن کر لوگ حیران اس لئے تھے کہ ان کے سامنے ایک سادہ کپڑوں میں ملبوس ایک مولوی تاریخی حوالے سے مزین زبانی توسیع خطبہ پیش کر رہا تھا۔سال، ماہ، دن اور وقت کے ساتھ مقامات کا تذکرہ اس خوش اسلوبی سے کر رہے تھے کہ مجمع پر ایک سکتہ سا طاری ہو گیا تھا مگر علامہ نے اپنا خطبہ سمیٹتے ہوئے **وما علینا الا البلاغ** کہہ دیا۔لوگ حیران ہوئے کہ اچانک یہ کیا ہوا۔اسی دوران لائبریری کے ڈائریکٹر پروفیسر امتیاز احمد ڈائس پر آئے اور کہا کہ جی کر رہا تھا کہ آپ بولتے جائیں اور ہم سنتے جائیں مگر آج ہی آپ کو دہلی جانا ہے اور ٹرین کا وقت قریب ہو چلا ہے۔ہم نے ایسا خطبہ وہ بھی بغیر لکھے، پہلے کبھی نہیں سنا۔آپ سے گزارش ہے کہ آپ اِسے تحریری شکل میں بھیج دیں تاکہ لائبریری کے جنرل میں شائع ہو سکے پھر تالیوں کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ مجلس برخاست ہوئی۔

کہانی ختم ہوئی اور ایسی ختم ہوئی کہ لوگ رونے لگے تالیاں بجاتے ہوئے

علامہ علیہ الرحمہ نے لوح وقلم کی جو جوت جگائی ہے اس کی روشنی تا قیامت جہل وتاریکی پر چوٹ کرتی رہے گی۔ضرورت اس بات کی ہے کہ علامہ کے مشن اور ان کی تحریک کو عملی شکل میں آگے بڑھائی جائے۔ہمارے یہاں اپنے اسلاف کے نقش قدم کو چومنے کی روایت پرانی ہے مگر اُن کے نقش قدم پر چلنے کی روایت دم توڑ چکی ہے۔محض دار القلم، قادری مسجد اور المجمع الاسلامی کو ہی ان کی یادگار قرار دینا ناانصافی ہوگی بلکہ ان کی قلمی تحریک اور ان کا تصنیفی وتالیفی مشن ان کی زندہ یادگار ہے جسے عملی طور پر برقرار رکھنے کی ضرورت ہے۔

بچھڑا کچھ اِس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

صابر رضا رہبر مصباحی، سینئر سب ایڈیٹر روزنامہ انقلاب پٹنہ

علامہ یٰسین اختر مصباحی کو لکھا گیا علامہ ارشد کا مکتوب

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ کی رگ وپے میں ملت کا درد سرایت تھا، آپ ہمہ وقت ملت کے کاز کی فکر میں کڑھتے رہتے، اس کڑھن کا کچھ اندازہ ہم آپ کے اُس مکتوب سے لگا سکتے ہیں جو آپ نے علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کو لکھا تھا۔یہ مکتوب حضرت قائد اہلسنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب علیہ الرحمہ کو اس وقت لکھا جب آپ کو معلوم ہوا کہ مصباحی صاحب کی ادارت میں نکلنے والا ماہ نامہ ''حجاز جدید'' خسارے میں چل رہا ہے۔مکتوب ملاحظہ ہو:

رئیس التحریر حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی

(مدیر اعلیٰ حجاز جدید نئی دہلی) السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ۔مزاج گرامی!

۲۶ جنوری کو اپنے غیر ملکی سفر سے واپسی پر جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی کے دفتر میں آپ سے ملاقات کر کے خوشی ہوئی، لیکن یہ معلوم کر کے افسوس بھی ہوا کہ ماہ نامہ ''حجاز جدید'' خسارے میں چل رہا ہے۔کسی بھی کاروبار کے کا خسارہ خطرے کا الارم ہوتا ہے۔اگر مصنوع تدبیروں سے اس کی تلافی نہیں ہوتی تو اس کا انجام بالکل وہی ہوتا ہے جو بجھتے نبض کی تپش کا ہوا کرتا ہے۔جرائد کو گورِ غریباں تک پہنچانے والا یہی راستہ ہوتا ہے۔اس خبر سے مجھے تشویش اس لیے بھی لاحق ہو گئی ہے کہ ہماری جماعت ہر معاملے میں حساس ہے، لیکن تحریر کے معاملے میں اس کے احساس کی ٹھنڈک نقطہ انجماد کے قریب تک پہنچ گئی ہے۔مسجد، مدرسہ، درگاہ، عرس اور جلسہ وجلوس ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جسے ہماری جماعت

نے مرنے سے نہ بچا لیا ہو۔ سالہا سال کے تجربات شاہد ہیں کہ جب بھی ان میں سے کسی پر نزع کا عالم طاری ہوا، بالیں کے کنارے مسیحاؤں کی بھیڑ جمع ہوگئی اور ہزار مشکلات کے باوجود جسے بچانا تھا بچا لیا گیا۔

لیکن زندگی کی سرفرازیوں کا نقشہ تیار کرنے کے لئے جس نے بھی قلم ہاتھ میں لیا، اُسے اس خارزار وادی سے تنہا گزرنے کا گزرنا پڑا، کسی نے اس کا کرب تقسیم نہیں کیا۔ چوٹ کھا کر گرنے کا تماشہ سب نے دیکھا لیکن زخموں پر تسکین کا مرہم رکھنے کی کسی کو توفیق نہیں ہوئی۔ کسی نے محسوس نہیں کیا کہ جو خونِ جگر ہر ماہ تحریروں کے نقوش میں جذب ہو رہا ہے وہ سوکھ گیا تو قلم کے لئے روشنائی کہاں سے آئے گی؟ کون احساس کی نبض کو گرم رکھے گا؟ کون فکر کے دریچے کھولے گا؟ کون جذبے کو نئی توانائی عطا کرے گا؟ اور کون کاروانِ ہمت کو جادہ پیمائی کے لئے آمادہ کرے گا؟

یہ ساری ضرورتیں چارہ گروں کو آواز دیتی رہیں اور وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں اور اکھڑی ہوئی سانسوں کا تماشہ دیکھتے رہے، بالآخر فکر و آگہی کا ایک سفینہ اپنے ہی ناخداؤں کی نظروں کے سامنے ڈوب گیا۔ اس طرح کی بہت سی دردانگیز موتوں کا میں عینی شاہد ہوں بلکہ اس طرح کی موت سے خود بھی کئی بار مرا ہوں اور زندہ ہوا ہوں۔ غالباً آپ کو یاد ہوگا کہ آج سے ایک سال پیشتر جب دہلی میں آپ نے ایک ماہ نامے کے اجرا کا ارادہ ظاہر کیا تھا، اسی دن میں نے اس راہ کی مشکلات سے آپ کو باخبر کر دیا تھا۔ لیکن شوق آبلہ پائی کی عمر دراز ہو کہ جیسے بھی ہو، اس خارزار وادی سے آپ کو گزرنا ہے۔ آپ اس یقین واعتماد کے ساتھ اپنا سفرِ شوق جاری رکھیں کہ نعرہ لگانے والوں کی بھیڑ میں کچھ حقیقت پسند افراد بھی موجود ہیں۔

تشویش کے باوجود میں ماہ نامہ ''حجاز'' کے لئے پرامید ہوں کہ وہ زندہ رہے گا، کیونکہ اہل سنت کا یہ پہلا ترجمان ہے جو فکری اور تنظیمی بیداریوں کی ایک انقلاب انگیز تحریک لے کر اٹھا ہے۔ ہر شمارے میں آپ کا اداریہ واضح طور پر اُس منزل کی نشاندہی کرتا ہے، جدھر آپ اہل سنت کی نوجوان نسل کو لے جانا چاہتے ہیں، کسی بھی مدیر کی قلمی توانائیوں کا مظہر دراصل خود اس کا اداریہ ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے فکر انگیز اور ذہن ساز اداریوں کے ذریعے جماعت کے سو پچاس افراد کو بھی قلمی توانائیوں سے مسلح کر دیا تو آپ کا نام مذہبی زندگی کی ناقابل تسخیر قوتوں کے بانی کی حیثیت سے تاریخ میں محفوظ ہو جائے گا۔

آپ ہر ماہ اسی طرح احساس کی مردہ رگوں پر نشتر چلاتے رہیے، کہیں سے تو زندگی کا سوتا پھوٹے گا، کبھی تو جذبات کی سطح سے اوپر اٹھ کر سوچنے والے افراد پیدا ہوں گے۔ تحریر کی ساحری کا رنگ اگرچہ دیر میں نکھرتا ہے لیکن اگر نکھر گیا تو صدیوں تک وہ اسی آب وتاب کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ اس کی زندہ مثال دیکھنا ہو تو اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی کی عبقری شخصیت کا مطالعہ کیجیے۔ ان کی زندگی میں ''چند کتابے ودواتے وقلمے'' کے سوا تقریر وخطابت کی کوئی گھن گرج آپ نے دیکھی ہے؟ راویوں کے بیان کے مطابق تین سو ساٹھ دنوں میں صرف تین دن مواعظ کے لئے مخصوص تھے، باقی سارے ایام کی مصروفیات قرطاس وقلم کے سوا اور کچھ نہیں تھیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے مجلدات کی صورت میں اپنے علوم ومعارف کے خزائن کا ہمیں وارث نہ بنایا ہوتا تو آج ہم پوری دنیا میں سر اٹھا کر کیسے چلتے؟ ان کی تحریروں کے گنج ہائے گراں مایہ ہمارے پاس نہ ہوتے تو اپنے وقت کا ابوحنیفہ، غزالی اور رازی کہنے کے لئے ہمارے پاس کونسی دستاویز تھی؟ اور عقل بے مایہ کو انگشت بدنداں رہنے دیجیے کہ مسلک اہل سنت کے نام سے امتیاز حق وباطل کا ایک عالم گیر انقلاب جس کے مبارک و مسعود آثار سے آج بحر وبر کی وسعتوں میں پھیلا ہوا ہے یہ تنہا ایک شخص کے قلم کا برپا کیا ہوا ہے۔

اپنی تلخ نوائی کی معذرت چاہتے ہوئے اس مقام پر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے ہمیں لوح وقلم کا وارث بنایا تھا اور ہم نصف صدی سے صرف منبر کی طرف دوڑ رہے ہیں، اس کا انجام یہ ہے کہ اب اہل قلم ہماری جماعت میں نہیں پیدا ہو رہے ہیں۔ کسی مفکر کو دیکھنے کے لئے ہماری آنکھیں ترس گئی ہیں۔ دنیا کا کوئی مذہب بھی ہوا میں تحلیل ہو جانے والے الفاظ کی بنیاد پر زندہ نہیں رہا ہے، جب تک اس کی پشت پر فکر انگیز لٹریچر نہ ہو، نہ اُسے استحکام حاصل ہو سکتا ہے اور نہ وہ نسلوں میں منتقل ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ''حجاز'' کے قارئین کو میں ایک نہایت افسوس ناک اطلاع دے رہا ہوں، اپنے اس طویل سفر میں یورپ، امریکہ اور مشرق وسطی کے بہت سارے ملکوں میں مختلف زبانوں کے مذہبی لٹریچر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اسی ہندوستان میں جنم لینے والے فرقہائے باطلہ کے لٹریچر مختلف زبانوں میں ملے لیکن اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے سوا اُس انبار میں اہل سنت کے کسی اور مصنف کا نام ہمیں نہیں مل سکا اور ہم حیرت زدہ اس لئے نہیں ہوئے کہ جب ہم اپنی مادری زبان میں کوئی فکری اور

علمی لٹریچر تیار نہیں کر سکتے تو بین الاقوامی زبانوں میں اس کے تراجم کیوں کر وجود میں آسکتے ہیں؟

اگر ہماری جماعت کے اصحاب فکر وقلم نے ان فروگزاشتوں کی تلافی نہیں کی تو ہندوستان کی سرحدوں کے اس پار موجودہ امتیاز وتشخص کے ساتھ ہمارا کوئی نام ونشان باقی نہیں رہے گا۔ ویسے ایران اور نجد کو چھوڑ کر دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں مذہب اہل سنت انہی روایات کے ساتھ زندہ نہ ہو جن روایات کے ساتھ ہندو پاک میں زندہ ہے اور یہ بات ہرگز تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ مذہب زندہ ہو اور اس کے پیچھے اہل علم، اہل فکر، اہل قلم اور اہل ابلاغ کا وجود سرگرم عمل نہ ہو لیکن ماتم اپنی اس تقصیر کا ہے کہ آفاقی سطح پر ہم اپنی تبلیغی ذمہ داریوں سے اب تک کیوں نہیں سبک دوش ہوئے؟

اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ ہم نے اپنی ساری انرجی صرف تقریروں پر صرف کی ہے اور پہاڑ کے برابر غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے اپنی عوام کو بھی تقریروں کا رسیا بنا دیا۔ اور ایسا رسیا بنا دیا کہ تقریروں کے علاوہ تحریروں کی پذیرائی کا جذبہ ہی ان کے اندر سے بالکل مفقود ہو گیا۔ ہم سجدہ سہوادا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں تو حالات اب بھی قابو سے باہر نہیں ہیں۔ اس کے لئے دو بنیادی کام کرنے ہوں گے، پہلا کام تو یہ ہے کہ ترغیب وتشویق کے جتنے بھی ذرائع ممکن ہو سکتے ہیں، انہیں استعمال کر کے اہل سنت میں اصحاب قلم مفکرین کی ایک متحرک وفعال جماعت تیار کی جائے اور دوسرا کام یہ ہے کہ اپنے عوام میں قلمی خدمات کی پذیرائی اور قدردانی کا ایسا پرخلوص جذبہ پیدا کیا جائے کہ وہ تحریری کام کو زندہ رکھنے کے لئے ہر طرح کی معاونت کریں۔

ہم اپنی انقلابی مہم کا آغاز ماہ نامہ ''حجاز'' سے کر رہے ہیں جو، ایک منظم فکری وتعمیری منصوبہ کے تحت منظر عام پر آیا ہے۔ اس کے مستقبل کو مالی اعتبار سے مستحکم اور بے خطر بنانے کے لئے پورے ملک سے کم از کم مخلصین کی ضرورت ہے جو پانچ پانچ سو کا ڈرافٹ ''حجاز جدید'' منتقلی کے نام سے آپ کے پتے پر بھیج دیں۔ اس طرح ایک خطیر رقم جمع ہو جانے کے بعد وہ آزمائش کے ابتدائی مراحل سے بخیر وعافیت گزر جائے گا۔ ان شاء اللہ

میں اپنے حصے کی رقم عزیزی فیض ربانی سلمہ کے ذریعے آپ کی خدمت میں حاضر کر چکا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ماہنامہ ''حجاز'' کی اہمیت محسوس کرنے والے افراد اس تحریک کو آگے بڑھائیں گے۔

☆☆☆

آپ کا قدرداں، ارشد القادری: فیض العلوم، جمشید پور، یکم فروری ۱۹۸۹ء۔ (برید مشرق، ڈاکٹر خوشتر نورانی، مکتوب نمبر ۱۴۸، ورلڈ ویو پبلشرز لاہور)

پیش کیش: خلیل احمد فیضانی

علامہ یاسین اختر مصباحی

حقیر نے علامہ یاسین اختر مصباحی کو بہت قریب سے دیکھا ہے، بے نفس شخصیت کے مالک تھے، قوم ومذہب کے لئے ان کی زندگی وقف تھی، اپنے یا اپنی اولاد کے لئے انھوں نے کچھ نہیں بنایا، بات بات پر اعلیٰ حضرت اور اپنے پیر ومرشد مفتی اعظم اور اپنے مربی حافظ ملت کا ذکر کرتے، رحمھم اللہ تعالیٰ علامہ سے ہر سال پراکنک میں ہونے والے سیمینار میں ملاقات ہوتی اور آپ کے خطبہ صدارت سے محظوظ ہوتے۔

سال گزشتہ عجیب اتفاق ہوا کہ بعد سیمینار حضرت کی معیت میں ہم لوگ کشی نگر سے گورکھپور آئے، یہاں سے دہلی کا ان کا ٹکٹ تھا، راستے میں تاخیر ہو گئی اور اسٹیشن پہنچتے پہنچتے ٹرین نکل گئی، حضرت کے چہرے پر ذرہ بھر ملال کا اثر نہ دِکھا، گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ بولے ہمیں کسی ہوٹل میں پہنچا دیجیے اور کل کے لئے ٹکٹ بنوا دیجیے۔ ہمارے رفیق مولانا نور الہدیٰ مصباحی نے سارا انتظام کرا دیا، گھنٹوں ہم حضرت کے پاس بیٹھے رہے، حافظ ملت اور اشرفیہ کے تعلق سے بہت مفید باتیں حضرت کی زبانی سننے کو ملیں۔ حضرت سے یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔

سچ یہ ہے کہ فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے پہلے علامہ کی ''امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات، امام احمد رضا کی محدثانہ عظمت، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت''، جیسی مفید کتابوں کے ذریعے ہم نے اعلی حضرت قدس سرہ کی عظمت اور اُن کے عقائد ومعمولات کو جانا اور پہچانا۔ کیا ایسا شخص جس نے رضویات کی تحقیق اور ترویج میں اپنی عمر گزار دی وہ مسلک کا باغی ہو سکتا ہے؟ اب ہمارے بھارت میں ان جیسا حساس دل رکھنے والا، عبقری اور

قلم وتحریر کا شہنشاہ کوئی نظر نہیں آتا، ایسی عظیم بے نفس اور کام کی ذات کو چند لفظی اختلافات کے سبب مطعون کرنا حد درجہ کی حماقت ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے، آپ کے درجات بلند کرے اور آپ کی خدمات کا بہتر صلہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

محمد صادق مصباحی، مہراج گنج

ادب نامہ

رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی - اور - عربی زبان وادب

مفکر ملت، رئیس التحریر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ علوم وفنون کی مختلف شاخوں میں مہارت وکمال رکھتے تھے۔ انہیں تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد وکلام، سیرت، تاریخ، تذکرہ نگاری، صحافت، سیاست، سماجیات اور عام معلومات کے میدانوں میں اچھی دست رس تھی، وہ بیک وقت عربی، فارسی اور اردو زبان وادب پر استادانہ گرفت رکھتے تھے۔

ان کی گوناگوں معلومات اور علم وفن میں ہمہ جہتی اور تنوع کے ساتھ ان کی خدمات کا دائرہ بھی بڑا ہمہ گیر اور وسیع تھا۔ صحافت کے میدان میں ماہ نامہ حجاز جدید دہلی کی چہار رسالہ اور ماہ نامہ کنز الایمان دہلی کی تقریباً چھ سات سالہ کامیاب ادارت آپ کا عظیم اور مثالی کارنامہ ہے۔ ان کے فکر انگیز اداریوں کا مجموعہ ''نقوش فکر'' کے نام سے شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔

قرآنیات کے حوالے سے ''قرآن اور جہاد، آیاتِ جہاد کا قرآنی مفہوم، کنز الایمان اور دیگر تراجم قرآن کا تقابلی جائزہ'' آپ کے تصنیفی شاہ کار ہیں۔ اسلامی فکر واعتقاد کے موضوع پر، سواد اعظم اہل سنت وجماعت، عقائد ومعمولات، سواد اعظم، سواد اعظم سے انحراف، تعارف اہل سنت، مسائل توسل وزیارت، موے مبارک، گنبد خضرا، خصائص رسول، جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسی متعدد کتابیں دار القلم، رضوی کتاب گھر دہلی اور دیگر اشاعتی اداروں سے شائع ہو کر نئی نسل کے لئے فکر وعقیدہ کی شفافیت اور گمراہی سے حفاظت کا سامان بن چکی ہیں۔

علمائے کرام اور صوفیۂ ربانی کے احوال وافکار اور گراں قدر خدمات کے بارے میں، سلسلۂ ولی اللہ عزیزی دہلی، دینی وعلمی احوال وافکار (دو جلدیں) ممتاز علمائے فرنگی محلی لکھنؤ، اویس زماں شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، علمائے اہل سنت کی بصیرت وقیادت، آفتاب وماہتاب، خواجۂ اجمیر، تین برگزیدہ شخصیتیں، مجاہد ملت کی مجاہدانہ عزیمت، شارح بخاری جیسی قیمتی کتابیں آپ کی وسعت مطالعہ کا روشن ثبوت ہیں۔

ہندوستانی انقلاب اور آزادی ہند کے حوالے سے قائدین تحریک آزادی، ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء، قائد جنگ آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی، ۱۸۵۷ء پس منظر اور پیش منظر، علامہ فضل حق اور انقلاب ۱۸۵۷ جیسی تاریخی کتابیں تاریخ آزادی ہند کے بہت سے ایسے پہلوؤں کو قوم کے سامنے اُجاگر کرتی ہیں جن کو خاص مسلکی رجحان رکھنے والے مؤرخین نے جان بوجھ کر نظر انداز کیا تھا۔

ہندوستانی مسلمانوں کے ملی مسائل ومعاملات پر مسلم پرسنل لاء کا تحفظ، تصوف اور سیاست، ہم اور ہمارا ہندوستان، عمرانہ کا مسئلہ، تین طلاق اور حکم شریعت، ہندوتوا اور ہندوستانی مسلمان، سنگھ پریوار کا اکیس نکاتی فارمولا جیسی چشم کشا تحریریں قومی وملی مسائل کا صحیح حل پیش کرتی ہیں اور امت مسلمہ کی بصیرت افروز رہنمائی کرتی نظر آتی ہیں۔

عربی زبان وادب کی خدمت کے حوالے سے بھی آپ نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اسی گوشے کے تعلق سے اس مختصر مقالے میں کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس زاویے سے جب ان کی علمی، ادبی اور لسانی فتوحات پر نگاہ ڈالی جاتی ہے تو وہ درج ذیل خانوں میں بٹی ہوئی نظر آتی ہیں: (۱) عربی زبان میں مستقل کتابیں (۲) عربی سے اردو ترجمہ (۳) اردو سے عربی ترجمہ۔

عربی زبان میں مستقل کتاب کی حیثیت سے حضرت کی ایک تالیف ہمارے سامنے ہے جس کا نام ''المدیح النبوی'' ہے۔ یہ کتاب جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور برصغیر کے بہت سے مدارس اہل سنت میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کا تاریخی اور تصنیفی پس منظر یہ ہے کہ ۱۹۷۰ء آپ نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے تعلیمی فراغت پائی پھر جنوری ۱۹۷۴ء سے عربی ادب کے استاذ کی حیثیت سے جامعہ اشرفیہ سے منسلک ہوئے اور پھر شیخ

الادب کے منصب پر فائز ہوئے اور اپریل ۱۹۸۲ء تک طلبۂ جامعہ کو اپنے چشمۂ علم وادب سے سیراب کرتے رہے۔اس وقت جامعہ اشرفیہ اور دیگر مدارس اہل سنت میں عمومی طور پر درج ذیل کتابیں پڑھائی جاتی تھیں:

القراءة الراشدة،مجاني الأدب،أزهار العرب، كتاب القليوبي،ديواني المتنبي،مقامات بديع الزمان الهمداني،سبع المعلقات،ديوان الحماسه۔

ان کتابوں میں بیش تر اسلامی رنگ سے یک سر خالی تھیں اور اگر بعض میں اسلامی رنگ پایا بھی جاتا تو وہ بہت ہلکا، مدھم اور کمزور تھا۔ساتھ ہی صرف ایک مصنف یا شاعر کا نتیجہ فکر وقلم ہونے کی وجہ سے اس سے صرف ایک عہد کے شعر وادب کی نمائندگی ہوتی تھی۔اس لئے ضرورت تھی کہ کچھ ایسی کتابیں تیار کی جائیں جن کے ادبی مشمولات میں اسلامی رنگ کے غلبے کے ساتھ ہی ادب عربی کے مختلف ادوار کی نمائندگی ہوتی ہو۔ادبی نصاب تعلیم کی اِس کمی کا آپ کے ہم فکر وہم خیال رفقا: علامہ محمد احمد اعظمی مصباحی، مولانا افتخار احمد قادری مصباحی اور مولانا محمد عبد المبین نعمانی حفظہ اللہ تعالیٰ کو شدت سے احساس تھا،اس لئے مولانا افتخار احمد قادری مدظلہ العالی نے الادب الجمیل کے نام سے ایک کتاب تیار کی جو قرآن، حدیث، سیرت اور مختلف ادبی اور اسلامی کتابوں کے نثری شہ پاروں کا مجموعہ ہے اور علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ نے المدیح النبوی کے نام سے ایک شان دار کتاب لکھی جس میں حدیث، سیرت نبوی، عربی اور اسلامی ادب کی مختلف کتابوں سے عربی نعتیں ایک خاص ترتیب پر جمع کیں، یہ نعتیں عہد صحابہ سے لے کر ماضی قریب کے شعراء کی نظم کی ہوئی ہیں۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں شعبۂ نشر واشاعت الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے زیر اہتمام مطبعۃ الکوثر، سرائے میر، اعظم گڑھ یوپی سے شائع ہوا۔اس ایڈیشن میں کانٹوں والی کمپوزنگ ہے، اندازہ یہ ہے کہ اپنی نوعیت کا پہلا کام ہونے اور عجلت میں کام ہونے کی وجہ سے اس میں کمپوزنگ کی غلطیاں زیادہ رہ گئی ہیں۔اس کتاب میں حضرت مؤلف کے وقیع عربی مقدمے کے بعد دس باب ہیں:

(۱)التحميد(۲)البشائر (۳)ذكرى المولد(۴)المدائح والخصائص الكبرى(۵)الاعتذار الى سيد الابرار (۶) رثاء الرسول(۷)دعوة الكئيب(۸)الاستبراك بالآثار(۹)الحنين الى زيارة روضة النبى الامين(۱۰)التسليم على صاحب جنات النعيم۔ کتاب کے مقدمے کا آغاز ایک فصیح وبلیغ خطبہ سے ہوتا ہے، وہ کچھ اس طرح ہے:

الحمد لله رب العالمين،بديع السماوات والارضين،جامع الاولين والآخرين،وأشهد أن لا اله الا الله وحده لاشريك له،الذى لم يتخذ صاحبة ولا ولدا،ولم يكن له شريك فى الملك ولايكون أبدا،وأشهد أن سيدنا وحبيبنا محمداً عبدُهٗ ورسوله،أشرف الخلق والأكوان،وانسان عيون الانسان،عليه كرائم الصلواتِ وشرائفُ التسليمات،وعلىٰ آله الأطهار،وأصحابه الأبرار،الذين هم أماثُل العرب،وأفاضلُ الأدب،السابقون فى المدائح النبويه والفائزون بالمراتب العلية۔

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار، تمام آسمانوں اور زمینوں کو سابقہ مثال اور نمونے کے بغیر وجود بخشنے والا، سبھی اگلوں اور پچھلوں کو (قیامت کے دن) جمع فرمانے والا ہے۔میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں جس کی نہ کوئی بیوی ہے نہ اولاد، بادشاہی میں نہ کوئی پہلے اس کا شریک تھا نہ بعد میں کبھی ہوگا۔میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے پیارے آقا محمد ﷺ اس کے مکرم بندے اور رسول ہیں۔وہ ساری خلقت اور کائنات سے بہتر اور انسانوں کی آنکھوں کی پتلی ہیں۔ان پر رحمتیں اور سلام ہوں اور ان کی مقدس آل اور نیک صحابہ پر جو عربوں میں سب سے بہتر اور ادب میں سب سے برتر ہیں، سب سے پہلے نعت گوئی کرنے والے اور بلند مراتب پر فائز ہیں۔

خطبے کے بعد اس میں نعت رسول کی اجمالی تاریخ پیش کی گئی ہے، صحابہ کرام اور بعد کے شعراء کے یہاں نعت گوئی کے اغراض ومقاصد کیا تھے، اس پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے یہاں اس کے گونا گوں مقاصد تھے، مثلاً اسلامی پیغام اور نبوی احکام لوگوں تک پہنچانا، اپنی منصبی ذمہ داری نبھانا، حق کی حقانیت اور باطل کی بطلان کو ثابت کرنا، تاریخی حقائق کو اجالے میں لانا اور ساتھ ہی قلب وروح کی بے چینی

ختم کر کے ان کے لئے سامان تسکین فراہم کرنا۔

پھر یہ بتایا گیا ہے کہ فارسی اور اردو کے شعرا نے عربی شعرا کی بہ نسبت صنف نعت میں زیادہ طبع آزمائی کی ہے، اسی لئے ان دونوں زبانوں میں عربی سے کہیں زیادہ نعتوں کا ذخیرہ ملتا ہے پھر اس کی وجہ یہ بتائی کہ ایران اور ہندوستان میں بسنے والے فرزندانِ اسلام میں عشق ومحبت اور محبوب کے ساتھ دیوانگی وشیفتگی کا عنصر زیادہ پایا جاتا ہے اور یہ وصف عشاق میں محبوب کی تعظیم وتکریم اور ان کے قلب وضمیر کی زیارت وملاقات کی تڑپ اور سوزشِ عشق کی آگ کو تیزی کے ساتھ شعلہ زن کرتا ہے۔

اور بعض حضرات نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ مہبط وحی اور دیارِ حبیب سے دور ہونے کی وجہ سے ان کے قلب وضمیر کے چشمے اُبل پڑے، ان کے اندر عشق ومحبت کے شعلے بھڑک اٹھے اور ان کے دل میں لقائے حبیب اور زیارت کاشانۂ حبیب کا شوق پورے شباب کے ساتھ انگڑائیاں لینے لگا لیکن جب آسانی کے ساتھ جنہیں اس مقصد میں کامیابی نہ مل سکی تو کٹھنائیوں سے لب ریز لمبے سفر کی بجائے انہوں نے نعتیہ شاعری کو اپنے والہانہ شوق کے اظہار کا ذریعہ بنایا اور تصورات وتخیلات کے دوش پر سوار ہو کر بارگاہِ حبیب میں حاضر ہو گئے اور فراق وجدائی کی وجہ سے وہ کیسے ذہنی اضطراب، قلبی بے چینی اور روحانی درد وکرب سے دوچار ہیں۔ ساتھ ہی امت مسلمہ کا حالِ زار سنا کر اس کی دست گیری اور مشکل کشائی کی درخواست کی۔

پھر آگے لکھا کہ ان کے یہاں نعت گوئی کی کثرت کے یہ سبھی اسباب ووجوہ تو دوسرے لوگوں کے بیان کیے ہوئے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دین داری، ایمان کی پختگی اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنے کے معاملے میں مسلمانانِ ہند دوسروں سے فائق اور ممتاز ہیں، وہ محبت رسول کو ''جانِ ایمان'' سمجھتے ہیں، ان کے یہاں عشق رسول کے جذبات سے سرشاری نسبتاً زیادہ فراوانی کے ساتھ ملتی ہے۔ وَمَنْ أَحَبَّ شيئًا أكثر ذكرهٗ۔ (کہ جو کسی شے سے محبت کرتا ہے تو اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے) اس لئے نعت گوئی کی اس حد تک فراوانی اُسی مخلصانہ عشق اور سچی محبت سے سرشاری کا نتیجہ ہے۔

پھر دورِ قدیم کے مشہور اور بڑے قدیم عرب شعراء کے نعت نہ لکھنے یا کم لکھنے کی چار وجہیں بیان کی ہیں اور آگے چل کر یہ بتایا ہے کہ میں نے عربی نعتوں کا یہ مجموعہ تیار کر کے عشاق رسول کی قلبی تسکین کا سامان کرنے کی کوشش کی ہے۔

پھر یہ بتایا کہ اس علمی وادبی کام میں المجمع الاسلامی مبارک پور کے ارکان اور میرے مخلص وکرم فرما دوست مولانا افتخار احمد قادری مصباحی استاذ عربی ادب جامعہ اشرفیہ مبارک پور، مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی صدر المدرسین مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ اور مولانا محمد عبد المبین نعمانی مصباحی صدر المدرسین دار العلوم غوثیہ جمشید پور بہار نے قدم قدم پر میرا تعاون کیا، اس لئے دل کی گہرائیوں سے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کے لئے اور ساری امت مسلمہ کے لئے توفیق خیر کے حصول کی دعا کرتا ہوں۔

چوتھے باب: ''المدیح والخصائص الکبریٰ'' میں ساتویں صدی ہجری کے شہرہ آفاق اور باکمال امام شرف الدین محمد بن سعید بوصیری (متوفی: ۶۹۷ھ) کا مشہور زمانہ اور مقبول بارگاہِ رسالت نعتیہ قصیدہ قصيدة البردہ بھی شامل ہے۔ پانچویں باب: الاعتذار سيد الأبرار میں صحابی رسول حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تاریخی قصیدہ بھی شامل ہے جو علمی دنیا میں قصيدة بانت سعاد کے نام سے شہرت کی بلندیوں پر فائز ہے۔ یہ قصیدہ آپ نے مسجد نبوی شریف میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر معذرت نامہ کے طور پر خود پڑھ کر سنایا تھا اور دولت ایمان سے شرف یاب ہو کر اپنی لازوال کامیابی اور فیروز بندی کا سامان کیا تھا۔ سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے حضرت کعب کے منھ سے سن کر اتنے خوش ہوئے کہ اپنی دھاری دار یمنی چادر جسے عربی میں بُرْدَة کہا جاتا ہے۔ انعام میں انہیں عطا کر دی۔ اس قصیدے کا پہلا شعر یہ ہے:

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِيْ الْيَوْمَ متبولُ مُتيمٌ اِثرهَا لَمْ يُفَدْ مكبولُ

(ترجمہ: سعاد (مجھ سے) جدا ہو گئی، اس لئے آج میرا دل بیمار ہے، اس کے پیچھے وارفتہ اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے، فدیہ دے کر اُسے رہا نہیں کرایا گیا ہے)

اس قصیدے کا سب سے شان دار شعر: جسے عربی میں بيت القصيد اور فارسی میں ''شاہ بیت'' کہا جاسکتا ہے۔ یہ ہے:

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ يُسْتَضَاءُ بِهٖ مُهَنَّدٌ سُيُوْفِ اللهِ مَسْلُوْلٌ

(ترجمہ: یقیناً رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ایسا نور ہیں جس سے حق کی روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اللہ کی تلواروں میں ایک بے نیام تلوار ہیں۔) اس قصیدے میں کل انسٹھ شعر ہیں:

ساتویں باب: دعوۃ الکئیب میں ''قصیدۂ نعمانیہ'' کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ ترپن (۵۳) اشعار پر مشتمل یہ نعتیہ عربی قصیدہ امام الائمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نتیجہ فکر ہے۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے:

يا سيدَ الساداتِ جئتُك قاصداً أرجو رضاك و أحتمى بحِمَاكَ

(ترجمہ: اے آقاؤں کے آقا! میں آپ کا قصد کر کے آیا ہوں، آپ کی خوشنودی کا امیدوار اور آپ کے حرم کی پناہ کا طلب گار ہوں۔)

عربی سے اردو ترجمہ: انہوں نے کچھ مفید عربی کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ یہ ترجمہ نہایت سلیس، بامحاورہ اور عام فہم ہے جس پر مستقل تصنیف ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ میری معلومات کے مطابق حضرت کی عربی سے اردو ترجمے والی کتابیں کل تین ہیں جن کا قدرے تعارف یہ ہے:

۱- **اصلاح فکر و اعتقاد**: یہ دراصل مفاهيمُ يجبُ أن تُصَحَّحَ کا شان دار اردو ترجمہ ہے، جس کے مصنف حجاز مقدس کے نہایت معروف، جلیل القدر، بااثر اور بافیض عالم ومحدث فضیلۃ الشیخ سید محمد بن علوی بن عباس مالکی مکی علیہ الرحمہ استاذ حدیث مسجد حرام مکہ مکرمہ ہیں۔ سید محمد بن علوی مالکی نے ''مفاہیم'' کے اندر بڑا ہی داعیانہ اور حکیمانہ طرز بیان اختیار کیا ہے۔ کتاب وسنت، آثار صحابہ اور اقوال ائمہ سے اپنا موقف ثابت کیا ہے۔ ساتھ ہی جگہ جگہ ابن تیمیہ اور ابن عبدالوہاب نجدی (جن کے اہل نجد اور آل سعود متبع و مقلد ہیں) ان کی رائیں اور عبارتیں بھی پیش کی ہیں اور اُن پر تنقیدی گفتگو کی ہے۔ یہ نہایت حکیمانہ اسلوب دعوت اور ماہرانہ طرز گفتگو ہے۔

اس کتاب میں جن موضوعات پر تحقیقی بحث کی گئی ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

مقام خالق ومخلوق کا فرق، حقیقت ومجاز اور ان کے استعمال کا فرق، عبادت و تعظیم کا فرق، شرک کی حقیقت، مومن کا قول وعمل، بدعت حسنہ وسیئہ، تکفیر و تضلیل و تفسیق مسلمین سے تحذیر، توسل بالانبیاء والصالحین پر امت مسلمہ کا اجماع، آثارِ انبیاء وصالحین کو وسیلہ بنانے کا ثبوت، غیر خدا سے استعانت واستغاثہ کا جواز، میدان حشر میں توسل وشفاعت، خصائص رسول، تبرکات رسول کی فضیلت، زیارت روضۂ رسول کا استحباب، سفر زیارتِ قبول کا جواز، انبیا کی برزخی زندگی، حدیث: لا تشد الرحال کا صحیح مطلب، تربت نبوی شریف کے نزدیک دعا کا جواز، آثار ومشاہد انبیاء وصالحین کے تحفظ وزیارت کا جواز، موئے مبارک، لباس مبارک و نعلین مبارک وغیرہ کی برکتیں، گنبد خضرا کا جمال، میلادِ نبوی اور محافل دینی کا جواز۔ وغیرہ

اِس کتاب میں مندرجہ ذیل مسلم ممالک کے مشہور علما ومشائخ کی تحریری تصدیقات وتقریظات شامل ہیں:

سعودی عرب، یمن، مصر، مراکش، تیونس، سوڈان، کویت، بحرین، پاکستان، متحدہ عربی امارات، چاڈ، موریتانیہ۔

کتاب کے ساتھ اس کا یہ ترجمہ اتنا مقبول ہوا کہ ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء تک مختلف اشاعتی اداروں سے اس کے سات ایڈیشن شائع ہو چکے تھے اور اس وقت تک تو نہ معلوم کتنے ایڈیشن شائع ہو کر فیض بخش انام ہو چکے ہیں۔

۲- جشن میلاد النبی: یہ کتاب بھی حضرت سید محمد بن علوی بن عباس مالکی علیہ الرحمہ کے مقالہ: **حول الاحتفال بالمولد النبوی الشریف** کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء میں المجمع الاسلامی مبارک پور کے زیر اہتمام شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے۔ یہ چھپن (۵۶) صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

۳- خصائص رسول: یہ کتاب دراصل حضرت شیخ خلیل ابراہیم خاطر نزیل مدینہ منورہ کے اہم علمی رسالہ: **عظیم قدرہ ورفعتہ مکانتہ عند ربہ عزوجل** کا سلیس اور مطلب خیز اردو ترجمہ ہے۔ شیخ خلیل ابراہیم نے یہ رسالہ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ میں مدینہ منورہ میں لکھا۔ ترجمہ کے بعد اس کا پہلا اردو ایڈیشن ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۷ء میں دار القلم دہلی سے شائع ہوا۔ اور اب تک ہند و پاک کے مختلف اداروں سے اس کے درجنوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

اردو سے عربی ترجمہ: حضرت رئیس التحریر علیہ الرحمہ نے کچھ رسائل یا مضامین کا فصیح عربی میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ میری معلومات کے مطابق اس طرح کے دو مضامین کے ترجمہ کیا ہے:

۱-الجامعة الاشرفيه مبارك فور: یہ دراصل رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے ایک اردو مضمون کا ترجمہ ہے جو جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا اجمالی تعارف پیش کرتا ہے۔ میری جان کاری کے مطابق یہ عربی زبان میں جامعہ کا پہلا تعارف ہے۔ یہ ترجمہ شعبۂ نشر و اشاعت الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے شائع ہو چکا ہے۔

۲-تعريف بالدعوة الاسلاميه العالمية: یہ ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ کے تعارف پر مبنی ہے، دراصل رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے اردو زبان میں یہ تعارف لکھا تھا، جس کے فصیح رواں عربی زبان میں ترجمہ کرنے کی سعادت رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ کے حصے میں آئی۔ سوے اتفاق کہ کسی وجہ سے اس کی اب تک اشاعت نہ ہو سکی۔ میں نے خود یہ ترجمہ نہیں دیکھا ہے لیکن استاذ گرامی حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے ابھی چند دنوں پہلے خود علامہ یٰسین اختر مصباحی کے حوالے سے اس کا ذکر فرمایا۔

(مولانا) نفیس احمد مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی، ۸ ذی قعدہ ۱۴۴۴ھ/ ۲۹ مئی ۲۰۲۳ء، دوشنبہ

على وفاة الأستاذ الشيخ ياسين أختر المصباحي رحمه الله

بغاية من الأسى والحزن تنعى أسرة التحرير لمجلة "المشاهد" العربية، وفاة الفقيد الراحل الأستاذ الشيخ محمد ياسين أختر المصباحي في 7 مايو عام 2023م، تغمده الله بغفرانه. وتتقدم بالتعازي والمؤاساة إلى أسرة الفقيد الكريمة وبالأخص إلى نجله الأخ الحبيب نعيم أختر، ونسيم أختر (حفظهما الله) وغيرهما من منتسبي الشيخ وذويه ومن له صلة بهم ولاسيما جماعة أهل السنة في الهند وخارجها. تغمّده الله بغفرانه وأحسن مثواه في الفردوس الأعلى. ويلهمنا وإياكم والأسرة كذلك الصبر والسلوان.

كان الشيخ من كبار علماء أهل السنة والجماعة في الهند، ولد في ولاية اتربرديش، الهند في 12 فبراير 1953م، وهو من تلامذة الشيخ عبد العزيز المباركفوري رحمه الله، النابهين، الذي درس عليه وعلى غيره من الأساتذة في الجامعة الأشرفية بمباركفور، ثم انتقل إلى ندوة العلماء بلكناؤ، وبعد التخرج تقلّد زمام التدريس في الجامعة الأشرفية بمباركفور برهةً من الزمن، ثم انتقل إلى دلهي، حيث أسس مؤسسةً للتأليف والنشر باسم "دار القلم"، مقرّها في منطقة جوغابائي إكستينشان، ذاكر نغر، دلهي الجديدة، ولهذه المؤسسة دور كبير في إثراء المكتبات الأردية والعربية بأنواع من الكتب والبحوث والدراسات، إلى جانب الصحف والمجلات، كما لها دور في تثقيف أبناء المنطقة، إذ تضم المؤسسة مدرسة ومسجدا لخدمة أبناء المنطقة.

كان الشيخ رحمه الله من كبار الكتاب باللغة الأردية، وأحد أبرز المهتمين بقضايا العصر والسياسة الحاضرة، له مئات من المقالات الصحفية والبحوث العلمية في مختلف من المجالات.

ومن أشهر ما كتبه: "الاحتفاظ بقانون الأحوال الشخصية المسلمة في الهند"، و"إهدام المسجد البابري"، و"مسلمو الهند والهندوسية"، و"نحن وهندنا"، و"التصوف والسياسة"، و"القرآن والجهاد"، و"عرفان الحقائق"، و"الأصول الهادية في مذهب أهل السنة والفقه الحنفي"، و"قضية عمرانه وحرمة المصاهرة"، و"نقوش الفكر" (مجموع مقالاته)، و"الإمام أحمد رضا ودوره في رد البدع والمنكرات"،

و "العلامة فضل حق الخير آبادی قائدا للانقلاب"، وغير ذلك كثير.

أصدر مجلة "الحجاز" الشهرية باللغة الأردية وتولّى إدارتها منذ عام 1988م إلى 1992م، كما أصدر مجلة "كنز الإيمان" الشهرية باللغة الأردية واشتغل رئيساً لتحريرها منذ عام 1998م إلى 2007م، واشتغل مشيراً لهيئة التحرير للمجلة المذكورة إلى آخر حياته.

وإلى جانب اللغة الأردية كان له باع طويل فى اللغة العربية كذلك، والشاهد على ذلك بعض أعماله فى هذا المجال، مثلا كتابه "المديح النبوى"، وهو كتاب على غرار الحماسة لأبي تمام وغيره، يجمع بين دفتيه قصائد مدحية لمختلف من شعراء العربية عبر التاريخ، منذ عصر الصحابة إلى عصر المؤلف، مراعياً فى ذلك قوة الشعر الفنية، مما يدل على أن للمؤلف إلماماً بالأدب العربي وفنونه. وإضافةً إلى ذلك قام بترجمة بعض الكتب العربية إلى اللغة الأردية، منها ترجمة "الفوز الكبير فى أصول التفسير" للشاه ولى الله الدهلوى المتوفى 1176هـ، و كتاب "خصائص الرسول"، و كتاب "حول الاحتفال بذكرى المولد النبوى الشريف"، و كتاب "مفاهيم يجب أن تصحح" للشيخ علوى المالكى المتوفى 1425هـ.

وكان يتوق إلى آفاق أوسع من ذلك، ولكن لم يحالفه القدر، كما تحدّث لى حينما رأى كتابى عن حياة الإمام أحمد رضا خان القادرى وأعماله فى اللغة العربية، طار فرحاً، وتهلّل بشره حبوراً، واستطرد قائلاً: كان هذا مشروعى، ولكننى لم أستطع أن أنجز، وقد وفقك الله تعالى، ودعا لى، وشجعنى على مواصلة العمل.

و كما كانت له صلة قوية باللغة العربية، كذلك كانت له صلة بعلماء العرب، فقد تحدّث رحمه الله فى أحد مجالسه أنه التقى بالشيخ العلامة عبد الفتاح أبي غدة المتوفى 1417هـ، رحمه الله حينما زار ندوة العلماء بلكناؤ، وتكلّم معه فى موضوعات علمية مختلفة، كما عرّف الشيخ على شخصية الإمام أحمد رضا، وأطلعه على مؤلفاته العلمية القيمية فى موضوعات مختلفة.

كان طويل الصمت قليل الكلام، وإذا تكلم لم يتكلم عبثا أو كلاما فارغا فضفاضا دون مغزى ومعنى، بل جل كلامه فى العلم، مفعما بالأفكار العالية النزيهة، ولهذا كان يعدّ أحد أبرز المفكرين الإسلاميين المعاصرين، الذين يدافعون عن الإسلام والمسلمين بأسلوب علمى معقول ومقبول، كما تشهد كتاباته عن آيات الجهاد فى القرآن الكريم، وقضية التطليقات الثلاث، وغير ذلك من قضايا عقدية وفكرية وفقهية معاصرة وحساسة.

كان منهجه فى الفكر يتسم بالاعتدال والوسطية، لم يكن ناقماً على التراث القديم، كما لم يكن متعصباً له، بل كان داعياً إلى الجمع بين الأصالة والتجديد.

كان الشيخ يتمتع بشخصية علمية وأدبية قوية، له شهرة فى عموم الهند، كما كان له ثقل ملموس فى مدينة دلهى خاصةً، حيث كان مرجعاً للعلماء والطلاب، يقصدونه لإرواء غليلهم العلمى.

وأخيراً نسأل الله تعالى أن يغفره ويرفع درجاته فى أعلى عليين، ويجعل الجنة مثواه، ويعوضنا عنه بخير. فقد أصابت جماعة أهل السنة فى الهند فراغاً لا يمكن أن يسد فى قريب عاجل. وتقبلوا منا فائق التقدير والاحترام

-الدكتور أنوار أحمد خان البغدادى رئيس التحرير، مجلة المشاهد
أستاذ العلوم الإسلامية فى أكاديمية بلغار الإسلامية، بلغار، روسيا الاتحادية
gmail.com@ almushahid2014:Email

دارالقلم دہلی میں قرآن خوانی ودعائے مغفرت کی محفل منعقد ہوئی

اہل خیر علم دوست حضرات توجہ دیں تو حضرت کی تیار دو کتابیں چھپ کر ۱۵ جون ۲۰۲۳ء جمعرات کو چہلم کی فاتحہ خوانی میں منظر عام پر آ جائیں بروز منگل بعد نماز مغرب حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب کے قائم کردہ ادارہ دارالقلم قادری مسجد ذاکر نگر دہلی میں ان کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی ہوئی اور دعائے مغفرت کی محفل منعقد ہوئی جس میں جامعہ قادریہ دارالقلم قادری مسجد کے اساتذہ وطلبہ، مدرسہ زہرا مدینۃ العلوم قادری مسجد چوک، جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء ذاکر نگر، مدرسہ ابراہیمیہ جامعۃ القرآن مسجد خلیل اللہ بٹلہ ہاؤس، مدرسہ غوثیہ نظام العلوم جسولہ اور مدرسہ فیضان مدینہ دعوت اسلامی کے اساتذہ وطلبہ قرآن خوانی میں شامل تھے جب کہ دعائے مغفرت کی محفل میں قادری مسجد کے امام مولانا فیضان احمد نعیمی، مسجد خلیل اللہ کے امام مولانا محمد یعقوب علی خان قادری، غوثیہ مسجد کے امام مولانا زین اللہ نظامی، دیگر مقامی مساجد کے امام ومؤذن صاحبان، اہل سنت اکیڈمی ذاکر نگر کے ارکان، دارالقلم کے ناظم محمد ظہیر برکاتی، حاجی محمد حسنین برکاتی، مولانا محمد ظفرالدین برکاتی مصباحی وغیرہ بطور خاص شریک تھے۔ مولانا یعقوب صاحب کی دعا پر محفل ختم ہوئی۔ جامعہ عربیہ غریب نواز تغلق آباد میں بھی قرآن خوانی اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا جس میں مولانا منظر محسن نعیمی و دیگر اساتذہ وطلبہ شامل تھے۔

محفل ایصال ثواب وتعزیتی مجلس

سنی دعوت اسلامی شاخ گلبرگہ کے زیر اہتمام مرکز سنی دعوت اسلامی جامع مسجد امام اعظم سید گٹی گلبرگہ شریف میں ۹ مئی ۲۰۲۳ کو بروز منگل بعد نماز ظہر حضرت مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب کے ایصال ثواب کی محفل منعقد ہوئی جس میں مقامی مدارس کے اساتذہ اور طلبہ نے شرکت کی، قرآنی خوانی کے بعد فاتحہ خوانی ہوئی اور دعائے مغفرت کی گئی۔ مولانا جاوید اختر مصباحی نے حضرت کا تعارف کرایا۔

مٹیا محل جامع مسجد میں منعقد ہوا تعزیتی اجلاس اور محفل ایصال ثواب

اس ماہ کے پہلے ہفتے میں جماعت اہل سنت کے تین بڑے علمائے دین دنیا سے رخصت ہوئے جن میں ایک خاتون ہیں محترمہ عائشہ خاتون صاحبہ جو بہارِ شریعت کے مصنف صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی صاحب کی صاحب زادی ہیں، دوسری شخصیت مفتی محمد اعظم رضوی بریلوی ٹانڈوی صاحب ہیں جو بریلی جنکشن اسٹیشن کی نوری مسجد کے امام وخطیب تھے تاحیات رہے اور مسجد بی جی بریلی شریف میں قایم مدرسہ مظہر اسلام میں استاذ حدیث وفقہ تھے اور تیسری عظیم عالم دین شخصیت مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب ہیں جو تعلیم وتدریس کے بعد تصنیف وتالیف اور تحقیق وترجمہ کی دنیا میں معروف ومقبول عالم دین رہے ہیں، دہلی میں دارالقلم قادری مسجد ذاکر نگر آپ کی تعمیری زندگی کی یادگار ہے اور ہندوستان کی تاریخ آزادی و انقلاب ۱۸۵۷ء پر آپ کی پانچ چھ کتابیں آپ کو رہتی دنیا تک زندہ رکھیں گی۔ مذکورہ خیالات کا اظہار ۱۳ مئی نماز جمعہ کے بعد فاروقیہ بک ڈپو میں قرآن خوانی کی تقریب میں مولانا محمد ہارون رشید اشرفی نے کیا۔ جانشین مفتی اعظم راجستھان حاجی معین الدین اشرفی صاحب کی دعاؤں پر محفل ختم ہوئی۔

بعد نماز مغرب ماہنامہ کنزالایمان دہلی کے دفتر میں فاتحہ خوانی اور دعائے مغفرت کی محفل منعقد ہوئی جس میں مولانا ہارون رشید اشرفی صاحب نے فاتحہ خوانی کی، درود تاج کا ورد کیا، حاجی معین الدین اشرفی صاحب کی دعا پر مجلس ختم ہوئی اور مہمانوں کی ضیافت کی گئی۔ دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی محفل میں مولانا غلام حسن قادری، مولانا محمد ظفرالدین برکاتی مصباحی، محمد امام الدین صالح پوری، محمد احمد ابن حافظ محمد قمرالدین رضوی مرحوم، ضیاء بھائی ابن مفتی محمد یامین نعیمی وغیرہ مقامی کتب خانوں کے مالکان وصاحبان شریک تھے۔

بریلی شریف کے مفتی محمد اعظم رضوی بریلوی ٹانڈوی صاحب اور کلیہ بنات الامجدیہ قصبہ گھوسی کی معلمہ کے لئے بھی دعائے مغفرت کی گئی جو ۹۲ سال تک زندہ رہیں اور ۱۹۷۳ء سے ۲۰۱۵ء تک مسلسل تعلیم وتدریس سے جڑی رہیں۔ رضوی کتاب گھر دہلی سے چھپی ہوئی مولانا یاسین اختر مصباحی صاحب کی سبھی کتابوں کی نمائش بھی کرائی گئی تاکہ ایک مرتبہ اُن کتابوں کے موضوعات روشن ہو جائیں۔

منظوم خراج عقیدت

اَبیَاتِ تَعزِیت

برائے علامہ یٰسین اختر مصباحی علیہ الرحمہ

ایک تفکیر کا پیکر وہ قلمکار گیا
صاحب ذوق کو کرتا ہوا سرشار گیا

جس کے خامہ کی جلالت سے ہے مسلک روشن
ناشر فکر رضا دین کا غم خوار گیا

نرم لہجوں سے دلوں کو وہ مسخر کرتا
صاحب طرز ادیب علم کا فنکار گیا

اُس کی آنکھوں نے وہاں جھانک کے دیکھا ہے جہاں
نہ کوئی اہل جنوں نہ کوئی ہشیار گیا

علم کی رسم ، روایت کی ہے پابند مگر
وہ کہ تحقیق کا اک فردِ خوش اطوار گیا

اب کہ وہ کون ہے جس کو کہیں یٰسین اختر
پیکر علم گیا صاحب کردار گیا

شارحِ فکر رضا ، طرز جدید اُس کا قلم
اہل سنت میں نئی لے کا علم دار گیا

اُس کے افکار کے جوہر نے نیا ذہن دیا
اک نئی نسل کو ہی کر کے وہ تیار گیا

اس کی تحریر کی خوشبو سے مہکتے ہیں شام
کر کے ماحول کو وہ گلشن و گلزار گیا

اہل دہلی ہی نہیں ملک میں چرچا یہی
اِک مفکر ہی نہیں عاشق سرکار گیا

ساتھ میں لے کے قلم دان حکم چپکے سے
کامراں ، فرحان منقیٰ و سبکسار گیا

وہ نئی جہتوں کا جویاں تھا مسائل میں قمرؔ
قصر تحقیق میں کرتا جو گہر بار گیا

قمرؔ بستوی، امریکہ

بانئِ دارالقلم یٰسین اختر چل دِیے

آسمانِ علم کے ماہِ منور چل دِیے
گلشن فکر و ادب کے اک گل تر چل دِیے

ڈال کر رخ پر رِدائے کلّ نفسٍ ذائقہ
دیکھنے اپنے نبی کا روئے انور چل دیے

کر کے آبِ زم زم و تسنیم و کوثر سے وضو
کرنے دیدارِ رخِ محبوبِ داور چل دِیے

قبر کی تاریکیوں کو دور کرنے کے لئے
دل میں لے کر جلوہ عشق پیمبر چل دیے

جن کا سینہ عشق آقا کا مدینہ بن گیا
وہ وفا دارِ شفیع روز محشر چل دیے

خانہ دل میں جلا کر عشق احمد کا چراغ
جاں نثار حضرتِ صدیق اکبر چل دیے

الفت فاروق اعظم ، عشق عثمان غنی
اور سینے میں بسا کر حب حیدر چل دیے

مست رہنے کے لئے اپنی لحد اور قبر میں
پی کے جام الفت شبیر و شبر چل دیے

واصف مولیٰ علی ، مداحِ بی بی فاطمہ
اور ثناخوانِ شہیدانِ بہتر چل دیے

کر کے روشن ہر قدم پر علم و حکمت کا چراغ
مدح گوئے قاسم و عباس و اصغر چل دیے

جس نے کی ملک سخن پر باشاہت تاحیات
وہ گدائے کوچہ سلطان سنجر چل دِیے

غوث وخواجہ اور رضا و مصطفیٰ کے فیض سے
کر کے روشن اپنا خوابیدہ مقدّر چل دِیے

جامی و بوصیری و حسّان و سعدی اور رضا
کے خیال و فکر کا بن کر کے خُوگر چل دیے

۱۶ شوال المکرم ، رات پونے دس بجے
بانئِ دارالقلم یٰسں اختر چل دیے

دیں کی تبلیغ و اشاعت جن کا نصب العین تھا
طالبان علم کے وہ بن کے محور چل دیے

خانقاہِ علم و فن کے بن کے سجادہ نشیں
محفل رشد و ہدایت کے قلندر چل دیے

اختر برج صحافت ، خاور لوح و قلم
علم و فضل و عقل و دانائی کے پیکر چل دیے

کوہ علم و فکر و فن جہد و عزیمت کے گگن
عزم و استقلال کے مردِ دلاور چل دیے

چرخِ قرطاس و قلم کے بن کے خورشید مبیں
آبروئے مسند و محراب و منبر چل دیے

مُرغ زارِ علم و فن کو کر کے شادابی عطا
بحر عرفان و معارف کے شناور چل دیے

حق رسا و حق نگر حق آشنا اور حق شناس
بن کے دنیائے سخن کے میر لشکر چل دیے

صاحبِ دستار و جبہ اور تسبیح و کلاہ
ڈال کر اپنے بدن پر خاکی چادر چل دیے

حکمت و دانائی و عقل و شعور و فکر و فن
اور تحریر و قلم کے بن کے سرور چل دیے

صحن دل کو بوئے علم و فن سے کر کے مشک بار
زیر تربت آسمان مُشک و عنبر چل دیے

بُردباری ، انکساری ، پائیداری ، سادگی
اور کمالات و خصائص کے جواہر چل دیے

برگ گل حُسن چمن بُوئے کلی ، رنگ بہار
ساتھ لے کر سب فضائے رُوح پرور چل دیے

طائرِ فکر و نظر ، منارۂ علم و ہنر
اب کفن بردوش ہو کر دائمی گھر چل دِیے

میر مجلس ، رونق بزم اور شمع انجمن
کر کے ایمان و عقائد کو منور چل دیے

آئینۂ رئیس التحریر

علم و افکار کا ذخار رئیس التحریر
فاقد المثل قلم کار رئیس التحریر

جس کا دل ملت و مذہب کے لئے ہی دھڑکا
قوم و مسلک کا نگہ دار رئیس التحریر

اس کی نکہت پہ چمن والوں کو رشک آتا ہے
حافظی باغ کا گلنار رئیس التحریر

سر بکف عشق کے میدان میں افتاں خیزاں
جو رہا بر سر پیکار رئیس التحریر

بے خطر لڑتا رہا فتح مبیں پاتا رہا
لشکر عشق کا سردار رئیس التحریر

وہ اکیلا تھا مگر کام میں مثل تنظیم
واہ رے ! قافلہ سالار رئیس التحریر

جب ہوا کلک رضا حق کے لئے خامہ فرسا
تب لگا عشق کی تلوار رئیس التحریر

حق و باطل کی لڑائی میں وہ فاتح ٹھہرا
صدق کا لشکر جرار رئیس التحریر

فرقۂ بد کے مقابل میں حُسام الحرمین
مسلک حق کا وفا دار رئیس التحریر

جس کی آنکھوں سے دم نزع بھی اترا نہ خمار
مشرب عشق کا مے خوار رئیس التحریر

سارے اوصاف جمع کر کے یہی لکھ اختر
حافظ دین کی شہکار رئیس التحریر

ڈاکٹر غلام اختر مصباحی، اختر ویشالوی

کر کے روشن سجدہ ریزی سے جبینِ ناز کو
ناشر فکر رضا ، تربت کے اندر چل دیے

آندھیوں کی زَد پہ جو روشن رہے گا حشر تک
وہ چراغِ علم ''دہلی'' میں جلا کر چل دِیے

اپنے اسلوبِ بیاں اور شوخیٔ تحریر سے
نسل نو کے ذہن کو کر مطہر چل دیے

جن کا ہر نقشِ قدم ہے مشعلِ راہِ حیات
وہ جہانِ عشق وعرفاں کے گورنر چل دِیے

متقی ، پرہیزگار و عالم تقویٰ شعار
خوش مزاج وخوش طبع خوش فکر اختر چل دِیے

لے کے آنکھوں میں جمالِ گنبدِ خضریٰ کا نور
آشنائے راہ حق ، مردِ تونگر چل دیے

جن کے دم سے تھی جہانِ اہل سنت میں بہار
آسمان علم و دانش کے وہ نیر چل دیے

اپنے کردار وعمل اور قول وفکر وفعل سے
قوم کو کر کے عطا حکمت کے زیور چل دیے

اہل ہندو پاک جن کی ذات پر نازاں رہے
وہ وقارِ اہل دہلی اور '' پشاور'' چل دیے

فخر فرزندانِ اشرفیہ مبارک پور اور
نازشِ سادات مارہرہ اور امجھر چل دیے

خانقاہوں سے بڑا گہرا تعلق تھا جنہیں
وہ فدائے کوچہ بغداد و کلیر چل دیے

ہر قدم پر کر کے روشن علم و دانش کا چراغ
عزم کے کوہِ گراں حکمت کا ساگر چل دِیے

تشنگانِ علم وفن سیراب ہوتے تھے جہاں
وہ جہانِ فکر و دانش کے سمندر چل دیے

علم وفضل وفہم و ادراک وشعور وفکر کے
گنبد و مینار و باب ومنبر و در چل دیے

نسل انسانی کو دے کر دعوتِ فکر وعمل
حلقۂ یاراں کو کر کے دیدۂ تر چل دیے

معدنِ جود و سخا ، گنجینۂ لطف و عطا
حُسن واخلاق ووفا کا بن کے مصدر چل دِیے

دشمنانِ دین و اعدائے نبی کے واسطے
فکر میں کلک رضا کا لے کے تیور چل دِیے

پاسبانِ مسلک احمد رضا خاں قادری
کر کے اعدائے نبی کا حال ابتر چل دیے

تاج دار بلگرام و کالپی کے عشق کا
پی کے دست حافظ ملّت سے ساگر چل دِیے

پر تو نورِ نگاہِ حضرت عبد العزیز
کر کے اپنی زندگی دیں پر نچھاور چل دِیے

اپنی تحریروں سے بخشی جس نے اکسیر حیات
وہ مدبر وہ محقق ، وہ سخن ور چل دِیے

شکل دستاویز میں اہل وطن کے واسطے
لکھ کے وہ تاریخ اور نگ زیب وبابر چل دِیے

جن کی تصنیفات ہیں سرمایہ اہل سنن
آہ صد افسوس وہ نایاب گوہر چل دیے

حلقہ اربابِ فن اور کائناتِ فکر میں
اب نظر آتا نہ کوئی جن کا ہم سر چل دِیے

لکھتے لکھتے رات دن کمزور وہ گرچہ ہوئے
پھر بھی شاخِ علم کو کر کے تناور چل دیے

جنتی قالین پر تا حشر سونے کے لئے
چھوڑ کر دار القلم کا نرم بستر چل دِیے

اہل دہلی اور ادری فرطِ غم سے چور ہیں
کیوں کہ اِن کی انجمن کے شاہ خاور چل دِیے

باغِ فردوس عزیزی کے تر و تازہ گلاب
کر کے ہم سب کا مشامِ جاں معطر چل دِیے

بانیِ المجمع الاسلامی اور دار القلم
فیض علم وفضل کا دریا بہا کر چل دِیے

آفتاب و ماہتاب ، اصلاحِ فکر و اعتقاد
یہ رسائل اہل علم وفن کو دے کر چل دیے

ریشمی رُومال تحریک اور قرآن و جہاد
بیش قیمت یہ اثاثہ بھی تھما کر چل دیے

مسلک ومذہب کے عرفاں سے ہوا جو اختلاف
اس تنازع کا بھی حضرت حل بتا کر چل دیے

اِک پاسباں رخصت ہوا

فکر وفن علم و ہنر کا آسماں رخصت ہوا
مذہب اسلام کا اک پاسباں رخصت ہوا

ناشر قرآن و سنت حامل فکر رضا
اہل سنت کا امیر و سائباں رخصت ہوا

حافظ ملت کے گلشن کا گل رنگیں ادا
حافظ ملت کی عظمت کا نشاں رخصت ہوا

عالم علم شریعت رہبر راہِ ہدا
دین برحق کا امیر کارواں رخصت ہوا

تھا معاصر میں یگانہ بے مثال و بے بدل
صاحبِ مجد و علا فخر جہاں رخصت ہوا

جس کے علم وفضل کے ہیں معترف اہل نظر
علم وحکمت کا وہ بحر بیکراں رخصت ہوا

دینِ برحق کی قیادت جس نے کی تا زندگی
دین کا وہ قائد و روحِ رواں رخصت ہوا

اک محقق اک مفکر اک مصنف بے بدل
نازشِ علم وعمل اہل زباں رخصت ہوا

زندگی بھر جس نے کی ہے خدمت لوح وقلم
وہ شہنشاہِ قلم اب شادماں رخصت ہوا

تا ابد زندہ رہوں گا میں ''نقوشِ فکر'' میں
گو کہ میں بزمِ جہاں سے جانِ جاں رخصت ہوا

باخدا شہباز اصدق دل ہے بے حد مضمحل
محترم محسن مکرم مہرباں رخصت ہوا

سوگوار: مفتی سید شہباز اصدق، ساؤتھ افریقہ

عندلیب گلشن اشرفیہ مصباح العلوم
بن کے دنیائے صحافت کے سکندر چل دیے

بارگاہِ حافظ ملّت سے ہو کر فیض یاب
مقتدائے اہل سُنّت دیں کے رہبر چل دیے

سرپرست ماہنامہ کنز الایماں اور حجاز
ساتھ لے کر اپنے علم دیں کا دفتر چل دیے

شہر دہلی اور بریلی سے خبر آئی کہ آج
اُس طرف اعظم اِدھر رئیس اختر چل دیے

جن کے علم وفن پر نازاں ہے جہانِ سنیت
اُن تمامی رہنماؤں میں اب اکثر چل دِیے

قادری مسجد ، نظام الدیں ہو یا دارالقلم
کر کے سونا اِن اداروں کے حسیں در چل دِیے

اپنے مرشد مفتی اعظم کے دست پاک سے
عشق وعرفان رضا کا جام پی کر چل دِیے

دی جنہیں سید محمد نے خلافت کی سند
حافظ ملّت کے وہ تلمیذ اکبر چل دِیے

حضرت ابراہیم و ریحاں حجۃ الاسلام اور
حامیِ تاج الشریعہ فخر ازہر چل دِیے

عاشق مولائے روم ، آئینہ بحر العلوم
عشق وعرفاں کا لیے آنکھوں میں منظر چل دِیے

یادگارِ حضرتِ علّامہ ارشد قادری
بہر گستاخِ نبی بن کر کے خنجر چل دِیے

احمد و نعمانی و عبدالحفیظ اور افتخار
کے رہے تا زندگی بن کر جو دلبر چل دیے

کیوں نہ افسردہ ہوں علّامہ عبید اللہ خاں
اُن کے جب غمخوار ومحسن اور یاور چل دِیے

حضرتِ مصباحی صاحب بھیروی کے یارِ غار
پینے دست مصطفٰے سے جام کوثر چل دِیے

سَربراہ و حضرتِ مفتی نظام الدین اور
حضرتِ مفتی شریف الحق کے مظہر چل دِیے

ہم نشین حضرتِ ادریس احمد بستوی
اور خطیب الہند کے دینی برادر چل دِیے

کنز الایماں کی ادارت کی لیے اپنی جگہ
کر کے ظفر الدین صاحب کو مقرر چل دیے

مفتی انوار امجدی ربانی اور حاجی معین
سب کی نظروں میں رہے بن کر جو برتر چل

رہبر مقبول و منظور و امام الدین اور
محسن اقلیم و زین اللہ و خوشتر چل دیے

عرس چہلم میں لیے عشق وعقیدت کا چراغ
آج ہم بھی ادری خالص پور قیصرؔ چل دیے

نتیجہ فکر: ابوارسلان سید قیصر خالد فردوسی
قصر فردوس، اسٹریٹ نمبر ۵/۱۸، نہرو وِہار مصطفٰی آباد دہلی-9899078692

رخت سفر باندھ گیا

سِلکِ تحریر میں جو لعل و گہر باندھ گیا
آہ وہ شاہِ قلم ، رَخت سفر باندھ گیا

کسی پردے سے چھپے گی نہ تجلی اس کی
یاد کے چرخ پہ وہ ایسا قمر باندھ گیا

فیض یٰسٓ سے اختر ہوئی اُس کی ہستی
ظلمتوں میں بھی وہ طلعت کا اثر باندھ گیا

علم و عرفاں کا سمندر ، وہ رئیس التحریر
خشک صحرا میں بھی فصلِ گلِ تر باندھ گیا

ناشر فکر رضا ، عشقِ نبی کا مجذوب
حق پہ چلتا رہا ، باطل کی ڈگر باندھ گیا

فن کا سلطان مگر تن پہ فقیری پوشاک
خالی ہاتھوں سے وہ اعزاز کا زر باندھ گیا

کیا تحمل تھا کہ ہر سوزِ عداوت سہہ کر
اپنے سایے میں وہ کتنے ہی شجر باندھ گیا

اُس کی غیرت کی جبیں، غیر کے در پر نہ جھکی
چاہے کتنا ہی کوئی نفع و ضرر باندھ گیا

اشک فشاں قرطاس و قلم

چھایا ہے یہ کیسا ابر غم
ہیں اشک فشاں قرطاس و قلم

صد حیف چلے یٰسین اختر
جو علم و عمل کے تھے پیکر

ہمدرد تھے اہل سنّت کے
غم خوار تھے بے شک ملّت کے

وہ اخترِ برجِ علم و فن
وہ علمی شناور کوہِ سخن

وہ فخرِ صحافت نازِ زباں
وہ بزمِ ادب کے کوہِ گراں

وہ شاہِ رضا کے شیدائی
ہے جن سے سخن کو زیبائی

تھے فیض وہ شاہِ برکت کے
پروردہ وہ حافظ ملت کے

تاریکی اُن سے دور رہے
ہر وقت لحد میں نور رہے

کرتا ہے مشاہدؔ رب سے دعا
اللہ دے اُن کو خلد علیٰ

سراپا غم: محمد حسین مشاہدؔ رضوی، ۸ مئی ۲۰۲۳ء شب دوشنبہ

سحر انگیز و سحر خیز ہے اس کا خامہ
جس طرف چل پڑا، اِکلیلِ ظفر باندھ گیا

اُس کی رحلت کا الم، دل سے نہ جائے گا کبھی
یاد کے دھاگے سے وہ دردِ جگر باندھ گیا

لفظ ملتے نہیں ، اِس درد کو کیسے لکھّوں
یوں وہ بچھڑا کہ دل و سمع و بصر باندھ گیا

اشرفیّہ کے در و بام ہیں نازاں اُس پر
قلب میں گرمیِ حق کے وہ شرر باندھ گیا

بن کے اک پیکر فیضانِ عزیزی، اُس نے
خیر کو عام کیا ، فتنہ و شر باندھ گیا

بے رکے ، بے تھکے ، ملت کی نگہبانی کی
کشتیِ حق لئے، ہر ایک بھنور باندھ گیا

فن کے اُس شاہ کا اعزاز نہ جانا ہم نے
قوم کے سر پہ جو دستارِ ہنر باندھ گیا

عام ہے سب کے لیے اُس کی ضیاے حکمت
کون کہتا ہے کہ وہ فیضِ نظر باندھ گیا

فضل مولیٰ سے چمکتی رہے اُس کی تربت
باغِ ملت میں جو حکمت کے ثمر باندھ گیا

اُس مُدبِّر کی بصیرت پہ فریدیؔ کا سلام
سینۂ شب پہ جو انوارِ سحر باندھ گیا

شریک غم: فریدی صدیقی مصباحی، مدینۃ العرفان مسقط عمان

رخصت ہو گئے

حضرتِ یاسین اختر آہ ! رخصت ہو گئے
یعنی دائم کے لئے ناگاہ رخصت ہو گئے

جن کی فکروں سے تھا اہل حق کا طبقہ مستفیض
دہر سے وہ مردِ حق آگاہ رخصت ہو گئے

بزم تحقیق و صحافت کی نرالی آب و تاب
آسمان آگہی کے ماہ رخصت ہو گئے

باب ''رضویات'' میں ہے جن کی کاوش منفرد
وہ ادیب و فاضل ذی جاہ رخصت ہو گئے

جن کی تصنیفات و تالیفات ہیں از حد وقیع
کشورِ خامہ کے شاہنشاہ رخصت ہو گئے

جن کی ہر ''خدمت'' چراغ رہ گزر ثابت ہوئی
سنیت کے قائد خوش خواہ رخصت ہو گئے

اعلیٰ حضرت کے مشن کے ایک مخلص ترجمان
ہادیِ گم گشت گان راہ رخصت ہو گئے

راہ مولا میں گزاری اپنی ساری زندگی
دل میں لے کر مصطفیٰ کی چاہ، رخصت ہو گئے

ہے دعا کیف الحسن کی خلد ہو اُن کا مقام
ناشر شرع رسول اللہ رخصت ہو گئے

شریک غم: کیف الحسن قادری، بانی وسربراہ اعلیٰ: تنویر القرآن انسٹی ٹیوٹ دہلی (این سی آر)

مردِ قلندر چل بسا

آہ ! قرطاس وقلم کا ماہِ انور چل بسا
کر کے افسردہ ہمیں یاسین اختر چل بسا

اہل دانش کے یہاں جو تھا قلم کا بادشاہ
ہائے ! وہ علم وہنر کا کوہ پیکر چل بسا

محفلِ فکر و ادب پر غم کے بادل چھا گئے
ہم سے رُخصت ہو کے جب مردِ قلندر چل بسا

روشنی میں یک بیک تاریکیاں چھانے لگیں
یوں لگا جیسے کوئی شمع بجھا کر چل بسا

بوستانِ حافظِ ملت کا وہ پیارا سا پھول
خود گیا ہنستا ہوا ، ہم کو رُلا کر چل بسا

جس کی تحریروں میں تھی عارف بلا کی چاشنی
دیکھ لو وہ چارہ گر ، ماہر سخن ور چل بسا

غیاث الدین احمد عارفؔ مصباحی، سعید العلوم، یکما ڈپو لکشمی پور، مہراج گنج (یوپی)

جہان اعلیٰ حضرت اشرفی یعنی گلدستۂ مقالات اعلیٰ حضرت اشرفی سیمینار

(منعقدہ ۹ رجب المرجب بروز ہفتہ ۱۴۴۳ھ، مطابق ۱۲ فروری ۲۰۲۲ء)

زیر قیادت: اشرف ملت حضرت مولانا سید شاہ ابوالنواز محمد اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی

قومی صدر آل انڈیا علما و مشائخ بورڈ۔ چیئرمین ورلڈ صوفی فورم۔ لین نمبر 1، جوہری فارم، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی

زیر اہتمام: خانقاہ اشرفیہ شیخ اعظم سرکارکلاں، کچھوچھہ شریف، ضلع امبیڈکر نگر (یو۔پی)

ناشر: الاشرف ٹرسٹ، لین نمبر 1 جوہری فارم، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی (انڈیا)

مقدمہ: اشرف ملت علامہ سید محمد اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی

کتاب کا نام: جہان اعلیٰ حضرت اشرفی میاں

ترتیب وتدوین: مولانا مقبول احمد سالک مصباحی دہلوی

نظر ثانی: خلیفۂ اشرف ملت حضرت مفتی محمد حبیب الرحمن علوی مداری سدھارتھ نگر (یوپی)

پروف ریڈنگ: اسلامک اسکالر محمد عظیم اشرف (جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی)

سال اشاعت: رجب المرجب ۱۴۴۴ھ مطابق فروری ۲۰۲۳ء۔ **قیمت:** 899/00 **تعداد صفحات:** 784/00

Azeem Ashraf Ashrafi : 9212357769 ,9997555583

نوٹ: ضرورت مند حضرات درج بالا نمبرات پر رابطہ قائم کریں اور گوگل کے پے کے ذریعے ادائیگی کر کے اپنا پوسٹ ایڈریس سینڈ فرمائیں۔

الحکمۃ ضالۃ المومن حیث وجدھا فھو احق بھا۔ حکمت، مومن کی متاع گم شدہ ہے، جہاں ملے وہ اُسے لے لے۔

سر العوارف فی بحر المعارف

تصوف وطریقت کے اسرار ورموز، صوفیا واہل اللہ کے اوراد و وظائف، عملیات وتعویذات، ادویات سازی کے خاندانی نسخہ جات کے تعلق سے حضرت مولانا پیر سید محمد انوار ندیم القادری ناظم اعلیٰ: مرکزی مدرسہ مدینۃ العلوم، چورو۔ کے افادات عالیہ وافاضات غالیہ پر مشتمل نایاب مجموعہ

ترتیب وتدوین

امیر القلم مولانا مقبول احمد سالک مصباحی اشرفی برکاتی، بانی وسربراہ اعلیٰ: جامعہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، نئی دہلی

باہتمام

شہزادۂ انوار ملت حضرت پیر سید غلام مصطفیٰ، قادری خانقاہ عالیہ قادریہ، چورو شریف، راجستھان۔

شائع کردہ: خانقاہِ عالیہ قادریہ چورو شریف، راجستھان (انڈیا)

ناشر: حضرت سید ابرار حسین قادری، سجادہ نشیں خانقاہ عالیہ قادریہ، وحضرت سید محمد حسین قادری، چورو شریف، راجستھان

صفحات: 560/00 **تعداد:** 500/00 **قیمت:** 1,000 **سن طباعت:** ۱۴۴۴ھ/ ۲۰۲۳ء

Published by:- Maulana Sayed Ghulam Mustufa Qadri, Churu raj. Mo.- 9057385997

مغربی بنگال کی سرزمین پر سواد اعظم اہل سنت و جماعت کی نمائندہ تحریک

آل انڈیا تبلیغ سیرت مغربی بنگال

6/تالتلہ لین، کلکتہ۔700014

جس نے بنگال کی سرزمین پر عملی سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۷۱ء میں امام التارکین، سید العارفین، سراج السالکین، سلطان المناظرین مجاہد ملت حضرت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمن قادری عباسی ہاشمی علیہ الرحمۃ والرضوان کی سرپرستی میں خلیفہ حضرت مجاہد ملت مفکر اسلام حضرت مولانا مدثر حسین حبیبی صاحب کی قیادت میں کیا جو بحمدہ تعالیٰ نصف صدی سے جماعت اہل سنت کی نمائندگی کا بحسن وخوبی فریضہ انجام دے رہا ہے۔

دینی تعلیمی نشریاتی شعبہ جات

شعبہ تعلیم:

جس کے تحت ایک مدرسہ **مدینۃ العلوم انسٹی ٹیوٹ**، تین دینی تعلیمی مکاتب اور ایک انگلش میڈیم **سیرت پبلک اسکول** جاری ہے جو دینی مذہبی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔

شعبہ اشاعت:

جس کے تحت اردو میں قریباً ۷۵ رکتابیں، ہندی میں ۹ رکتابیں، بنگلہ میں ۴ رکتابیں اور انگریزی میں ۱۰ رکتابیں شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ کل مطبوعہ کتابیں ۹۸ رہو چکی ہے۔

شعبہ دعوت وتبلیغ:

جس کے تحت متعدد مساجد اور مسلم بستیوں میں دعوت و تبلیغ کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ دینی بیداری کے لئے سالانہ ورکشاپ بھی منعقد کیے جاتے ہیں۔

@SEERAT.PUBLIC.SCHOOL

شعبہ ریلیف وفلاح:

جس کے تحت قدرتی آفات و حادثات سے متاثرہ افراد اور فساد زدہ مسلمانوں کی ملک کے طول و عرض میں اب تک درجنوں مقامات پر ہزاروں خاندانوں کی مدد کی جاچکی ہے۔
ان شاء اللہ تعالیٰ ادارہ کی خدمات کی تفصیلات آئندہ شمارے میں پیش کی جائیں گی۔

الداعی الی الخیر: محمد مجاہد حسین حبیبی - خادم: آل انڈیا تبلیغ سیرت مغربی بنگال

SEERAT PUBLIC SCHOOL — SPS — WHERE DREAMS TURN INTO REALITY

Email: seeratpublicschoolkolkata@gmail.com

Website: www.seeratpublicschool.org

9830829976 — 9830367155

SUNNI DAWATE ISLAMI
WORLDWIDE ISLAMIC MOVEMENT

اسلامی دعوت وتبلیغ اور تعلیم وتربیت کی عالمگیر تحریک

سنی دعوت اسلامی

کے اشاعتی ادارہ مکتبہ طیبہ ممبئی کی نصابی کتابیں

نوری قاعدہ عربی

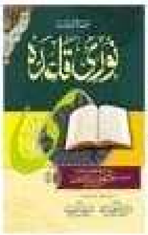

بچوں کو قرآن پاک پڑھنے کے قابل بنانے والی ایک بہترین کتاب۔ خوبصورت ڈیزائننگ اور عمدہ کاغذ میں دستیاب ہے۔

صفحات: ۱۳۲ | قیمت: ۶۰ روپے

نوری قاعدہ اردو

بچوں کے لئے اردو سیکھنے کی بالکل ابتدائی کتاب۔ تعمیر ادب قاعدہ سے زیادہ اپڈیٹیڈ، رنگین اور آرٹ پیپر میں چھپ کر دستیاب ہے۔

صفحات: ۴۰ | قیمت: ۶۰ روپے

اسلامیات: دو حصے

بچوں کو گرمیوں کی چھٹی کے موقع پر دین کی ضروری و بنیادی باتیں سکھانے والی ایک اہم کتاب۔

صفحات: ۱۰۲ | قیمت ۶۰

دروس اسلامی۔ اردو، انگلش۔ سات حصے نصاب۔

انگلش میڈیم اسکولوں میں زیر تعلیم مسلم طلبہ وطالبات کو دینی مسائل، آداب وسنن، دعائیں، احادیث وسیرت وغیرہ سکھانے والا بہترین

قیمت: ایک حصہ ۵۰ روپے | مکمل سات حصے ۳۵۰ روپے

اسلامی تعلیمی نصاب

ہر مسلمان مرد وعورت پر دین کی جو باتیں سیکھنا فرض ہیں ان پر مشتمل ایک مفید کتاب جسے پڑھنے کے بعد ایک مسلمان اپنی روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل وآداب سے واقف ہو سکے گا۔

صفحات: ۹۳۶ | قیمت: ۳۰۰

المدرس حصہ اول

درس نظامی کے مبتدی طلبہ وطالبات کے لئے منہاج العربیہ کی طرز پر ایک مفید کتاب بلکہ اس سے زیادہ اپڈیٹیڈ۔ جدید تقاضوں کے مطابق، رنگین، دیدہ زیب ہر درس کے بعد سوالات وجوابات کے علاوہ تمرین کا التزام کیا گیا ہے۔

صفحات: ۱۶۰ | قیمت: ۱۱۰

نوٹ: ان کتابوں کے علاوہ درجنوں مذہبی کتابیں اردو، ہندی اور انگریزی زبان میں دستیاب ہیں۔

ہمارا پتہ: مکتبہ طیبہ، مرکز اسماعیل حبیب مسجد ۱۲۶ ر کامبیکر اسٹریٹ، ممبئی ۳- 09833201573/02223451292

یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم
۱۵۰۰ سالہ
جشن عید میلاد النبی ﷺ
۱۲ ربیع الاول شریف ۱۴۴۷ھ مطابق ستمبر ۲۰۲۵ء
کو انشاء اللہ تعالیٰ ۱۵۰۰ سالہ جشن عید میلاد النبی ﷺ
پوری دنیا میں شان وشوکت کے ساتھ منایا جائے
اسیر مفتی اعظم محمد سعید نوری (بانی وصدر انٹرنیشنل تحریک میلاد النبی، ممبئی)
१५०० साला
जश्ने ईद मीलादुन्नबी ﷺ
१२ रबीउल अव्वल शरीफ़ १४४७ हि. मुताबिक़ सितंबर २०२५
को इन्शा अल्लाह १५०० साला जश्ने ईद मीलादुन्नबी ﷺ
पूरी दुनिया में शानो शौकत के साथ मनाया जाए.
असीरे मुफ़्तिए आज़म मोहम्मद सईद नूरी (बानी व सद्र इन्टरनेशनल तेहरीक़ मीलादुन्नबी, मुंबई)

انڈو اسلامک ہیریٹیج سنٹر، نئی دہلی

ہندوستان کے منفرد ثقافتی ورثے میں اسلام کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اسلام نے ہندوستانی ثقافت، فن تعمیر، زبان، ادبی تحریک و تحریر، خوراک، لباس، بولی، رسم و رواج، تعلقات اور لوگوں میں ہم آہنگی پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ کامیاب سماجی ہم آہنگی، سماجی انصاف اور تصوف کے ان تجربات کا آٹھویں صدی کے بعد ہندوستان پر گہرا اثر پڑا۔ اس کے نمائندے وہ درگاہیں بن گئیں جہاں صوفی بزرگوں نے ڈیرے ڈالے اور لوگوں کے ساتھ محبت، ہم آہنگی اور اتحاد کا مظاہرہ کیا۔ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ باقی اسلامی دنیا میں بھی ہندوستان کی اسلامی ثقافت اور دیگر مذاہب کے ساتھ اس کے تعلقات نے گہرا اثر چھوڑا ہے۔

اس کے لئے بہت سے تحقیقی ادارے ہیں، سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور اب بھی ہندوستانی اسلامی ثقافت کو سمجھنے کا عمل جاری ہے۔ انڈو اسلامک ہیریٹیج سنٹر اس موضوع پر غور و فکر کرنے کے لئے معاشرہ کی ترغیب کے ساتھ آگے آیا ہے جو ہندوستان اور اسلامی دنیا میں ثقافتی سرگرمیوں اور سماجی ہم آہنگی کے عمومی اصولوں پر بات کرے گا۔ ہندوستانی اسلامی معاشرہ کی جڑیں عرب، ایشیا، وسطی ایشیا تک میں ہیں، لیکن ہندوستانی تاریخ اور ثقافت کا اس پر گہرا اثر ہے۔ انڈین اسلامک ہیریٹیج سینٹر ان تمام رشتوں، ترقی اور ہم آہنگی پر تحقیق کرتے ہوئے سرگرمیاں جاری رکھنے کا خواہاں ہے۔

ارکان: پروفیسر سید لیاقت حسین معینی (ڈائریکٹر) | ڈاکٹر شجاعت علی قادری۔ ڈپٹی ڈائریکٹر

مزید معلومات کے لئے ان تفصیلات کو ملاحظہ فرمائیں

موبائل نمبر (واٹس ایپ): 8178527136 ویب سائٹ: https://indoislamic.org

فیس بک لنک: https://www.facebook.com/IndoIslamicHeritageCenter?mibextid=ZbWKwL

ٹویٹر آئی ڈی: IndoIslamicHC انسٹاگرام: indoislamicheritagecenter

مسلم اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آف انڈیا (ایم ایس او)

ہندوستان میں مسلم طلبہ (سنی صوفی) کی ایک اعلیٰ اور سب سے بڑی تنظیم ہے۔ یہ معاشرہ کی ترقی، قوم کی تعمیر، کیریئر گائیڈنس، انسداد دہشت گردی، اصلاح فکر و عقیدہ وغیرہ جیسے کام انجام دیتی ہے۔ ایم ایس او کا قیام یوپی کے علی گڑھ شہر میں 1977 میں ایڈوکیٹ اسماعیل وفا نے کیا تھا۔ اس تنظیم کے موجودہ سرپرست حضرت امین ملت، سید محمد امین میاں قادری برکاتی، صاحب سجادہ خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف ہیں۔ ایم، ایس، او کا صدر دفتر نئی دہلی کے جنگ پورا (نزد بستی حضرت نظام الدین) میں واقع ہے۔ کشمیر سے کیرالہ، راجستھان سے منی پور تک اس کی شاخیں موجود ہیں۔ MSO ہندوستان کی 21 ریاستوں میں کام کر رہی ہے۔ ایم ایس او کا ماننا ہے کہ امن، باہمی تعاون، محبت، بھائی چارہ اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی پر مبنی صوفی اسلامی تعلیمات ہی امن قائم کرنے کے لئے دنیا کے سامنے واحد متبادل ہیں۔ یہ تنظیم ہر طرح کی انتہا پسندی کی مذمت کرتی ہے اور ان نظریات کی بھی مخالف ہے جو ملک و ملت کے خلاف ہیں۔

رابطہ: 01146567200 | msoofindia@gmail.com | ویب سائٹ: www.msoofindia.net

جامعہ حنفیہ رضویہ مانک پور شریف

وطن عزیز ہندوستان کی عظیم دینی وعصری وتربیتی درس گاہ جامعہ حنفیہ رضویہ، یوپی کے ضلع پرتاپ گڑھ کے تاریخی قصبہ مانک پور شریف میں بر صغیر کا مشہور ومعروف، اپنی نوعیت کا منفرد وممتاز دینی وعصری ادارہ ہے۔ آج سے تقریباً ۸ سال قبل شہر پرتاپ گڑھ سے ۶۰ کلومیٹر اور شہر الہ آباد سے ۶۵ کلومیٹر کی دوری پر (لکھنؤ پریاگ راج ہائی وے) قصبہ مانک پور محلہ علی گنج، حامد شاہ روڈ پر عالم اسلام کی مشہور ومعروف دینی مذہبی شخصیتوں کے مقدس ہاتھوں اس کی تاسیس عمل میں آئی۔ آج اس ادارہ میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کے طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس قلیل مدت میں ۸ شعبے پر مشتمل دینی وعصری تعلیم وتربیت کی دانش گاہ ترقیاتی منازل کی طرف رواں دواں ہے۔ درجنوں ایسے طلبہ زیر تعلیم ہیں جن کے قیام وطعام، علاج ومعالجہ، قلم وکاپی وکپڑا، ودیگر ضروریات کے مصارف کا جامعہ خود کفیل ہے۔ اس قلیل مدت میں سیکڑوں طلبہ جامعہ سے فارغ ہو کر بیرونی ملکی جامعات خاص طور پر جامعہ ازہر مصر میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

جامعہ کے شعبہ جات

(۱) چھ سالہ شعبۂ درس نظامی (۲) تخصص فی الادب (۳) تخصص فی الفقہ (۴) معہد تحفیظ القرآن والتجوید (۵) شعبۂ نشر واشاعت (۶) حامدی دار الافتاء (۷) حسامی لائبریری (۸) جے ایچ آر پبلک اسکول (۹) مدرسہ گلشن مدینہ (نسواں) (۱۰) تنظیم فلاح المسلمین (۱۱) اسلامک اسٹڈیز سینٹر (نسواں) (۱۲) شعبہ دعوت وتبلیغ (۱۳) حنفی قرأت اکیڈمی۔ زیر نگرانی: شیخ القراء فاضل جامع ازہر قاہرہ، حضرت قاری محمد بلال ازہری (۱۴) شیخ حسام الدین دار الاقامہ (۱۵) حنفی سیمینار ہال (۱۶) زندہ سوختہ پہلوان شاہ درس گاہ حفظ وتجوید۔

اپیل: بلاشبہ اسلامی مدارس، دین کے مضبوط ستون ہیں اور تمام حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ اُن کا دار ومدار، اہل ثروت ومخیر حضرات کے تعاون پر ہے۔ آپ سب کے تعاون ومحنت ومحبت سے جامعہ قلیل مدت میں تعلیمی وتعمیری اعتبار سے ترقی کی جس راہ پر گامزن ہے، وہ سب کو معلوم ہے۔ اراکین جامعہ تمام معاونین کے شکر گزار ہیں۔ اس لئے رواں سال بھی تعاون کرنے کی بھرپور کوشش کریں اور عند اللہ ماجور ہیں۔ جزاکم اللہ خیر

طالب دعا: شاہ نواز عالم مصباحی ازہری سربراہ اعلیٰ جامعہ حنفیہ رضویہ، مانک پور شریف

8858321786,9565545226

JAMIA HANFIYA RAZAVIA

Aliganj Raji Hamid Shah Road, Manikpur Shareef, Kunda
Partapgarh, U.P. India, Pin.- 230202, Mob.- 7765970129

Kindly Donate to the given account Account No. 0653010038722
Bank of Baroda, *Branch:-* Manikpur *IFSC:-* BARBOMANIKP

AL-BARKAAT
Educational Institutions

AL-BARKAAT PUBLIC SCHOOL (+2)

From: PG to XII (with all streams)
*Qualified & Competent Teachers, * State-of-art Computer & Science Labs,
***Sprawling Sports Infrastructure ****Emphasis on overall Personality Development, *****Separate Section for Girls from VI to XII
www.albarkaat.com, e-mail: abpsprincipaloffice@gmail.com, Phone: 8899691307, 9045502007 (Ext. 101)

AL-BARKAAT INSTITUTE OF MANAGEMENT STUDIES (MBA)

Approved by AICTE, New Delhi & Affiliated to Dr. A.P.J. Abdul Kalam Technical University (Formerly UPTU), Lucknow
Course: Master of Business Administration (MBA)
Eligibility: Graduate with 50% and CUET PG Rank Holders/CAT Rank Holders/MAT Rank Holders/CMAT Rank Holders, Duration: 2 Years
www.abims.ac.in, e-mail: admission@abims.ac.in | abims117@rediffmail.com, Phone: 9105178607, 9105178608, 9045502007 (Ext. 131)

AL-BARKAAT INSTITUTE OF EDUCATION (B.Ed.)

Recognized by NCTE, New Delhi & Affiliated to Raja Mahendra Pratap Singh State University, Aligarh (NAAC Accredited Minority Institute)
*Course: Bachelor of Education (B.Ed.), **Duration: 2 Years (Four Semesters)
Eligibility: Bachelor/Master Degree with 50% Marks, Engineering Candidate 55% Marks (Admission will be on the basis of Rank Hold in UP B.Ed. Joint Entrance Examination)
www.abie.ac.in, e-mail: abie.b.ed@gmail.com, Phone: 9105178604, 9045502007 (Ext. 152)

AL-BARKAAT ISLAMIC RESEARCH & TRAINING INSTITUTE

Course: Advance Diploma in Islamic Studies & Personality Development
Duration: 2 Years
www.albarkaat.com, e-mail: aman92@gmail.com, Phone: 9105178603, 9045502007 (Ext. 151)

AL-BARKAAT PUBLIC SCHOOL (AFTERNOON SHIFT) UNDER PROJECT "RAHAT"

*Specially for Educationally & Economically Weaker Section of the Society,
** Fees Rs. 100/- Per Month Only, ***Dress & Books will be provided free of cost by the school. www.albarkaatrahatproject.org,
e-mail: afternoon school.albarkaat@gmail.com, Phone: 9105706786, 9045502007 (Ext. 112)

AL-BARKAAT COLLEGE OF GRADUATE STUDIES

Approved by Govt. of U.P. & Affiliated to Raja Mahendra Pratap Singh State University, Aligarh
Course: BBA & BA
*Focus on Personality Development, **Yearly Scholarship to Meritorious & Economically Weak Students,
***Fully Equipped Lab. & Sports Facilities
www.abcgs.org, e-mail: abcgsaligarh@gmail.com, Phone: 9105178606, 9045502007 (Ext. 150)

Al-Barkaat Masjid

AL-BARKAAT SYED HAMID COMMUNITY COLLEGE

*Diploma in Fashion Designing, **Certificate Course in Fashion Designing & Garments Making,
***Certificate Course in Refrigeration and Air Conditioners, ****Certificate Course in Food Production,
e-mail: abccsl12@gmail.com, Phone: 9105178605, 9045502007

Mehboob Fatima Girls Hostel

AL-BARKAAT CENTRE FOR COMPUTER SCIENCE & LANGUAGES

Courses Jointly Certified by NIELIT & NCPUL, Ministry of HRD & IT Govt. of India
* Diploma in Computer Application, Business Accounting & Multilingual DTP
**Diploma in Urdu Language, ***Diploma in Functional Arabic
****Diploma in Calligraphy & Graphic Design,
*****Certificate Course in Arabic Language
e-mail: abccsl12@gmail.com, Phone: 9105178605, 9045502007

Qadiria Girls Section

Junior Wing

AL-BARKAAT S.M. AFZAL INSTITUTE (VIVO HEALTH CARE)

Courses: *Emergency Medical Technician-Basic (EMT)
**General Duty Assistance (GDA),
*** Operation Theatre Technician (OTT)
Phone No.: 9105178605, 9045502007

Separate Hostel Accommodation for Boys and Girls

Al-Barkaat Hostels

Senior Wing

Nursery Section

P.O. A.D.F Anoopshahr Road, Aligarh-202122 (U.P.)
Phone No.: 9045502007, web: albarkaat.com, e-mail: albarkaatoffice@gmail.com

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء ذاکر نگر

بانی: قائد اہل سنت رئیس القلم **حضرت علامہ ارشد القادری** علیہ الرحمۃ والرضوان

شعبہ جات: (۱) کلیۃ الاختصاص فی الأدب والدعوۃ (۲) کلیۃ الاختصاص فی الفقہ والقضاء (۳) شرعی کونسل ادارۂ شرعیہ دہلی (۴) معہد تحفیظ القرآن الکریم والتجوید (۵) کلیۃ فاطمۃ الزہراء۔ نسواں مدرسہ (۶) تربیت گاہ لوح وقلم (۷) شعبۂ نشر واشاعت (۸) کمپیوٹر ٹریننگ سینٹر (۹) نظامی لائبریری (۱۰) شعبۂ دعوت وتبلیغ (۱۱) قادری اکادمی (درجہ پرائمری) (۱۲) نظامی مسجد (۱۳) نظامی ہوسٹل (۱۴) حراء انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن (۱۵) آٹھویں سے بارہویں کلاس تک طلبہ کے لئے کوچنگ کا اہتمام۔

نوٹ: مدارس اسلامیہ کی تاریخ میں پہلی بار جامعہ میں عربی وانگریزی کے ساتھ فرینچ (French) زبان کی تعلیم کی ابتدا۔

شرعی کونسل ادارۂ شرعیہ دہلی

دہلی کی سرزمین پر مسلمانوں کے عائلی اور دینی مسائل کے حل کے لئے ''ادارۂ شرعیہ'' کے قیام کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کی جارہی تھی۔ الحمدللہ دہلی واطراف کی ۳۰۰ مساجد کے امام صاحبان اور علمائے کرام کے تعاون سے اگست ۲۰۲۱ء سے جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کے زیر اہتمام ''شرعی کونسل ادارۂ شرعیہ دہلی'' کا قیام عمل میں آچکا ہے، جہاں سے عائلی، سماجی اور دیگر دینی مسائل کے جوابات دیے جاتے ہیں۔ باضابطہ دارالقضاء بھی قائم ہے جہاں قضاء سے متعلق فیصلے بھی لیے جاتے ہیں۔ دینی مسائل کے حل کے لئے دفتر سے رابطہ کریں۔

مستقبل کے عزائم

(۱) علماء کے لئے Law & Judiciary کی کوچنگ وداخلہ کی ابتدا (۲) حراء پبلک اسکول (۳) حراء گرلس میڈیکل کالج۔

ضروری اعلان: قائد اہل سنت، حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات سے متعلق ایک ضخیم اور مبسوط سوانح پر، نبیرۂ قائد اہل سنت مولانا محمود غازی ازہری (ڈائرکٹر جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء) کی نگرانی میں کام شروع ہوگیا ہے۔ اہل سنت کے جملہ عوام وخواص، علماء ومشائخ، محبین ومعتقدین، مریدین ومتوسلین سے گزارش ہے کہ حضرت قائد اہل سنت سے متعلق کسی بھی قسم کی یادداشت یا معلومات ہوں تو برائے کرم مندرجہ ذیل موبائل نمبروں یا، ای میل پر ارسال فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔ فقط والسلام مع الاکرام (ادارہ)

8178787016/9198392956/9625404406 Email:. ghazimg@gmail.com/ jhnaulia92@gmail.com